

مَعْلَمَاتُكُمْ وَسُنَّتُهُمْ خَلْفَاءُ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ

ماہنامہ
جہلم

السنة

شماره نمبر
43, 44, 45

شعبان ۱۴۳۲ھ الموافق جون ۲۰۱۱ء

ممبر

غلام مصطفیٰ جہلمی



وسیلہ نمبر



دارالتخصص والتحقیق، جہلم، پاکستان



ماہنامہ السنۃ، جہلم شماره نمبر 43,44,45 وسیلہ نمبر
جمادی ثانیہ، رجب، شعبان ۱۴۳۲ھ، بمطابق مئی، جون، جولائی ۲۰۱۲

- 1- وسیلہ ----- مفہوم و اقسام ابن جلال دین 02
- 2- وسیلہ اور قرآن کریم ابن شہاب سلفی 09
- 3- وسیلہ، صحیح احادیث اور فہم سلف کی روشنی میں حافظ ابویحییٰ انور پوری 58
- 4- مختلف مکاتب فکر اور وسیلہ غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری 75
- 5- وسیلے کی ممنوع اقسام پر دلائل کا جائزہ غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری 115
- 6- آدم علیہ السلام کا وسیلہ ابو عبد اللہ صارم 208
- 7- تُو اگر نہ ہوتا ----- ابن الحسن محمدی 246
- 8- نمازِ غوثیہ ابو سعید سلفی 258

وسیلہ۔۔۔۔۔ مفہوم و اقسام

ابن جلال دین

وسیلہ کا معنی و مفہوم :

لغوی طور پر وسیلہ سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے ذریعے کسی ذات تک رسائی یا قرب حاصل کیا جاسکتا ہو۔ لغت عرب کی قدیم اور معروف کتاب ”الصحاح“ میں ہے:

الْوَسِيلَةُ: مَا يَتَقَرَّبُ بِهِ إِلَى الْغَيْرِ . ”وسیلہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کسی کا قرب حاصل کیا جائے۔“

(الصحاح تاج اللغة و صحاح العربية لأبي نصر إسماعيل بن حماد الجوهري المتوفى 393هـ، باب اللام، فصل الواو، مادة وسل: 5/1841، دار العلم للملايين، بيروت، 1407هـ)

مشہور لغوی اور اصولی، علامہ مبارک بن محمد المعروف بہ ابن الاثیر جزری (445-606ھ) لکھتے ہیں:

فِي حَدِيثِ الْأَذَانِ: اللَّهُمَّ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ، هِيَ فِي الْأَصْلِ: مَا يَتَوَصَّلُ بِهِ إِلَى الشَّيْءِ وَيَتَقَرَّبُ بِهِ، وَجَمْعُهَا: وَسَائِلٌ، يُقَالُ: وَسَلَّ إِلَيْهِ وَسِيلَةً وَتَوَسَّلَ، وَالْمُرَادُ بِهِ فِي الْحَدِيثِ الْقُرْبُ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى، وَقِيلَ: هِيَ الشَّفَاعَةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

”اذان (کا جواب دینے کی فضیلت) والی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ اے اللہ! محمد (ﷺ) کو وسیلہ دے۔ وسیلہ اصل میں وہ چیز ہے جس کے ذریعے کسی چیز تک پہنچا جائے اور اس کا قرب حاصل کیا جائے۔ اس کی جمع وسائل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں کی طرف وسیلہ بنایا۔ حدیث نبوی میں وسیلے سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد قیامت کے دن ہونے والی شفاعت ہے۔“ (النهاية في غريب الحديث والأثر، باب الواو

مع السنين، مادة وسل: 5/555، المكتبة العلمية، بيروت، 1399ھ)

مشہور لغوی، علامہ ابوالفضل محمد بن مکرم بن علی، المعروف بہ ابن منظور افریقی (م: 711ھ)

لکھتے ہیں:

الْوَسِيلَةُ: الْمَنْزِلَةُ عِنْدَ الْمَلِكِ، وَالْوَسِيلَةُ: الدَّرَجَةُ، وَالْوَسِيلَةُ: الْقُرْبَةُ.

”وسیلہ سے مراد بادشاہ کے ہاں مقام و مرتبہ ہے۔ اس کا معنی درجہ اور قربت بھی ہوتا

ہے۔“ (لسان العرب، حرف اللام، فصل الواو، مادة وسل: 11/724، دار صادر، بیروت، 1414ھ)

معلوم ہوا کہ وسیلہ اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کا تقرب اور اس کی

خوشنودی حاصل کرتا ہے اور اس سے مراد نیک اعمال ہیں، جیسا کہ:

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ

الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (المائدة: 35)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرجاؤ اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد

کرو، تاکہ تم کامیاب ہو سکو۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ وہ وسیلہ کیا

ہے؟ تمام سنی مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد نیک اعمال ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ

فرمائیں مضمون ”وسیلہ اور قرآن کریم“۔

دعا میں وسیلہ

اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہوئے اس کو قبولیت کے درجے تک پہنچانے کے لیے جو طریقہ

اختیار کیا جاتا ہے، اسے بھی وسیلہ کہہ دیا جاتا ہے۔ دُعا چونکہ عبادت ہے اور ہر عبادت کا طریقہ بھی

قرآن و سنت سے ہی معلوم کیا جاتا ہے، لہذا دعا میں وسیلے کے بارے میں قرآن و سنت کی

تعلیمات کا جائزہ لیا جائے گا۔ دعا میں وسیلے کا جو جو طریقہ کتاب و سنت سے ثابت ہوگا، وہ جائز

اور مشروع ہوگا جبکہ دوسرے طریقے ناجائز و غیر مشروع ہوں گے۔ آئیے ملاحظہ فرمائیں:

وسیلے کی اقسام

جائز وسیلہ: دُعائیں و سیلے کی تین قسمیں مشروع و جائز ہیں:

① انسان اللہ تعالیٰ کو اس کے اسمائے حسنیٰ کا وسیلہ پیش کرے، مثلاً: یا اللہ! تجھے تیری

رحمت کا واسطہ، ہمارے حال پر رحم فرما۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا﴾ (الأعراف: 180)

”اللہ تعالیٰ کے بہت اچھے اچھے نام ہیں، اس سے ان ناموں کے ساتھ دُعا کیا کرو۔“

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ ابو عبد اللہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ (م: 671ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿فَادْعُوهُ بِهَا﴾، أَيِ اطَّلَبُوا امْنَهُ بِأَسْمَائِهِ، فَيَطْلُبُ بِكُلِّ اسْمٍ مَا

يَلِيْقُ بِهِ، تَقُولُ: يَا رَحِيمُ ارْحَمْنِي.....

”اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: ﴿فَادْعُوهُ بِهَا﴾ (تم اسے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ پکارو)،

یعنی اس سے اس کے ناموں کے وسیلے مانگو۔ ہر نام کے وسیلے اس سے ملتی جلتی چیز مانگی جائے، مثلاً

اے رحیم، مجھ پر رحم فرما۔۔۔“ (الجامع لأحكام القرآن: 327/7)

② ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے نیک اعمال کا وسیلہ پیش کیا جائے، جیسا کہ:

✽ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کی ایک صفت یوں بیان کی ہے:

﴿الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا أَمَتٌ فَأَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَوَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

(آل عمران: 3: 16)

”وہ لوگ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ہیں، لہذا ہمارے گناہ معاف

کردے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔“

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں خاتمة المفسرین، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ (م: 774ھ) فرماتے ہیں:

﴿الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا أَمْنَا﴾، أَي: بِيْكَ وَبِكِتَابِكَ وَبِرَسُولِكَ،
﴿فَاعْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا﴾، أَي بِيْأَيْمَانِنَا بِكَ وَبِمَاشَرَعَتِهِ لَنَا، فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَتَقْصِرْ نَا
مِنْ أَمْرِنَا بِفَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ، ﴿وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾.

”مومن کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم تجھ پر، تیری کتاب پر اور تیرے رسول پر
ایمان لے آئے ہیں۔ تو اپنے ساتھ ایمان رکھنے اور اپنی نازل کردہ شریعت کو تسلیم کرنے کے
طفیل اپنے فضل و رحمت سے ہمارے گناہ معاف اور ہماری کوتاہیاں سے درگزر فرما۔“

(تفسیر القرآن العظیم: 23/2)

❁ اسی طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا ایک قول اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے:

﴿رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ﴾

(آل عمران: 3: 53)

”اے ہمارے رب! ہم تیری نازل کردہ وحی پر ایمان لائے اور تیرے رسول کی پیروی
کی، لہذا ہمارا نام بھی تصدیق کرنے والوں میں شامل فرما دے۔“

❁ عقل مند لوگوں کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا

فَاعْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّنَا مَعَ الْآبِرَارِ﴾ (آل عمران: 3: 193)

”اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کی یہ پکار سنی کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ،
چنانچہ ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب! (اس ایمان کے طفیل) ہمارے گناہ معاف فرما
دے، ہم سے ہماری برائیاں دور کر دے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دے۔“

ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ دُعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو اپنے نیک اعمال کا واسطہ دینا

مشروع ہے۔ نیک اور عقل مند لوگوں کا یہی وطیرہ رہا ہے۔ مسلمانوں کو یہ جائز وسیلہ استعمال کرنا

چاہیے۔

صحیح حدیث میں اصحاب غار والا مشہور واقعہ موجود ہے، جنہوں نے مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو اپنے نیک اعمال کا وسیلہ پیش کیا تھا اور ان کی پریشانی رفع ہو گئی تھی۔

(صحیح البخاری: 2/883، ح: 5974، صحیح مسلم: 2/353، ح: 2743)

③ تیسری مشروع صورت یہ ہے کہ کسی زندہ، صالح اور مؤحد انسان سے دعا کرائی جائے، جیسا کہ سورہ نساء (64) میں اس کا ثبوت مذکور ہے۔ اس کی مکمل تفصیل اسی شمارے کے آئندہ صفحات میں دیکھیے۔

✽ صحابہ کرام نبی اکرم ﷺ سے مصیبت اور پریشانی میں دعا کراتے تھے۔ اس بارے میں بہت ساری احادیث موجود ہیں۔ ایک نابینا شخص نے نبی کریم ﷺ سے اپنے حق میں دعا کرائی تھی۔ (سنن الترمذی: 3578، وسندہ حسن)

✽ اسی طرح سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے دعا کرائی۔ (صحیح البخاری: 1/137، ح: 1010)

قرآن و سنت سے وسیلے کی یہی تین قسمیں ثابت ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا انہی پر عمل رہا ہے اور مسلمانوں کو انہی پر اکتفا کرنا چاہیے۔

وسیلے کی ناجائز صورتیں :

ان مذکورہ تین صورتوں کے علاوہ وسیلے کی تمام قسمیں غیر مشروع، ناجائز اور بدعت ہیں۔ بعض صورتیں یہ ہیں کہ حاضر یا غائب، زندہ یا فوت شدہ کی ذات کا وسیلہ پیش کیا جائے یا صاحبِ قبر کو یہ کہا جائے کہ آپ میرے حق میں دعا اور سفارش کریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں یا آپ کی وفات کے بعد آپ کی ذات کا وسیلہ پیش نہیں کیا، سلف صالحین اور ائمہ محدثین سے بھی یہ قطعاً ثابت نہیں۔ پھر وسیلے کی ان ناجائز اور غیر مشروع صورتوں کو اپنا دین کیسے بن سکتا ہے؟

وسیلے کی یہ صورتیں ایک تو اس وجہ سے غیر مشروع اور ناجائز و ممنوع ہیں کہ یہ بدعت ہیں،

قرآن وحدیث میں ان کا کوئی ثبوت نہیں اور صحابہ کرام اور سلف صالحین کا ان پر عمل نہیں۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا، لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا، فَهُوَ رَدٌّ))

”جو آدمی کوئی ایسا کام کرے جس پر ہمارا امر نہ ہو، وہ مردود ہے۔“

(صحیح مسلم: 2/77، 18/1877)

اسی سلسلے میں صحابی رسول سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان بھی ملاحظہ فرماتے جائیے جو

امام اسحاق بن راہویہ رضی اللہ عنہ (م: 238ھ) نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے:

أَخْبَرَ نَاعِيسِي بْنُ يُونُسَ، نَا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ يَقُولُ: عَجَبًا لَتَتَرَكَ النَّاسُ هَذَا الْإِهْلَالَ، وَلِتَكْبِيرِهِمْ مَا بِي، إِلَّا أَنْ يَكُونَ التَّكْبِيرَةُ حَسَنًا، وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْتِي الْإِنْسَانَ مِنْ قَبْلِ الْإِثْمِ، فَإِذَا عَصِمَ مِنْهُ جَاءَهُ مِنْ نَحْوِ الْبِرِّ، لِيَدَعَ سُنَّتَهُ وَيَلْتَبِدَّ عِبَادَةً.

”سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لوگوں کے اس تلبیہ کو چھوڑ کر تکبیر کہنے پر تعجب ہے۔

میرے نزدیک تکبیر اچھی چیز ہے، لیکن شیطان انسان کے پاس گناہ کے دروازے سے آتا ہے۔ جب وہ اس داؤ سے بچ جائے تو وہ اس کے پاس نیکی کے دروازے سے آتا ہے، تاکہ وہ

سنت کو چھوڑ کر بدعت کو اپنالے۔“ (مسند اسحاق بن راہویہ: 482، وسندہ صحیح)

یاد رہے کہ امام ابن جریج رضی اللہ عنہ ”مدلس“ ہیں، لیکن ان کی امام عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ سے

روایت سماع ہی پر محمول ہوتی ہے، اگرچہ وہ لفظوں میں سماع کی تصریح نہ بھی کریں۔

وہ خود بیان کرتے ہیں: عَطَاءٌ، فَأَنَا سَمِعْتُهُ مِنْهُ، وَإِنْ لَمْ أَقُلْ سَمِعْتُ.

”میں نے امام عطاء بن ابی رباح سے سنا ہوتا ہے، اگرچہ میں سننے کی صراحت نہ بھی

کروں۔“ (تاریخ ابن ابی خیشمہ: 2/241، 247، وسندہ صحیح)

لہذا اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ والحمد للہ!

وسیلے کی ان صورتوں کے غیر مشروع اور ناجائز ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ غلو پر مبنی ہیں، جبکہ نبی کریم ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے:

«وَأَيُّكُمْ وَالْعُلُوِّ فِي الدِّينِ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ قَبْلَكُمْ الْعُلُوُّ فِي الدِّينِ»

”تم دین میں غلو کرنے سے بچے رہنا، کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو دین میں غلو ہی نے ہلاک

کر دیا تھا۔“ (مسند الإمام أحمد: 1/215، سنن النسائي: 3059، سنن ابن ماجه: 3029، مسند أبي يعلى: 2427، المستدرک علی الصحیحین للحاکم: 1/466، وسندة صحیح)

اس حدیث کو امام ابن الجارود (473)، امام ابن خزیمہ (2867)، امام ابن حبان (3871) رحمہم اللہ نے ”صحیح“ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اس کو امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر ”صحیح“ کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت بھی کی ہے۔

ہر بدعت کا منشاء دین میں غلو ہوتا ہے۔ غلو سے مراد یہ ہے کہ عبادات میں شریعت کی بیان کردہ حدود و قیود اور طریقہ ہائے کار پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ ان کی ادائیگی میں خود ساختہ طریقوں کا اضافہ کر دیا جائے۔ چونکہ دین میں غلو ہلاکت و بربادی کا موجب ہے، لہذا عبادات کو بجالانے کے سلسلے میں قرآن و سنت ہی پر اکتفا ضروری ہوتا ہے۔



وسیلہ اور قرآن کریم

ابن شہاب سلفی

سابقہ مضمون میں بیان ہو چکا ہے کہ کتاب و سنت سے وسیلے کی کون کون سی صورتیں ثابت ہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں مختصراً ان کے دلائل بھی قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس کے برعکس بعض لوگ وسیلے کی ان صورتوں کے قائل و فاعل ہیں جو کتاب و سنت سے ثابت نہیں۔ دیگر گمراہ کن عقائد کے حاملین کی طرح یہ لوگ بھی اپنے ہمنواؤں کو طفل تسلی دینے کے لیے اپنے دلائل قرآن کریم سے تراشنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ ان کی اختیار کردہ صورتیں کتاب و سنت سے صریحاً متضاد ہیں۔ اصلاح احوال کی خاطر ان کی طرف سے دیئے جانے والے قرآنی دلائل کا علمی اور تحقیقی جائزہ پیش خدمت ہے:

دلیل نمبر ①: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ

الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (المائدہ: 5: 35)

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کے راستے میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو سکو۔“

تبصرہ:

گزشتہ صفحات میں ہم نے بتایا تھا کہ باتفاق مفسرین اس آیت کریمہ میں وسیلے سے مراد ذاتی نیک اعمال کے ذریعے اللہ کا تقرب حاصل کرنا ہے۔ بعض لوگوں کا اس سے نفرت شدگان کے وسیلہ پر دلیل لینا قرآن مجید کی معنوی تحریف کے مترادف ہے۔ آئیے اب مفسرین کرام کے اقوال بالتفصیل ملاحظہ فرمائیں:

امام المفسرین، علامہ ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید طبری رحمۃ اللہ علیہ (م 310ھ) لکھتے ہیں:

﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ يَقُولُ: وَاطْلُبُوا الْقُرْبَةَ إِلَيْهِ بِالْعَمَلِ بِمَا يُرْضِيهِ،

وَالْوَسِيلَةُ: هِيَ الْفَعِيلَةُ مِنْ قَوْلِ الْقَائِلِ: تَوَسَّلْتُ إِلَى فُلَانٍ بِكَذَا، بِمَعْنَى: تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ..... وَبِنَحْوِ الَّذِي قُلْنَا فِي ذَلِكَ قَالَ أَهْلُ التَّأْوِيلِ، ذِكْرٌ مَنْ قَالَ ذَلِكَ: حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: ثنا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ، قَالَ: ثنا سُفْيَانُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ: ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (المائدة: 35)، قَالَ: التُّرْبَةُ فِي الْأَعْمَالِ.

﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (المائدة: 35) (اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو)، یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کو راضی کرنے والے اعمال کے ذریعے اس کا تقرب حاصل کرو۔ وسیلہ تَوَسَّلَ سے فَعِيلَةٌ کا وزن ہے جس کا معنی ہوتا ہے: کسی چیز کے ذریعے کسی ذات کا تقرب حاصل کرنا۔۔۔ وسیلے کے معنی و مفہوم کے بارے میں مفسرین کرام وہی کہتے ہیں جو کچھ ہم نے کہہ دیا ہے۔ ان کا تذکرہ ہم یہاں (اپنی سند سے) کیے دیتے ہیں۔ ہمیں محمد بن بشار (ثقة، حافظ) نے بتایا۔ انہیں ابو احمد زبیری (ثقة، مثبت) نے اور انہیں امام سفیان ثوری (ثقة، حجة، فقیہ، عابد) نے بیان کیا، وہ منصور (ثقة، مثبت) کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ (ثقة تابعی) امام ابو وائل شقیق بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (المائدة: 35) (اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو) کا مطلب یہ ہے کہ نیک اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرو۔“ (جامع البيان في تأويل آي القرآن: 403/8)

نحو لغت اور عربی ادب کے امام، معروف مفسر، علامہ زنجشیری (م: 538ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الْوَسِيلَةُ: كُلُّ مَا يُتَوَسَّلُ بِهِ، أَيُّ يُتَقَرَّبُ مِنْ قَرَابَةٍ أَوْ صَنِيعَةٍ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ، فَاسْتَعِيرَتْ لِمَا يُتَوَسَّلُ بِهِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى، مِنْ فِعْلِ الطَّاعَاتِ وَتَرْكِ الْمَعَاصِي، وَأُنشِدَ لِلْبَيْدِ:

أَرَى النَّاسَ لَا يَدْرُونَ مَا قَدَرُوا أَمْرَهُمْ الْأَكْلُ ذِي لُبٍّ إِلَى اللَّهِ وَاسِئَلٌ
 ”وسیلہ (نعوی معنی کے اعتبار سے) ہر وہ رشتہ داری یا عمل ہے جس کے ذریعے کسی کا قرب حاصل کیا جاسکے۔ پھر اس کا استعمال نیک اعمال کی بجا آوری اور معاصی سے اجتناب پر ہونے لگا اور اسی کے وسیلے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے۔ لبید کے ایک شعر کا مفہوم ہے: میں دیکھتا ہوں کہ لوگ اپنی حیثیت کا احساس نہیں کرتے، ہر عقل مند کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا چاہیے۔“ (الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل: 1/628)

مشہور مفسر و متکلم، فلسفی و اصولی، علامہ فخر الدین رازی (م: 606ھ) فرماتے ہیں:

وَقَالَ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾، كَأَنَّهُ قِيلَ: قَدْ عَرَفْتُمْ كَمَالَ جَسَارَةِ الْيَهُودِ عَلَى الْمَعَاصِي وَالذُّنُوبِ، وَبُعْدَهُمْ عَنِ الطَّاعَاتِ الَّتِي هِيَ الْوَسَائِلُ لِلْعَبْدِ إِلَى الرَّبِّ، فَكُونُوا يَا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ! بِالضِّدِّ مِنْ ذَلِكَ، وَكُونُوا مُتَّقِينَ عَنِ مَعَاصِي اللَّهِ، مُتَوَسِّلِينَ إِلَى اللَّهِ بِطَاعَاتِ اللَّهِ.

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو)، یعنی مسلمانو! تم نے دیکھ لیا ہے کہ یہود معصیت و نافرمانی کے ارتکاب میں کس قدر جرأت سے کام لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری، جو کہ بندے کے لیے اپنے رب کے تقرب کا وسیلہ ہوتا ہے، سے کتنا دور تھے۔ تم اس کے بالکل برعکس ہو جانا، اللہ کی معصیت و نافرمانی سے بچنا اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو وسیلہ بنا کر اس کا تقرب حاصل کرتے رہنا۔“

(مفاتیح الغیب، المعروف بالتفسیر الکبیر: 11/348، 349)

معروف مفسر، علامہ ابوالحسن، علی بن محمد، المعروف بہ خازن (م: 741ھ) لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ﴾ أَيُّ خَافُوا اللَّهَ بِنَزَكِ

الْمَنْهِيَّاتِ، ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ يَعْنِي: وَاطْلُبُوا إِلَيْهِ الْقُرْبَ بِطَاعَتِهِ وَالْعَمَلَ بِمَا يَرْضِي، وَإِنَّمَا قُلْنَا ذَلِكَ، لِأَنَّ مَجَامِعَ التَّكْلِيفِ مَحْضُورَةٌ فِي نَوْعَيْنِ، لَا ثَالِثَ لَهُمَا، أَحَدُ النَّوْعَيْنِ: تَرْكُ الْمَنْهِيَّاتِ، وَإِلَيْهِ الْإِشَارَةُ بِقَوْلِهِ: ﴿اتَّقُوا اللَّهَ﴾، وَالثَّانِي: التَّقَرُّبُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى بِالطَّاعَاتِ، وَإِلَيْهِ الْإِشَارَةُ بِقَوْلِهِ: ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾.

”فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ﴾ (ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو)، یعنی اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کی تمام منع کردہ چیزوں سے رک جاؤ۔ ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو)، یعنی اس کی فرمانبرداری اور خوشنودی والے اعمال کے ذریعے اس کا تقرب حاصل کرو۔ ہم نے یہ اس لیے کہا ہے کہ تمام شرعی پابندیاں آخر کار دو قسموں میں منقسم ہو جاتی ہیں۔ ایک قسم ممنوعات سے احتراز ہے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور دوسری قسم احکاماتِ الہی پر عمل کر کے اس کا تقرب حاصل کرنا ہے اور اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ اس کا تقرب حاصل کرو۔“ (باب التأویل فی معانی التنزیل: 39/2)

سنی مفسر، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (م: 774 ھ) لکھتے ہیں:

وَهَذَا الَّذِي قَالَ هُوَ لَاءِ الْأَيْمَةِ، لِأَخْلَافِ بَيْنِ الْمُفَسِّرِينَ.

”ان ائمہ دین نے جو فرمایا ہے، یہ مفسرین کرام کا اتفاق فیصلہ ہے۔“

(تفسیر ابن کثیر: 535/2)

قارئین کرام! یہ تھے امتِ مسلمہ کے معروف مفسرین جن کی زبانی آپ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر ملاحظہ فرمائی ہے۔ سب نے بالاتفاق وسیلے سے ذاتی نیک اعمال مراد لیے ہیں۔ کسی بھی تفسیر میں اس آیتِ کریمہ سے دعائیں فوت شدگان کا وسیلہ دینے کا اثبات نہیں کیا

گیا۔ حیرانی تو یہ ہے کہ ہمارے جو بھائی فروعی مسائل میں تقلید شخصی کے لازم ہونے کے لیے یہ دلیل دیتے ہیں کہ ہم از خود قرآن و سنت کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے، وہی عقیدے کے اس مسئلے میں سب مفسرین کو ”بائی پاس“ کرتے ہوئے خود مفسر قرآن بن کر آیت مبارکہ کا ایسا بدعی اور خود ساختہ مفہوم لیتے ہیں جو اسلاف امت میں سے کسی نے بیان نہیں کیا۔

ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ سے دعا میں فوت شدہ نیک لوگوں کی ذات یا اعمال کا وسیلہ پیش کرنے کا جواز قطعاً ثابت نہیں ہوتا، بلکہ یہ آیت تو علی الاعلان اس کی نفی کر رہی ہے، جیسا کہ: علامہ فخر الدین رازی (544-606ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّهُ تَعَالَى حَكِي عَنْهُمْ أَنَّهُمْ قَالُوا: ﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾ (المائدة: 5: 18)
 أَيُّ: نَحْنُ أَبْنَاءُ أَنْبِيَاءِ اللَّهِ، فَكَانَ افْتِحَاؤُهُمْ بِأَعْمَالِ آبَائِهِمْ، فَقَالَ تَعَالَى: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
 آمَنُوا! لِيَكُنْ مَفَاخِرُكُمْ بِأَعْمَالِكُمْ، لَا بِشَرَفِ آبَائِكُمْ وَأَسْلَابِكُمْ، فَاتَّقُوا اللَّهَ
 وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ.

”اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ: ﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾ (المائدة: 5: 18) (ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں)، یعنی یہود و نصاریٰ اس بات پر خوش ہوتے رہتے تھے کہ وہ انبیائے کرام کے بیٹے ہیں۔ وہ اپنے آباء و اجداد کے اعمال پر فخر کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایمان والو! اپنے آباء و اسلاف کے شرف پر فخر نہ کرو، بلکہ اپنے ذاتی اعمال ہی پر نظر رکھو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کا قرب تلاش کرو۔“ (مفاتیح الغیب: 11/349)

معلوم ہوا کہ نیک بزرگوں کی شخصیات اور اسلاف امت کے اعمال کو اپنی نجات کے لیے وسیلہ بنانا یہود و نصاریٰ کی روش تھی جسے ختم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی، لیکن داد دیجیے اس جرأت کی کہ بعض لوگ آج اسی آیت کریمہ سے فوت شدہ صالحین کا تو سہل ثابت کر رہے ہیں۔ العیاذ باللہ!

دلیل نمبر ②:

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾ (الإسراء: 17: 57)

”یہ لوگ جنہیں مشرکین پکارتے ہیں، یہ تو اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔“
امام المفسرین، علامہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ (224-310ھ) اس آیتِ کریمہ کی تفسیر یوں فرماتے ہیں:

يَقُولُ تَعَالَىٰ ذِكْرُهُ : هُوَ لِأَنَّ الَّذِينَ يَدْعُوهُمْ هُوَ لِأَنَّ الْمُشْرِكُونَ أَرْبَابًا

﴿يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾، يَقُولُ : يَبْتَغِي الْمَدْعُوُونَ أَرْبَابًا إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْقُرْبَةَ وَالرُّلْفَةَ، لِأَنََّّهُمْ أَهْلُ إِيمَانٍ بِهِ، وَالْمُشْرِكُونَ بِاللَّهِ يَعْبُدُونَ نَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ.

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن (نیک) لوگوں کو مشرکین اپنے رب سمجھے بیٹھے ہیں وہ تو خود اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں، یعنی وہ نیک لوگ اپنے رب کا قرب ڈھونڈتے ہیں۔ اس طرح کہ وہ اللہ کے ساتھ ایمان لاتے ہیں، جبکہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔“ (جامع البيان في تأويل القرآن: 17/ 471)

علامہ ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ (م: 373ھ) لکھتے ہیں:

﴿يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾، يَقُولُ : يَطْلُبُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْقُرْبَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَالْكَرَامَةَ بِالْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ.

”یہ نیک لوگ اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں، یعنی وہ نیک اعمال کے ذریعے اپنے رب کا قرب، اس کے ہاں فضیلت اور کرامت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔“

(بحر العلوم: 2/ 317)

معروف مفسر قرآن، حافظ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی (م: 671ھ) فرماتے ہیں:

و"يَبْتَغُونَ" يَطْلُبُونَ مِنَ اللَّهِ الرُّلْفَةَ وَالْقُرْبَةَ، وَيَتَصَرَّعُونَ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى فِي

طَلَبِ الْجَنَّةِ، وَهِيَ الْوَسِيلَةُ .

”وہ نیک لوگ اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے جنت کی طلب کے لیے بڑی گریہ و زاری سے کام لیتے ہیں۔ یہی وسیلہ ہے۔“ (الجامع لأحكام القرآن: 10/279)

علامہ ابوسعید عبداللہ بن عمر شیرازی بیضاوی (م: 685ھ) لکھتے ہیں:

﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾، هُوَ لِأَيِّ الْأَلِهَةِ يَبْتَغُونَ إِلَى اللَّهِ الْقَرَابَةَ بِالطَّاعَةِ .

”فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾ (یہ لوگ جنہیں مشرکین پکارتے ہیں، یہ تو اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں)، یعنی یہ نیک لوگ اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔“ (أنوار التنزیل وأسرار التأویل: 3/259)

مشہور تفسیر ”جلالین“ میں اس آیت کی تفسیریوں کی گئی ہے:

يَطْلُبُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ، الْقَرَابَةَ بِالطَّاعَةِ .

”وہ نیک لوگ (جنہیں مشرکین اپنے معبود سمجھے بیٹھے ہیں) اپنے رب کی طرف وسیلہ بناتے ہیں، یعنی نیک اعمال کے ذریعے اس کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔“

(تفسیر الجلالین: 372)

علامہ ابوالقاسم محمود بن عمرو مخشری (م: 538ھ) کی طرف سے اس آیت کی تفسیر یہ ہے:

صِمْنٌ يَبْتَغُونَ الْوَسِيلَةَ مَعْنَى يَحْرِصُونَ، فَكَأَنَّهُ قِيلَ: يَحْرِصُونَ أَيُّهُمْ يَكُونُ أَقْرَبَ إِلَى اللَّهِ، وَذَلِكَ بِالطَّاعَةِ، وَازْدِيَادِ الْخَيْرِ وَالصَّلَاحِ .

”وسیلہ تلاش کرنے میں حرص و طمع کا معنی ہے، گویا کہ یوں کہا گیا ہے: وہ اس حرص میں ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا زیادہ قرب حاصل ہو جائے۔ اور یہ قرب اطاعتِ الہی اور خیر و بھلائی

کے کاموں میں آگے بڑھنے سے ملتا ہے۔“ (الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل: 2/673)

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب (م: 1352ھ) کہتے ہیں:

أَمَّا قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾، فَذَلِكَ وَإِنْ اقْتَضَى ابْتِغَاءُ وَاسِطَةٍ، لَكِنْ لَا حُجَّةَ فِيهِ عَلَى التَّوَسُّلِ الْمَعْرُوفِ بِالْأَسْمَاءِ فَقَطْ، وَذَهَبَ ابْنُ تَيْمِيَّةَ إِلَى تَحْرِيمِهِ، وَأَجَازَهُ صَاحِبُ الدَّرِّ الْمُحْتَارِ، وَلَكِنْ لَمْ يَأْتِ بِنَقْلِ عَنِ السَّلَفِ.

”فرمانِ باری تعالیٰ ﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ اگرچہ کسی وسیلے کی تلاش کا متقاضی ہے لیکن اس آیتِ کریمہ میں ہمارے ہاں رائج ناموں کے توسل کی کوئی دلیل نہیں۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں، جبکہ صاحبِ درّ مختار نے اسے جائز قرار دیا ہے، البتہ انہوں نے اس بارے میں سلف سے کوئی روایت بیان نہیں کی۔“ (فیض الباری: 3/434)

جناب کشمیری صاحب کو اعتراف ہے کہ متاخرین احناف کا اختیار کردہ وسیلہ سلف سے منقول نہیں۔ کسی ثقہ امام نے اس آیتِ کریمہ سے توسل بالاموات یا توسل بالذوات کا نظریہ ثابت نہیں کیا۔ قرآن مجید کی وہی تفسیر و تعبیر معتبر ہے جو سلف سے منقول ہے۔ اس کے علاوہ سب کچھ فضول ہے۔ صاحبِ درّ مختار کا سلف صالحین کی مخالفت میں اسے جائز قرار دینا درست نہیں۔ اسلافِ امت میں سے کسی نے اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے کبھی بھی کسی فوت شدہ شخصیت کا وسیلہ پیش نہیں کیا۔ لیکن آج بعض لوگ انہی کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کو وسیلہ پیش کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی گنگا اٹی بہتی ہے۔

دلیل نمبر ③: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا

اللَّهُ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ (النساء: 4/64)

” (اے نبی!) اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کے پاس آئیں، پھر اللہ سے معافی مانگیں اور ان کے لیے اللہ کا رسول بھی معافی مانگے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور نہایت رحیم پائیں گے۔“

تبصرہ: اس آیت مبارکہ سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ گناہ گار لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس آئیں۔ خود اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی کی سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادے گا۔ ہم بتا چکے ہیں کہ زندہ لوگوں سے دعا کرنا تو مشروع وسیلہ ہے۔ اس میں کسی کو کوئی اختلاف ہی نہیں۔ اس آیت کریمہ میں فوت شدگان کا وسیلہ پیش کرنے سے متعلق کوئی دلیل نہیں۔ یہ آیت کریمہ تو ہماری دلیل ہے جو وسیلہ کی مشروع صورت پر مبنی ہے، نہ کہ ان لوگوں کی جو وسیلہ ”بالذوات وبالاموات“ کے قائل و فاعل ہیں۔

آپ ﷺ کے پاس آنے والا یہ معاملہ تو آپ کی زندگی تک محدود تھا۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد کسی صحابہ، تابعی یا ثقہ امام نے آپ ﷺ کی قبر مبارک پر آ کر آپ سے سفارش کرنے کی درخواست نہیں کی۔ صدیوں بعد بعض لوگوں نے یہ بدعت گھڑ لی اور اس کے ثبوت پیش کرنے کے لیے قرآن کریم میں تحریف معنوی شروع کر دی۔ ان کی کارروائی ملاحظہ ہو:

① ابن حجر ہیتمی (909-974ھ) اس آیت کے متعلق کہتے ہیں:

دَلَّتْ عَلَىٰ حَثِّ الْأُمَّةِ عَلَى الْمَجِيئِ إِلَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالِاسْتِغْفَارِ عِنْدَهُ، وَالِاسْتِغْفَارِ لَهُمْ، وَهَذَا لَا يَنْقَطِعُ بِمَوْتِهِ، وَدَلَّتْ أَيْضًا عَلَى تَعْلِيْقِ وَجَدَانِهِمِ اللَّهُ تَوَابًا رَحِيمًا بِمَجِيئِهِمْ، وَاسْتِغْفَارِهِمْ، وَاسْتِغْفَارِ الرَّسُولِ لَهُمْ.

”یہ آیت کریمہ امت کو آپ ﷺ کے پاس آنے اور آپ کے پاس آ کر استغفار کرنے کی ترغیب دیتی ہے اور بتاتی ہے کہ آپ ان کے لیے استغفار کریں۔ یہ معاملہ آپ ﷺ کی وفات سے منقطع نہیں ہوا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ آپ کے پاس آئیں گے، اپنے

گناہوں کی معافی مانگیں گے اور آپ ﷺ بھی ان کے لیے استغفار کریں گے تو ہی اللہ ان کی توبہ قبول کر کے ان پر رحم فرمائے گا۔“ (الجوہر المنظم، ص: 12)

② حنفی مذہب کی معتبر ترین کتاب میں نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے آداب کے ضمن میں لکھا ہے:

وَيُبَلِّغُهُ سَلَامَ مَنْ أَوْصَاهُ، فَيَقُولُ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ، يَسْتَشْفِعُ بِكَ إِلَى رَبِّكَ، فَاشْفَعْ لَهُ وَاجْمِيعِ الْمُسْلِمِينَ.

” (قبر مبارک کی زیارت کے لیے آنے والا) آپ ﷺ کو سلام بھیجنے والے کا سلام پہنچاتے ہوئے کہے: یا رسول اللہ! یہ فلاں بن فلاں کی طرف سے ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں آپ کی سفارش کا طلب گار ہے۔ آپ اس کے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے سفارش فرما دیجیے۔“ (الفتاویٰ الہندیۃ المعروف بہ ”فتاویٰ عالمگیری“، 1/282، طبع مصر)

③ دارالعلوم دیوبند کے بانی جناب محمد قاسم نانوتوی (1248-1297ھ) اس آیت کریمہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

” کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں، آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو، آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرنا جب ہی متصور ہے کہ قبر میں زندہ ہوں۔“

(آب حیات، ص: 40)

④ جناب ظفر احمد عثمانی تھانوی دیوبندی (م: 1394ھ) لکھتے ہیں:

فَنَبَتْ أَنَّ حُكْمَ الْآيَةِ بَاقٍ بَعْدَ وَفَاتِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

” ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کا حکم آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔“

(إعلاء السنن: 10/330)

⑤ علی بن عبد الکافی بسکی (683-756ھ) بھی لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس بارے

میں صریح ہے۔ (شفاء السقام، ص: 128)

⑥ علی بن عبداللہ بن احمد سمہودی (844-911ھ) نے لکھا ہے:

وَالْعُلَمَاءُ فَهَمُّوْا مِنْ الْآيَةِ الْعُمُوْمِ بِحَالَتِي الْمَوْتِ وَالْحَيَاةِ، وَاسْتَحْبُّوْا الْمَنْ
أَتَى الْقَبْرَ أَنْ يَتْلُوَهَا وَيَسْتَغْفِرَ اللهُ تَعَالَى، وَحِكَايَةُ الْأَعْرَابِيِّ فِي ذَلِكَ تَقْلَهُهَا جَمَاعَةٌ
مِّنَ الْأَيْمَةِ عَنِ الْعُثْبِيِّ.

”علماء نے اس آیت سے موت اور زندگی دونوں حالتوں کا عموم سمجھا ہے اور انہوں نے قبر مبارک پر جا کر اس آیت کی تلاوت کرنے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنے کو مستحب قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک بدوی والی حکایت کو ائمہ کی ایک جماعت نے عثبی سے نقل کیا ہے۔“

(وفاء الوفاء: 2/411)

سلف صالحین میں سے تو کوئی بھی ایسا نہیں کہتا، بعد کے لوگوں کی تفسیر، فہم دین میں کوئی مقام نہیں رکھتی۔ سلف میں کون سے علماء نے اس آیت سے وفاتِ نبوی کے بعد بھی آپ ﷺ سے استغفار کرانے کا فہم لیا ہے؟

علامہ سبکی نے بھی یہی بات کی تھی۔ ان کا رد کرتے ہوئے ان کے ایک ہم عصر عالم، حافظ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ (704-744ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ فَهَمَ هَذَا مِنْ سَلَفِ الْأُمَّةِ وَالْأُمَّةِ الْإِسْلَامِ، فَادُّكُرْ لَنَا عَنْ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنَ
الصَّحَابَةِ أَوْ التَّابِعِينَ، أَوْ تَابِعِي التَّابِعِينَ أَوْ الْأَيْمَةِ الْأَرْبَعَةَ، أَوْ غَيْرِهِمْ مِنَ الْأَيْمَةِ
وَأَهْلِ الْحَدِيثِ وَالتَّفْسِيرِ أَنَّهُ فَهَمَ الْعُمُوْمِ بِالْمَعْنَى الَّذِي ذَكَرْتَهُ، أَوْ عَمِلَ بِهِ أَوْ
أَرْشَدَ إِلَيْهِ، فَدَعَوْاكَ عَلَى الْعُلَمَاءِ بِطَرِيقِ الْعُمُوْمِ هَذَا فَهَمَ دَعْوِي بَاطِلَةٌ
ظَاهِرَةٌ الْبُطْلَانِ.

”اسلاف امت اور ائمہ اسلام میں سے کس نے اس آیت سے یہ سمجھا ہے؟ ہمیں صحابہ

کرام، تابعین عظام، تبع تابعین، ائمہ اربعہ یا اہل حدیث و تفسیر میں سے کسی ایک شخص سے بھی دکھا دو کہ اس نے اس آیت سے وہ عموم سمجھا ہو جو تم نے ذکر کیا ہے یا اس نے اس پر عمل کیا ہو یا اس کی طرف رہنمائی کی ہو۔ تمہارا سارے علمائے کرام کے بارے میں اس آیت میں یہ عموم سمجھنے کا دعویٰ کرنا صریح باطل اور جھوٹا دعویٰ ہے۔“ (الصارم المنکھی فی الرد علی السبکی، ص: 321)

رہی بدوی والی حکایت تو اسے علمائے کرام نے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ذکر کیا ہے، نہ کہ حجت اور دلیل بنانے کے لیے۔ بہت سے علمائے کرام نے اس من گھڑت قصے کی قلعی کھولی ہے۔ اس کی حقیقت اسی مضمون میں واضح کر دی گئی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (661-728ھ) اس بارے میں فرماتے ہیں:

فَدَعَاَهُمْ سُبْحَانَهُ بَعْدَ مَا فَعَلُوهُ مِنَ النَّفَاقِ إِلَى التَّوْبَةِ، وَهَذَا مِنْ كَمَالِ رَحْمَتِهِ
بِعِبَادِهِ يَأْمُرُهُمْ قَبْلَ الْمَعْصِيَةِ بِالطَّاعَةِ، وَبَعْدَ الْمَعْصِيَةِ بِالِاسْتِغْفَارِ، وَهُوَ رَحِيمٌ بِهِمْ
فِي كِلَا الْأَمْرَيْنِ فَأَمَّا مَجِيءُ الْإِنْسَانِ إِلَى الرَّسُولِ عِنْدَ قَبْرِهِ، وَقَوْلُهُ:
اسْتَغْفِرْ لِي، أَوْ سَلْ لِي رَبِّكَ، أَوْ ادْعُ لِي، أَوْ قَوْلُهُ فِي مَغِيْبِهِ: يَا رَسُولَ اللَّهِ (صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)! ادْعُ لِي، أَوْ اسْتَغْفِرْ لِي، أَوْ سَلْ لِي رَبِّكَ كَذَا وَكَذَا، فَهَذَا لَا
أَصْلَ لَهُ، وَلَمْ يَأْمُرِ اللَّهُ بِذَلِكَ، وَلَا فَعَلَهُ وَاحِدٌ مِنْ سَلَفِ الْأُمَّةِ الْمَعْرُوفِينَ فِي
الْقُرُونِ الثَّلَاثَةِ، وَلَا كَانَ ذَلِكَ مَعْرُوفًا بَيْنَهُمْ، وَلَوْ كَانَ هَذَا مِمَّا يُسْتَحَبُّ لَكَانَ
السَّلَفُ يَفْعَلُونَ ذَلِكَ، وَلَكَانَ ذَلِكَ مَعْرُوفًا فِيهِمْ، بَلْ مَشْهُورًا بَيْنَهُمْ وَمَنْقُولًا
عَنْهُمْ، فَإِنَّ مِثْلَ هَذَا إِذَا كَانَ طَرِيقًا إِلَى عُفْرَانِ السَّيِّئَاتِ وَقَضَاءِ الْحَاجَاتِ لَكَانَ
مِمَّا تَتَوَافَرُ الْهَمَمُ وَالذَّوَاعِي عَلَى فِعْلِهِ وَعَلَى تَقْلِيدِهِ، لَا سِيَّمَا فِيمَنْ كَانُوا أَحْرَصَ
النَّاسِ عَلَى الْخَيْرِ، فَإِذَا لَمْ يُعْرِفْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَفْعَلُونَ ذَلِكَ، وَلَا تَقْلَهُ أَحَدٌ عَنْهُمْ،

عَلِمَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ مِمَّا يُسْتَحَبُّ وَيُؤْمَرُ بِهِ، بَلِ الْمَنْقُولُ الثَّابِتُ عِنْدَهُ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَهْيِهِ عَنِ اتِّخَاذِ قَبْرِهِ عِيدًا وَوَثْنَا، وَعَنِ اتِّخَاذِ الْقُبُورِ مَسَاجِدَ.

”اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو نفاق چھوڑ کر توبہ کرنے کی دعوت دی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے ساتھ کمال رحمت ہے کہ گناہ سے پہلے اپنی اطاعت کا حکم دیتا ہے اور گناہ کے بعد معافی مانگنے کا۔ دونوں صورتوں میں اللہ اپنے بندوں کے لیے نہایت مشفق ہے۔۔۔ کسی انسان کا رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر آنا اور کہنا کہ میرے لیے استغفار کریں، میرے لیے رب سے سوال کریں، میرے لیے دعا کریں، یا آپ کی غیر موجودگی میں اس کا کہنا کہ اللہ کے رسول! میرے لیے دعا کیجیے، میرے لیے مغفرت مانگیے، میرے لیے اپنے رب سے فلاں فلاں سوال کیجیے۔ یہ ایسا کام ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ قرونِ ثلاثہ کے معروف اسلاف امت میں سے کسی نے ایسا کام نہیں کیا، نہ اس کام کو ان میں سے کوئی جانتا تھا۔ اگر یہ کام مستحب ہوتا تو سلف صالحین اس پر کاربند ہوتے اور یہ ان کے ہاں معروف و مشہور ہوتا اور ان سے منقول ہوتا۔ جب اس طرح کا کام گناہوں کی معافی اور حاجت روائی کا سبب ہو تو اس کو انجام دینے اور اس کو روایت کرنے کے اسباب و وسائل بہت زیادہ ہوتے ہیں، خصوصاً ان لوگوں میں جو بھلائی کے کاموں کے بڑے حریص تھے۔ جب ان لوگوں سے ایسا کرنا معروف و منقول نہیں تو معلوم ہو گیا کہ یہ کام نہ مستحب ہے، نہ فرض۔ اس کے برعکس حکمِ الہی، رسول اکرم ﷺ کا اپنی قبر کو میلہ گاہ اور بت بنانے اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع کرنا ثابت ہے۔“

(قاعدۃ فی المحبتہ: 2/190، جامع الرسائل: 376، 375)

نیز فرماتے ہیں: وَأَيْضًا فَإِنَّ طَلَبَ شَفَاعَتِهِ وَدُعَائِهِ وَاسْتِغْفَارِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ، وَعِنْدَ قَبْرِهِ لَيْسَ مَشْرُوعًا عِنْدَ أَحَدٍ مِّنْ أُمَّةِ الْمُسْلِمِينَ، وَلَا ذَكَرَ هَذَا أَحَدٌ

مِنَ الْأُمَّةِ الْأَرْبَعَةِ وَأَصْحَابِهِمِ الْقَدَمَاءِ .

”پھر یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی قبر کے پاس آ کر سفارش، دعا اور استغفار طلب کرنا ائمہ مسلمین میں سے کسی کے ہاں جائز نہیں۔ ائمہ اربعہ اور ان کے متقدمین شاگردوں میں سے کسی نے اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔“ (مجموع الفتاویٰ: 1/241)

مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی صاحب (1324-1391ھ) لکھتے ہیں:

”اس آیت میں ظلم، ظالم، زمان و مکان، کسی قسم کی قید نہیں۔ ہر قسم کا مجرم، ہر زمانے میں، خواہ کسی قسم کا جرم کر کے تمہارے آستانہ پر آ جاوے اور (جَاؤُوكَ) میں یہ قید نہیں کہ مدینہ مطہرہ میں ہی آئے، بلکہ ان کی طرف توجہ کرنا بھی ان کی بارگاہ میں حاضری ہے۔ اگر مدینہ پاک کی حاضری نصیب ہو جائے تو زہے نصیب۔۔۔“ (نور العرفان، ص: 138)

مفتی صاحب نے کلامِ الہی کا ایسا مطلب و معنی بیان کیا ہے جو سلف صالحین کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ اپنی طرف سے کلامِ الہی کی تفسیر کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ مفتی صاحب کو نہ خوفِ الہی دامن گیر ہوا، نہ سلف کی مخالفت پر انہیں کوئی پشیمانی ہوئی، نہ ان کو دیانتِ علمی کا ذرا بھی احساس ہوا۔ کیا کیا جائے!!!

اب آیتِ کریمہ کے متعلق ان لوگوں کی طرف سے شبہات کا تفصیلی جواب ذکر کیے دیتے ہیں تاکہ قارئین کو مفید معلومات فراہم ہو سکیں۔

حافظ ابن عبد البہادی رحمہ اللہ (704-744ھ) اسی بارے میں فرماتے ہیں:

فَأَمَّا اسْتِدْلَالُهُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ﴾

(النساء: 4: 64)، فَالْكَلامُ فِيهَا فِي مَقَامَيْنِ، أَحَدُهُمَا: عَدَمُ دَلَالَتِهَا عَلَى مَطْلُوبِهِ،

الثَّانِي: بَيَانُ دَلَالَتِهَا عَلَى تَقْيِضِهِ، وَإِنَّمَا يَتَبَيَّنُ الْأَمْرَانِ بِفَهْمِ الْآيَةِ، وَمَا أُرِيدَ بِهَا

وَسَيَقْتُ لَهُ، وَمَا فَهَمَهُ مِنْهَا أَعْلَمُ الْأُمَّةِ بِالْقُرْآنِ وَمَعَانِيهِ، وَهُمْ سَلَفُ الْأُمَّةِ وَمَنْ

سَلَكَ سَبِيلَهُمْ، وَلَمْ يَفْهَمْ مِنْهَا أَحَدٌ مِنَ السَّلَفِ وَالْخَلْفِ إِلَّا الْمَجِيءُ إِلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ لِيَسْتَغْفَرَ لَهُمْ، وَقَدْ ذَمَّ تَعَالَى مَنْ تَخَلَّفَ عَنْ هَذَا الْمَجِيءِ إِذَا ظَلَمَ نَفْسَهُ وَأَخْبَرَ أَنَّهُ مِنَ الْمُنَافِقِينَ، فَقَالَ تَعَالَى: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُؤُوسِهِمْ وَرَأَيْتَهُمْ يُصَدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ﴾ (المنافقون 63:5)، وَكَذَلِكَ هَذِهِ الْآيَةُ إِنَّمَا هِيَ فِي الْمُنَافِقِ الَّذِي رَضِيَ بِحُكْمِ كَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ وَعَظِيمِهِ مِنَ الطَّوَاغِيتِ دُونَ حُكْمِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَظَلَمَ نَفْسَهُ بِهَذَا أَعْظَمَ ظُلْمٍ، ثُمَّ لَمْ يَجِيءْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَسْتَغْفِرَ لَهُ، فَإِنَّ الْمَجِيءَ إِلَيْهِ لِيَسْتَغْفِرَ لَهُ تَوْبَةٌ وَتَنْصَلُ مِنَ الذَّنْبِ، وَهَذِهِ كَانَتْ عَادَةُ الصَّحَابَةِ مَعَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ أَحَدَهُمْ مَتَى صَدَرَ مِنْهُ مَا يَفْتَضِي التَّوْبَةَ جَاءَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا فَاسْتَغْفِرْ لِي، وَكَانَ هَذَا فَرْقًا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْمُنَافِقِينَ، فَلَمَّا اسْتَأْثَرَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ نَبِيَّهَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَقَلَهُ مِنْ بَيْنِ أَظْهَرِهِمْ إِلَى دَارِ كَرَامَتِهِ، لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ مِنْهُمْ قَطُّ يَأْتِي إِلَى قَبْرِهِ وَيَقُولُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا فَاسْتَغْفِرْ لِي، وَمَنْ نَقَلَ هَذَا عَنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ فَقَدْ جَاهَرَ بِالْكَذِبِ وَالْبُهْتِ، وَافْتَرَى عَلَى الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ، وَهُمْ خَيْرُ الْقُرُونِ عَلَى الْإِطْلَاقِ، هَذَا الْوَاجِبُ الَّذِي ذَمَّ اللَّهُ سُبْحَانَهُ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْهُ، وَجَعَلَ التَّخَلْفَ عَنْهُ مِنْ أَمَارَاتِ التَّقَاقُ، وَوَفَّقَ لَهُ مَنْ لَا يُؤْبَهُ لَهُ مِنَ النَّاسِ وَلَا يُعَدُّ فِي أَهْلِ الْعِلْمِ، وَكَيْفَ أَعْفَلَ هَذَا الْأَمْرَ أَيْمَةُ الْإِسْلَامِ وَهَدَاةُ الْأَنَامِ مِنْ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَالْفِقْهِ وَالتَّفْسِيرِ وَمَنْ لَهُمْ لِسَانُ صِدْقٍ فِي الْأُمَّةِ، فَلَمْ يَدْعُوا إِلَيْهِ، وَلَمْ يَحْضُوا عَلَيْهِ، وَلَمْ

يُرْشِدُوا إِلَيْهِ، وَلَمْ يَفْعَلْهُ أَحَدٌ مِنْهُمْ أَلْبَتَّةَ، بَلِ الْمُنْقُولُ الثَّابِتُ عَنْهُمْ مَا قَدَّ عُرِفَ،
 مِمَّا يَسْوُدُ الْغُلَاةَ فِيمَا يَكْرَهُهُ وَيَنْهِي عَنْهُ، مِنَ الْغُلُوِّ وَالشَّرْكِ، الْجَفَاةَ عَمَّا يُحِبُّهُ
 وَيَأْمُرُ بِهِ مِنَ التَّوْحِيدِ وَالْعُبُودِيَّةِ، وَلَمَّا كَانَ هَذَا الْمُنْقُولُ شَجًّا فِي حُلُوقِ الْغُلَاةِ،
 وَقَدَّى فِي عُيُونِهِمْ، وَرَيْبَةً فِي قُلُوبِهِمْ، قَابَلُوهُ بِالتَّكْذِيبِ، وَالطَّعْنِ فِي التَّاقِلِ،
 وَمَنْ أَسْحَى مِنْهُمْ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْآثَارِ، قَابَلَهُ بِالتَّحْرِيفِ وَالتَّبْدِيلِ، وَيَأْتِي اللَّهُ إِلَّا
 أَنْ يُعْلِي مَنَارَ الْحَقِّ، وَيُظْهِرَ أَدْلَتَهُ لِيَهْتَدِيَ الْمُسْتَرْشِدُ وَتَقُومَ الْحُجَّةُ عَلَى
 الْمُعَانِدِ، فَيُعْلِي اللَّهُ بِالْحَقِّ مَنْ يَشَاءُ، وَيَضَعُ بَرْدَهُ وَبَطْرَهُ وَعَمَصَ أَهْلَهُ مَنْ يَشَاءُ،
 وَيَا لِلَّهِ الْعَجَبُ أَكَانَ ظَلَمَ الْأُمَّةَ لِأَنْفُسِهَا، وَنَبِيَّهَا حَيًّا بَيْنَ أَظْهُرِهَا مَوْجُودًا، وَقَدْ
 دُعِيَ فِيهِ إِلَى الْمَجِيءِ إِلَيْهِ لِيَسْتَغْفِرَ لَهَا وَذَمَّ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْ هَذَا الْمَجِيءِ، فَلَمَّا
 تُوَفِّي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْتَفَعَ ظُلْمُهَا لِأَنْفُسِهَا، بِحَيْثُ لَا يَحْتَاجُ أَحَدٌ مِنْهُمْ
 إِلَى الْمَجِيءِ إِلَيْهِ لِيَسْتَغْفِرَ لَهُ؟ وَهَذَا يَبِينُ أَنَّ هَذَا التَّأْوِيلَ الَّذِي تَأَوَّلَ عَلَيْهِ
 الْمُعْتَرِضُ هَذِهِ الْآيَةَ تَأْوِيلٌ بَاطِلٌ قَطْعًا، وَلَوْ كَانَ حَقًّا لَسَبَقُوا إِلَيْهِ عِلْمًا وَعَمَلًا
 وَرِشَادًا وَنَصِيحَةً، وَلَا يَجُوزُ إِحْدَاثُ تَأْوِيلٍ فِي آيَةٍ أَوْ سُنَّةٍ لَمْ يَكُنْ عَلَى عَهْدِ
 السَّلَفِ وَلَا عَرَفُوهُ وَلَا يَبِينُوهُ لِلْأُمَّةِ، فَإِنَّ هَذَا يَنْصَمِنُ أَنَّهُمْ جَهَلُوا الْحَقَّ فِي هَذَا
 وَضَلُّوا عَنْهُ، وَاهْتَدَى إِلَيْهِ هَذَا الْمُعْتَرِضُ الْمُسْتَأْخِرُ، فَكَيْفَ إِذَا كَانَ التَّأْوِيلُ
 يُخَالِفُ تَأْوِيلَهُمْ وَيُنَاقِضُهُ، وَبُطْلَانُ هَذَا التَّأْوِيلِ أَظْهَرَ مِنْ أَنْ يُطَنَّبَ فِي رَدِّهِ،
 وَإِنَّمَا نُبِّهَ عَلَيْهِ بَعْضُ النَّبِيِّ، وَمِمَّا يَدُلُّ عَلَى بُطْلَانِ تَأْوِيلِهِ قَطْعًا أَنَّهُ لَا يَشْكُ
 مُسْلِمٌ أَنَّ مَنْ دُعِيَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَيَاتِهِ، وَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ

لِيَسْتَغْفِرَ لَهُ فَأَعْرَضَ عَنِ الْمَجِيءِ وَأَبَاهُ مَعَ قُدْرَتِهِ عَلَيْهِ، كَانَ مَذْمُومًا غَايَةَ الذَّمِّ مَعْمُومًا بِالتَّفَاقِقِ، وَلَا كَذَلِكَ مَنْ دُعِيَ إِلَى قَبْرِهِ لِيَسْتَغْفِرَ لَهُ، وَمَنْ سَوَّى بَيْنَ الْأَمْرَيْنِ وَبَيْنَ الْمَدْعُورَيْنِ وَبَيْنَ الدَّعْوَتَيْنِ، فَقَدْ جَاهَرَ بِالْبَاطِلِ، وَقَالَ: عَلَى اللَّهِ وَكَلَامِهِ وَرَسُولِهِ وَأَمْنَاءِ دِينِهِ غَيْرِ الْحَقِّ، وَأَمَّا دَلَالَةُ الْآيَةِ عَلَى خِلَافِ تَأْوِيلِهِ، فَهُوَ أَنَّهُ سُبْحَانَهُ صَدَّرَهَا بِقَوْلِهِ: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ﴾ (النساء 4: 64)، وَهَذَا يُدَلُّ عَلَى أَنَّ مَجِيئَهُمْ إِلَيْهِ لِيَسْتَغْفِرَ لَهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ طَاعَةً لَهُ، وَلِهَذَا ذَمَّ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْ هَذِهِ الطَّاعَةِ، وَلَمْ يَقُلْ مُسَلِّمًا: إِنَّ عَلِيَّ مَنْ ظَلَمَ نَفْسَهُ بَعْدَ مَوْتِهِ أَنْ يَذْهَبَ إِلَى قَبْرِهِ وَيَسْأَلَهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لَهُ، وَلَوْ كَانَ هَذَا طَاعَةً لَهُ لَكَانَ خَيْرَ الْقُرُونِ قَدْ عَصَوْا هَذِهِ الطَّاعَةَ وَعَطَلُوهَا وَوَفَّقَ لَهَا هُوَ لَا لِالْعُلَاةِ الْعُصَاةِ، وَهَذَا بِخِلَافِ قَوْلِهِ: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِي مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (النساء 4: 65)، فَإِنَّهُ نَفَى الْإِيمَانَ عَمَّنْ لَمْ يُحَكِّمَهُ، وَتَحَكِيمُهُ هُوَ تَحَكِيمٌ مَا جَاءَ بِهِ حَيًّا أَوْ مَيِّتًا، فَفِي حَيَاتِهِ كَانَ هُوَ الْحَاكِمَ بَيْنَهُمْ بِالْوَحْيِ، وَبَعْدَ وَفَاتِهِ نُؤَابَهُ وَخُلَفَاؤُهُ، يُوضِّحُ ذَلِكَ أَنَّهُ قَالَ: ﴿لَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا﴾، وَلَوْ كَانَ يُشْرَعُ لِكُلِّ مُذْنِبٍ أَنْ يَأْتِيَ إِلَى قَبْرِهِ لِيَسْتَغْفِرَ لَهُ، لَكَانَ الْقَبْرُ أَعْظَمَ أَعْيَادِ الْمُذْنِبِينَ، وَهَذِهِ مُضَادَّةٌ صَرِيحَةٌ لِدِينِهِ وَمَا جَاءَ بِهِ. وَالْمُعْتَرِضُ قَرَّرَ هَذَا التَّأْوِيلَ عَلَى تَقْدِيرِ حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَوْتِهِ، وَقَدْ تَبَيَّنَ بُطْلَانُهُ، وَلَوْ قُدِّرَ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ فِي قَبْرِهِ، مَعَ أَنَّ هَذَا التَّأْوِيلَ الْبَاطِلَ إِنَّمَا يَتِمُّ بِهِ، وَقَوْلُهُ: إِنَّ مَنْ شَفَقْتَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أُمَّتِهِ

أَنَّهُ لَا يُبْتَرُكَ إِلَّا اسْتِغْفَارُ لِمَنْ جَاءَ مِنْ أُمَّتِهِ، فَهَذَا مِنْ أَيْبِنِ الْأَدِلَّةِ عَلَى بُطْلَانِ هَذَا التَّأْوِيلِ، فَإِنَّ هَذَا لَوْ كَانَ مَشْرُوعًا بَعْدَ مَوْتِهِ لَأَمَرَ بِهِ أُمَّتُهُ وَحَضَّهُمْ عَلَيْهِ وَرَغَّبَهُمْ فِيهِ، وَلَكَانَ الصَّحَابَةُ وَتَابِعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ أَرْغَبَ شَيْءٍ فِيهِ وَأَسْبَقَ إِلَيْهِ، وَلَمْ يُنْقَلْ عَنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ قَطُّ، وَهُمْ الْقُدُورَةُ، بِنَوْعٍ مِنْ أَنْوَاعِ الْأَسَانِيدِ أَنَّهُ جَاءَ إِلَى قَبْرِهِ لِيَسْتَغْفِرَ لَهُ، وَلَا شَكَّ إِلَيْهِ وَلَا سَأَلَهُ، وَالَّذِي صَحَّ عَنْهُ مِنَ الصَّحَابَةِ مَجِيءُ الْقَبْرِ هُوَ ابْنُ عُمَرَ وَحَدَهُ، إِنَّمَا كَانَ يَجِيءُ لِلتَّسْلِيمِ عَلَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَى صَاحِبِيهِ عِنْدَ قُدُومِهِ مِنْ سَفَرٍ، وَلَمْ يَكُنْ يَزِيدُ عَلَى التَّسْلِيمِ شَيْئًا الْبَتَّةَ، وَمَعَ هَذَا فَقَدْ قَالَ عُمَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ الْعُمَرِيُّ، الَّذِي هُوَ أَجَلُ أَصْحَابِ نَافِعِ مَوْلَى ابْنِ عُمَرَ، أَوْ مِنْ أَجْلِهِمْ، لَا نَعْلَمُ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ ذَلِكَ إِلَّا ابْنَ عُمَرَ، وَمَعْلُومٌ أَنَّهُ لَا هَدْيَ أَكْمَلَ مِنْ هَدْيِ الصَّحَابَةِ، وَلَا تَعْظِيمَ لِلرَّسُولِ فَوْقَ تَعْظِيمِهِمْ، وَلَا مَعْرِفَةَ لِقَدْرِهِ فَوْقَ مَعْرِفَتِهِمْ، فَمَنْ خَالَفَهُمْ إِمَّا أَنْ يَكُونَ أَهْدَى مِنْهُمْ، أَوْ مُرْتَكِبًا لِنَوْعِ بَدْعَةٍ، كَمَا قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ لَقَوْمٍ قَدَرَأَهُمْ اجْتَمَعُوا عَلَى ذِكْرِ يَقُولُونَ بَيْنَهُمْ: لَأَنْتُمْ أَهْدَى مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ، أَوْ أَنْتُمْ عَلَى شُعْبَةٍ ضَلَالَةٍ، فَتَبَيَّنَ أَنَّهُ لَوْ كَانَ اسْتِغْفَارُهُ لِمَنْ جَاءَهُ مُسْتَغْفِرًا بَعْدَ مَوْتِهِ مُمَكِّنًا، أَوْ مَشْرُوعًا لَكَانَ كَمَا لَمْ يَكُنْ شَفَقَتِهِ وَرَحْمَتِهِ، بَلْ رَأْفَتُهُ مُرْسِلِهِ وَرَحْمَتُهُ بِالْأُمَّةِ يَفْتَضِي تَرْغِيبَهُمْ فِي ذَلِكَ وَحَضُّهُمْ عَلَيْهِ وَمُبَادَرَتُهُ خَيْرَ الْقُرُونِ إِلَيْهِ، وَأَمَّا قَوْلُ الْمُعْتَرِضِ: وَأَمَّا الْآيَةُ وَإِنْ وَرَدَتْ فِي أَقْوَامٍ مُعَيَّنِينَ فِي حَالِ الْحَيَاةِ، فَإِنَّهَا تَعْمُ بِعُمُومِ الْعِلَّةِ فَحَقٌّ، فَإِنَّهَا تَعْمُ مَا وَرَدَتْ فِيهِ، وَكَانَ مِثْلُهُ عَامَّةً فِي حَقِّ كُلِّ مَنْ ظَلَمَ

نَفْسَهُ وَجَاءَهُ كَذَلِكَ، وَأَمَّا دَلَالَتُهَا عَلَى الْمَجِيءِ إِلَيْهِ فِي قَبْرِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ فَقَدْ عُرِفَ بُطْلَانُهُ، وَقَوْلُهُ: وَكَذَلِكَ فَهَمَّ الْعُلَمَاءُ مِنَ الْآيَةِ الْعُمُومَ فِي الْحَالَتَيْنِ، فَيُقَالُ لَهُ: مَنْ فَهَمَ هَذَا مِنْ سَلَفِ الْأُمَّةِ وَأَيْمَةِ الْإِسْلَامِ، فَأَذُكُرُ لَنَا عَنْ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ أَوْ التَّابِعِينَ، أَوْ تَابِعِي التَّابِعِينَ أَوْ الْأَيْمَةِ الْأَرْبَعَةَ، أَوْ غَيْرِهِمْ مِنَ الْأَيْمَةِ وَأَهْلِ الْحَدِيثِ وَالتَّفْسِيرِ أَنَّهُ فَهَمَّ الْعُمُومَ بِالْمَعْنَى الَّذِي ذَكَرْتَهُ، أَوْ عَمِلَ بِهِ أَوْ أَرَشَدَ إِلَيْهِ، فَدَعُوكَ عَلَى الْعُلَمَاءِ بِطَرِيقِ الْعُمُومِ هَذَا الْفَهْمِ دَعْوَى بَاطِلَةٌ ظَاهِرَةٌ الْبُطْلَانِ.

”سورہ نساء کی آیت نمبر 64 سے بھی سبکی نے استدلال کیا ہے۔ ہم اس بارے میں دو طرح کا تبصرہ کریں گے۔ ایک تو یہ کہ اس آیت سے اس کا مدعا ثابت نہیں ہوتا اور دوسرے یہ کہ یہ آیت اس کے مذہب کے خلاف ہے۔ یہ دونوں باتیں آیت کریمہ، اس کی صحیح تفسیر، سیاق کلام اور سلف اور ان کی پیروی کرنے والے لوگوں کے فہم پر غور کرنے سے بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔ اسلاف امت ہی قرآن کریم اور اس کے معانی کو ساری امت سے بڑھ کر سمجھتے تھے۔ سلف اور (ان کے تابعین) خلف میں سے کسی نے اس آیت کریمہ سے آپ ﷺ کی زندگی میں آپ سے استغفار کرانے کے لیے آنے کے سوا کچھ نہیں سمجھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مذمت کی ہے جو گناہ کرنے کے بعد آپ ﷺ کے پاس نہیں آتا اور اسے منافی قرار دیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُؤُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ﴾ (المنافقون: 5: 63) (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ تمہارے لیے اللہ کے رسول استغفار کریں، تو وہ اعراض کرتے ہیں اور آپ انہیں تکبر سے منہ پھیرتے ہوئے دیکھتے ہیں)۔ زیر بحث آیت کریمہ بھی اسی مفہوم کی ہے۔ اس میں اُس منافی کا تذکرہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو چھوڑ کر کعب بن اشرف اور دیگر طاغوتوں کے

فیصلے پر راضی ہوا۔ یوں اُس نے اپنی جان پر بہت بڑا ظلم کیا۔ پھر وہ آپ ﷺ کے پاس بھی نہیں آیا کہ آپ اس کے لیے استغفار کریں۔ آپ ﷺ کی خدمت میں استغفار کرانے کے لیے حاضر ہو جانا تو بہ کی قبولیت اور گناہوں کی معافی کا پروانہ تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہی عادت مبارک تھی۔ ان میں سے کسی سے جب کوئی ایسی لغزش صادر ہو جاتی جس پر توبہ ضروری ہوتی تو وہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتے: اللہ کے رسول! میں فلاں فلاں غلطی کا مرتکب ہو گیا ہوں، لہذا میرے لیے استغفار کیجیے۔ صحابہ کرام اور منافقین میں یہی بات فرق کرتی تھی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو فوت کیا اور مومنوں کی رفاقت سے نکال کر اپنے دارِ کرامت میں منتقل کر لیا تو کوئی بھی صحابی آپ ﷺ کی قبر پر نہیں آتا تھا اور یہ نہیں کہتا تھا کہ اللہ کے رسول! مجھ سے فلاں گناہ سرزد ہو گیا ہے، لہذا میرے لیے اللہ سے معافی کی درخواست کریں۔ جو شخص کسی صحابی سے کوئی ایسی روایت نقل کرتا ہے، وہ صریح طور پر جھوٹا اور واضح طور پر بہتان تراش ہے۔ (جب ایسی کوئی روایت موجود نہیں تو نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد بھی آپ سے استغفار طلب کرنے والے) نے مطلق طور پر خیر القرون قرار پانے والے تمام صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین پر (نفاق کا) جھوٹا الزام لگایا ہے کہ وہ اس فرض کو ترک کیے ہوئے تھے جس سے پیچھے رہنے والوں کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ہے اور جس سے پیچھے رہنے کو نفاق کی علامت بتایا ہے۔ محدثین، فقہاء اور مفسرین ائمہ دین جو کہ پوری دنیا کے رہنما تھے اور جن کا تذکرہ خیر پوری امت کرتی ہے، وہ اس فرض سے کیونکر غافل رہے؟ انہوں نے نہ اس کی طرف دعوت دی، نہ لوگوں کو اس کی ترغیب دی، نہ اس کی طرف رہنمائی کی، نہ ان میں سے کبھی کسی نے ایسا کوئی کام کیا۔ کیا اس فرض کی ادائیگی ان لوگوں نے کی، جن کی کوئی اہمیت نہیں، نہ وہ اہل علم میں شمار کیے جاتے ہیں؟ اسلاف امت سے تو وہی باتیں منقول ہیں جو غالی لوگوں کو بُری لگتی ہیں، یعنی غلو اور شرک سے ممانعت اور توحید و عبودیت کی دعوت۔ جب یہ مرویات سلف غالی لوگوں کے حلق کا کاٹنا، ان کی آنکھ کا تیکا اور ان کے دل کا روگ بن جاتی ہیں تو وہ انہیں جھٹلانا اور

ان کے راویوں میں طعن کرنا شروع کر دیتے ہیں، نیز علم حدیث میں درک رکھنے والوں سے جب ان کا پالا پڑتا ہے تو وہ تحریف سے کام لینے لگتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ منارہ حق ہی کو بلند رکھتا ہے تاکہ راہ حق کے متلاشیوں کو ہدایت مل سکے اور دشمنانِ حق پر حجت قائم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، حق کی پیروی کرنے پر بلند کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے، حق کو ٹھکرانے، تکبر کرنے اور اہل حق کو حقیر جاننے کی بنا پر رسوا کر دیتا ہے۔ یہ تو بہت تعجب خیز بات ہے کہ امت اپنی جانوں پر ظلم صرف اسی وقت کرتی تھی جب رسول اکرم ﷺ ان کے پاس موجود تھے اور اسی وقت انہیں آپ ﷺ سے استغفار کرانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا اور آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہونے والوں کو سخت وعید سنائی گئی لیکن جب آپ ﷺ فوت ہو گئے تو امت کے ظلم ختم ہو گئے اور اب ان میں سے کسی کو آپ ﷺ کے پاس جانے کی ضرورت نہ رہی؟؟؟

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سبکی کی طرف سے کی گئی آیت کریمہ کی تفسیر یقیناً باطل ہے۔ اگر یہ تفسیر حق ہوتی تو صحابہ و تابعین اور ائمہ دین اس کے علم و عمل اور تبلیغ و نصیحت میں ہم سے بہت آگے ہوتے (یعنی وہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد قبر نبوی پر حاضر ہو کر اپنے لیے استغفار کی درخواست کرتے، لیکن ان سے ایسا کچھ منقول نہیں)۔ کسی آیت یا حدیث کی کوئی ایسی تفسیر ایجاد کرنا جائز نہیں جو سلف کے دور میں نہیں ہوئی، نہ ان کے علم میں آئی اور نہ انہوں نے امت کے لیے اس تفسیر کو بیان کیا۔ ایسی تفسیر کرنے سے تو یہ لازم آتا ہے کہ اسلاف امت حق سے جاہل اور پھٹکے رہے، جبکہ حق کا علم اس بعد والے معترض کو ہو گیا!!! جب بعد والوں کی تفسیر اسلاف کی تفسیر کے معارض و مخالف ہو اور اس کا بطلان بغیر لمبی چوڑی بحث و تمحیص کے نہایت واضح ہو تو مذکورہ صورت ہی لازم آتی ہے۔ ہم اس پر کچھ مزید تنبیہات کریں گے۔۔۔ یہ بات بھی سبکی کی تفسیر کو قطعی طور پر باطل قرار دیتی ہے کہ ہر مسلمان کو یقینی طور پر معلوم ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں جس نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور اسے آپ ﷺ سے استغفار کرانے کی دعوت دی گئی لیکن اس نے باوجود قدرت کے آنے سے اعراض کیا، وہ انتہائی مذموم شخص ہے اور اسے منافق قرار دیا

جائے گا، لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد اگر کسی شخص کو آپ کی قبر کے پاس آکر استغفار کی درخواست کرنے کی دعوت دی جائے اور وہ اسے ٹھکرادے، تو اس پر یہ حکم نہیں لگے گا۔ جو ان دونوں معاملوں، دونوں شخصوں اور دونوں دعوتوں کا ایک ہی حکم بیان کرے گا، وہ باطل کا علمبردار ہوگا اور اللہ تعالیٰ، اس کے کلام، اس کے رسول اور اس کے دین کے محافظوں پر جھوٹ باندھنے کا مرتکب ہوگا۔۔۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ سبکی کی تفسیر کی مخالفت کیسے کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کا آغاز یوں فرمایا کہ: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ﴾ (النساء: 4: 64) (ہم نے ہر رسول کو اس لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے کے بعد آپ کے پاس آجائیں۔۔۔)، اس سے معلوم ہوا کہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے کے بعد آپ ﷺ کے پاس آنا اطاعتِ نبوی کا نام ہے، اسی لیے اس اطاعت کی طرف نہ آنے والے کی مذمت کی گئی۔ جبکہ آج تک کسی مسلمان نے یہ نہیں کہا کہ گناہگار پر نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی قبر پر حاضر ہونا اور اپنے لیے استغفار کی درخواست کرنا فرض ہے۔ اگر یہ اطاعتِ نبوی پر مبنی کام ہے تو بہترین زمانوں والے مسلمان (صحابہ و تابعین و تبع تابعین) کیا اس حکم کی نافرمانی کرتے رہے؟ اور کیا اس حکم کی بجا آوری ان غالیوں اور نافرمانوں نے کی؟ یہ بات تو اس فرمانِ باری تعالیٰ کے بھی خلاف ہے کہ: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرْتُمْ بَيْنَهُمْ﴾ (النساء: 4: 65) (آپ کے رب کی قسم، یہ لوگ اس وقت تک ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے جھگڑوں کا فیصلہ لے کر آپ کے پاس نہ آجائیں)۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس شخص سے ایمان کی نفی کر دی ہے جو فیصلے کے لیے آپ ﷺ کے پاس نہیں آتا۔ یہ فیصلہ آپ ﷺ کی زندگی میں بھی آپ ہی سے کرایا جائے گا اور آپ کی وفات کے بعد بھی۔ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ ﷺ وحی الہی کی روشنی میں خود فیصلہ فرماتے تھے اور آپ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے نائبین اور خلفاء یہ کام کرنے لگے۔ پھر اس کی مزید

وضاحت اس فرمانِ نبوی سے ہوتی ہے کہ میری قبر کو میلہ گاہ مت بنانا (مسند الإمام أحمد: 2/367، سنن أبي داود: 2041، وسنده حسن)۔ اگر ہر گناہگار کے لیے استغفار کی خاطر نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر جانا مشروع ہو تو وہ گناہگاروں کی سب سے بڑی میلہ گاہ بن جائے گی اور یہ سلسلہ آپ ﷺ کے دین اور تعلیمات کے سراسر خلاف ہوگا۔

سبکی کا کہنا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضری کا تعلق آپ کی حیات و وفات دونوں حالتوں سے ہے۔ اس تفسیر کا باطل ہونا تو نہایت واضح ہو چکا ہے۔ سبکی کی تفسیر کا تقاضا یہ ہے اور ان کے ایک دوسرے قول کا مطلب بھی یہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی قبر مبارک میں (دنیاوی زندگی کے ساتھ) زندہ ہیں۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو خود یہی بات اس کی تفسیر کو رد کرنے کے لیے کافی ہے۔ وہ اس طرح کہ اگر آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ سے استغفار کی درخواست کرنا شریعت میں جائز ہوتا تو آپ ﷺ اپنی امت کو اس کا حکم فرماتے اور ان کو اس کی ترغیب دیتے، پھر صحابہ کرام اور ان کے سچے متبعین سب سے بڑھ کر اس کی طرف رغبت اور سبقت کرتے۔ صحابہ کرام ہی ہمارے لیے مشعل راہ ہیں، ان میں سے کسی ایک سے بھی کسی ضعیف سند کے ساتھ بھی یہ منقول نہیں کہ وہ آپ ﷺ کی قبر پر استغفار طلب کرنے، شکایت کرنے یا کچھ مانگنے آئے ہوں۔ صحابہ میں سے صرف سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں جن سے آپ ﷺ کی قبر مبارک پر آنا ثابت ہے اور وہ بھی صرف سفر سے واپسی پر آپ کو اور آپ کے صاحبین (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کو سلام کہنے کے لیے آتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ قطعاً کچھ بھی نہیں کرتے تھے۔ پھر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے غلام نافع کے سب سے عظیم شاگرد عبید اللہ بن عمر العمری ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سوائے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے، کسی بھی صحابی کو نہیں جانتے جو ایسا کرتا ہو۔ یہ بات تو تسلیم شدہ ہے کہ صحابہ کرام کا طریقہ کامل ترین طریقہ ہے اور رسول اکرم ﷺ کی جو تعظیم انہوں نے کی، اس سے بڑھ کر کوئی تعظیم کر ہی نہیں سکتا، نیز آپ ﷺ کی قدر و قیمت کو صحابہ کرام سے بڑھ کر کوئی نہیں پہچان سکتا۔ جو شخص صحابہ کرام کی مخالفت کرے گا، وہ یا تو (نعوذ باللہ) ان

سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہوگا (اور ایسا ممکن ہی نہیں) یا پھر ایک بدعت کا مرتکب ہوگا (اور یقیناً ایسا ہی ہوگا)۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو ایک جگہ جمع دیکھا، وہ باہم مل کر ایک ذکر کر رہے تھے۔ ان کو دیکھ کر انہوں نے فرمایا: یا تو تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بڑھ کر ہدایت یافتہ ہو یا پھر ایک گمراہی کے مرتکب ہو (مسند الدارمی: 1/68، 69، وفي نسخة (بتحقیق حسین سلیم أسد): 1/286، 287، وسندہ حسن)۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قبر مبارک پر آنے والے کے لیے آپ کا استغفار کرنا ممکن ہوتا یا شریعت میں اس کا جواز ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال شفقت و رحمت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنے والے اللہ کی رحمت و رافت اس چیز کی متقاضی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں اپنی امت کو ترغیب دیتے اور خیر القرون کے لوگ اس میں سبقت کرتے۔ سبکی کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں کچھ خاص لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی لیکن یہ آیت اپنی علت کے اعتبار سے عام ہے۔۔۔ تو یہ بات درست ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ جو بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں گناہ کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں استغفار کی درخواست لے کر حاضر ہوا، اس کی توبہ قبول کر لی گئی۔ رہی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد قبر مبارک پر آنے کی، تو اس کا بطلان ہماری گزشتہ معروضات سے معلوم ہو چکا ہے۔ سبکی کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس آیت کریمہ سے علمائے کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و وفات دونوں حالتوں میں آپ سے استغفار طلب کرنے کا عموم سمجھا ہے۔ ہمارا اس سے سوال ہے کہ اسلاف امت اور ائمہ اسلام میں سے کس نے اس آیت سے یہ سمجھا ہے؟ ہمیں صحابہ کرام، تابعین عظام، تبع تابعین، ائمہ اربعہ یا اہل حدیث و تفسیر میں سے کسی ایک شخص سے بھی دکھا دو کہ اس نے اس آیت سے وہ عموم سمجھا ہو جو تم نے ذکر کیا ہے یا اس نے اس پر عمل کیا ہو یا اس کی طرف رہنمائی کی ہو۔ تمہارا سارے علمائے کرام کے بارے میں اس آیت سے یہ عموم سمجھنے کا دعویٰ صریح باطل اور جھوٹا دعویٰ ہے۔۔۔“

(الصارم المنکي في الرد على السبكي، ص: 317-321)

اس آیتِ کریمہ کے متعلق ہم علامہ فہامہ، محمد بشیر سہسوانی ہندی رحمہ اللہ (1252-1326ھ) کی فیصلہ کن گفتگو پر بات کو ختم کرتے ہیں۔ ایک شخص [احمد بن زینی دحلان (م: 1304ھ)] نے اسی مسئلے پر الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ نامی ایک رسالہ لکھا تھا، علامہ موصوف نے اس کا بھرپور علمی رد کیا۔ اسی ضمن میں لکھتے ہیں:

أقول: في هذا الاستدلالِ فسَادٌ مِنْ وَجْهِهِ، الْأَوَّلُ: إِنَّ قَوْلَهُ: دَلَّتِ الْآيَةُ عَلَى حَثِّ الْأُمَّةِ عَلَى الْمَجِيءِ إِلَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَاذَا أَرَادَ بِهِ؟ إِنْ أَرَادَ حَثَّ جَمِيعِ الْأُمَّةِ فَغَيْرُ مُسَلَّمٍ، فَإِنَّ الْآيَةَ وَرَدَتْ فِي قَوْمٍ مُعَيَّنِينَ كَمَا سَيَأْتِي، وَلَيْسَ هُنَاكَ لَفْظٌ عَامٌّ حَتَّى يُقَالَ: الْعِبْرَةُ لِعُمُومِ اللَّفْظِ لَا لِخُصُوصِ الْمَوْرِدِ، بَلِ الْأَلْفَاظُ الدَّالَّةُ عَلَى الْأُمَّةِ الْوَاقِعَةُ فِي هَذِهِ الْآيَةِ كُلُّهَا ضَمَائِرٌ، وَقَدْ ثَبَتَ فِي مَقَرِّهِ أَنَّ الضَّمَائِرَ لَا عُمُومَ لَهَا، وَلِذَا لَمْ يَتَشَبَّثْ أَحَدٌ مِنَ الْمُسْتَدِلِّينَ بِهَذِهِ الْآيَةِ عَلَى الْقُرْبَةِ مِنَ التَّقِيِّ السُّبْكِيِّ وَالْقَسْطَلَانِيِّ وَابْنِ حَجَرٍ الْمَكِّيِّ بِعُمُومِ اللَّفْظِ، حَتَّى إِنْ صَاحِبِ الرِّسَالَةِ أَيْضًا لَمْ يَذْكُرْهُ. وَأَمَّا مَا قَالَ صَاحِبِ الرِّسَالَةِ تَبَعًا لِلتَّقِيِّ السُّبْكِيِّ وَالْقَسْطَلَانِيِّ وَابْنِ حَجَرٍ الْمَكِّيِّ مِنْ أَنَّ الْآيَةَ تَعْمُ بِعُمُومِ الْعِلَّةِ، فَفِيهِ أَنَّهُ عَلَى هَذَا التَّقْدِيرِ لَا يَكُونُ الدَّلِيلُ كِتَابَ اللَّهِ بَلِ الْقِيَاسُ، وَقَدْ فَرضَ أَنَّ الدَّلِيلَ كِتَابَ اللَّهِ، عَلَى أَنَّ الْمُعْتَبَرَ عِنْدَ مَنْ يَقُولُ بِحُجَّةِ الْقِيَاسِ قِيَاسُ الْمُجْتَهِدِ الَّذِي سَلِمَ اجْتِهَادُهُ الْجَامِعُ لِلشُّرُوطِ الْمُعْتَبَرَةِ فِيهِ، الْمَذْكُورَةُ فِي عِلْمِ الْأُصُولِ، وَتَحَقُّقُ كِلَا الْأَمْرَيْنِ فِيمَا نَحْنُ فِيهِ مَمْنُوعٌ، كَيْفَ وَصَاحِبِ الرِّسَالَةِ مِنَ الْمُقَلِّدِينَ، وَالْمُقَلِّدُ لَا يَكُونُ مِنْ أَهْلِ الْاجْتِهَادِ، مَعَ أَنَّ الْاجْتِهَادَ عِنْدَ الْمُقَلِّدِينَ قَدْ انْقَطَعَ بَعْدَ الْأُمَّةِ

الْأَرْبَعَةَ، بَلِ الْمُقَلِّدُ لَا يَصْلُحُ لِأَنَّ يَسْتَدِلَّ بِوَاحِدٍ مِنَ الْأَدِلَّةِ الشَّرْعِيَّةِ، وَمَا لَهُ
وَلِلدَّلِيلِ؟ فَإِنَّ مَنْصِبَهُ قُبُولُ قَوْلِ الْغَيْرِ بِلَا دَلِيلٍ، فَذَكَرَ صَاحِبُ الرِّسَالَةِ الْأَدِلَّةَ
الشَّرْعِيَّةَ هُنَاكَ خِلَافَ مَنْصِبِهِ، وَإِنْ أَرَادَ حَتَّى بَعْضُ الْأُمَّةِ فَلَا يَتِمُّ التَّقْرِيبُ.
وَالثَّانِي: أَنَّ صَاحِبَ الرِّسَالَةِ جَعَلَ الْمَجِيءَ إِلَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَارِدَ فِي
الْآيَةِ عَامًّا شَامِلًا لِلْمَجِيءِ إِلَيْهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَيَاتِهِ، وَلِلْمَجِيءِ إِلَى قَبْرِهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَمَاتِهِ، وَلَمْ يَدْرِ أَنَّ اللَّفْظَ الْعَامَّ لَا يَتَنَاوَلُ إِلَّا مَا كَانَ مِنْ
أَفْرَادِهِ، وَالْمَجِيءِ إِلَى قَبْرِ الرَّجُلِ لَيْسَ مِنْ أَفْرَادِ الْمَجِيءِ إِلَى الرَّجُلِ، لِأَلْفَتَةٍ وَلَا
شَرْعًا وَلَا عُرْفًا، فَإِنَّ الْمَجِيءَ إِلَى الرَّجُلِ لَيْسَ مَعْنَاهُ إِلَّا الْمَجِيءُ إِلَى عَيْنِ الرَّجُلِ،
وَلَا يُفْهَمُ مِنْهُ أَصْلًا أَمْرٌ زَائِدٌ عَلَى هَذَا، فَإِنْ ادَّعَى مُدَّعٍ فَهَمَّ ذَلِكَ الْأَمْرُ الزَّائِدُ مِنْ
هَذَا اللَّفْظِ، فَنَقُولُ لَهُ: هَلْ يُفْهَمُ مِنْهُ كُلُّ أَمْرٍ زَائِدٍ، أَوْ كُلُّ أَمْرٍ زَائِدٍ يَصِحُّ إِضَافَتُهُ
إِلَى الرَّجُلِ، أَوْ الْأَمْرُ الْخَاصُّ أَيُّ الْقُبُورِ؟ وَالشُّقُّ الْأَوَّلُ مِمَّا لَا يَقُولُ بِهِ أَحَدٌ مِنَ
الْعُقَلَاءِ، فَإِنَّ اخْتِيَارَ الشُّقِّ الثَّانِي يُقَالُ: يَلْزِمُ عَلَى قَوْلِكَ الْفَاسِدُ أَنْ يُطْلَقَ الْمَجِيءُ
إِلَى الرَّجُلِ عَلَى الْمَجِيءِ إِلَى بَيْتِ الرَّجُلِ، وَإِلَى أَرْوَاجِهِ، وَإِلَى أَوْلَادِهِ، وَإِلَى
أَصْحَابِهِ، وَإِلَى عَشِيرَتِهِ وَإِلَى أَقَارِبِهِ، وَإِلَى قَوْمِهِ، وَإِلَى اتِّبَاعِهِ، وَإِلَى أُمَّتِهِ، وَإِلَى
مَوْلِدِهِ، وَإِلَى مَجَالِسِهِ، وَإِلَى آبَارِهِ، وَإِلَى بَسَاتِينِهِ، وَإِلَى مَسْجِدِهِ، وَإِلَى بَلَدِهِ،
وَإِلَى سِكَكِهِ، وَإِلَى دِيَارِهِ، وَإِلَى مَهْجَرِهِ، وَهَذَا لَا يَلْتَزِمُهُ إِلَّا جَاهِلٌ غَيْبِيٌّ، وَإِنْ
الْتَزَمَهُ أَحَدٌ فَيَلْزِمُهُ أَنْ يَلْتَزِمَ أَنَّ الْآيَةَ دَالَّةٌ عَلَى قُرْبَةِ الْمَجِيءِ إِلَى الْأَشْيَاءِ
الْمَذْكُورَةِ كُلِّهَا، وَهَذَا مِنْ أَبْطَالِ الْأَبْطَالِ، وَإِنْ اخْتِيَارَ الشُّقُّ الثَّلَاثُ، فَيُقَالُ: مَا

الدليل على هذا الفهم؟ ولئن تجدنا عليه دليلاً من اللغة والعرف والشرع، أما ترى أن أحداً من الموافقين والمخالفين لا يقول في قبر غير قبر النبي صلى الله عليه وسلم إذا جاءه أحد أنه جاء ذلك الرجل، ولا يفهم أحد من العقلاء من هذا القول أنه جاء قبر ذلك الرجل، فتحصل من هذا أن المجيء إلى الرجل أمر، والمجيء إلى قبر الرجل أمر آخر، كما أن المجيء إلى الرجل أمر، والمجيء إلى الأمور المذكورة أمور آخر، ليس أحدها فرداً للآخر. إذا تقرّر هذا فالقول بشمول المجيء إلى الرسول المجيء إلى الرسول والمجيء إلى قبر الرسول، كالقول بشمول الإنسان الإنسان والفرس، وهذا هو تقسيم الشيء إلى نفسه وإلى غيره، وهو باطل بإجماع العقلاء، وهكذا جعل الاستغفار عنده عامّاً شاملاً للاستغفار عنده في حياته وللاستغفار عند القبر بعد مماته، مع أن الاستغفار عند قبره ليس من أفراد الاستغفار عنده، فإن قلت: لا تقول: إن المجيء إليه صلى الله عليه وسلم شامل للمجيء إليه في حياته وللمجيء إلى قبره بعد مماته حتى يرد ما أوردتم، بل تقول: إن المجيء إليه شامل للمجيء إليه في حياته الدنيوية المعهودة والمجيء إليه في حياته البرزخية، ولما كان المجيء إليه في حياته البرزخية مستلزماً للمجيء إلى قبره، ثبت من الآية المجيء إلى قبره صلى الله عليه وسلم الذي هو المسمى بزيارة القبر، قلنا: لا سبيل إلى إثبات الحياة البرزخية من لغة ولا عرف، فلا يفهم من هذا اللفظ - بحسب اللغة والعرف - إلا المجيء إليه في حياته الدنيوية المعهودة، فلا

يَكُونُ الْمَجِيءُ إِلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ الْبُرْزَخِيَّةِ فَرَدًّا لِلْمَجِيءِ إِلَيْهِ بِحَسَبِ اللُّغَةِ
وَالْعُرْفِ، إِنَّمَا تَثْبُتُ الْحَيَاةُ الْبُرْزَخِيَّةُ بِبَيَانِ الشَّرْعِ، لَكِنْ يَبْقَى الْكَلَامُ فِي أَنَّ
كَوْنَ الْمَجِيءِ إِلَيْهِ فِي حَيَاتِهِ الْبُرْزَخِيَّةِ فَرَدًّا مِنَ الْمَجِيءِ إِلَيْهِ، هَلْ يَثْبُتُ مِنَ
الشَّرْعِ أَمْ لَا؟ وَعَلَى مُدَّعِي التُّبُوتِ الْبَيَانُ.

”سبکی نے قبر نبوی پر جا کر استغفار طلبی کے لیے قرآن کریم کی سورہ نساء کی ایک آیت
(64) سے استدلال کیا ہے، لیکن یہ استدلال کئی وجہ سے غلط ہے۔ ① سبکی نے کہا ہے کہ
اس آیت میں امت کو آپ ﷺ کے پاس آنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ نہ جانے لفظ امت سے
ان کی کیا مراد ہے؟ اگر انہوں نے ساری امت مراد لی ہے تو یہ ناقابل تسلیم بات ہے کیونکہ یہ
آیت تو مخصوص لوگوں کے لیے نازل ہوئی تھی اور اس میں کوئی ایسا عام لفظ بھی نہیں جس کے پیش
نظر یہ کہا جاسکے کہ خاص سبب نزول کا نہیں، بلکہ لفظ کی عمومیت کا اعتبار ہوگا۔ اس آیت کریمہ
میں امت پر دلیل بننے والے جتنے بھی الفاظ ہیں، وہ سب ضمیریں ہیں اور خود باقرار سبکی یہ بات
بیان ہو چکی ہے کہ ضمیروں میں عموم نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس آیت سے استدلال کرنے
والوں، مثلاً تقی سبکی، قسطلانی اور ابن حجر مکی، میں سے کسی نے بھی لفظ کی عمومیت کو دلیل نہیں
بنایا، حتیٰ کہ اس صاحب رسالہ (ابن دحلان) نے بھی اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ البتہ اس نے
سبکی، قسطلانی اور ابن حجر مکی کی نقالی میں یہ کہا ہے کہ اس آیت کا حکم اپنی علت کے عام ہونے کی
وجہ سے عام ہے، لیکن اس صورت میں اس کی دلیل قرآن کریم نہیں، بلکہ ذاتی قیاس ہے۔ اس
نے سمجھ یہ رکھا ہے کہ اس کی دلیل قرآن کریم ہے، حالانکہ قیاس کی حجیت کے قائل لوگوں کے
نزدیک وہ قیاس معتبر ہے جو ایک تو نصوص شرعیہ کے خلاف نہ ہو، دوسرے اس میں وہ تمام معتبر
شرائط موجود ہوں جو کتب علم اصول میں مذکور ہیں۔ یہ قیاس ان دونوں باتوں پر پورا نہیں اترتا۔
اس کی بڑی واضح دلیل یہ ہے کہ ابن دحلان مُقلد ہے اور مقلد اجتہاد کر ہی نہیں سکتا۔ پھر مقلدین
کے نزدیک ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ) کے بعد

اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ مقلد کے لیے شرعی دلائل سے استدلال کرنا جائز ہی نہیں۔ مقلد کا دلیل سے کیا واسطہ؟ اس کا کام تو بس کسی امتی کے قول کو بلا دلیل تسلیم کرنا ہے۔ صاحب رسالہ کا منصب اس کو شرعی دلائل سے استدلال کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ بات تو اس وقت ہے جب وہ اس آیت سے ساری امت مراد لے۔ اگر وہ کہے کہ اس آیت میں بعض امت مراد ہے، تو اس کا مقصود پورا ہی نہیں ہوتا۔ ② ابن دحلان نے مذکورہ آیت کریمہ میں رسول اکرم ﷺ کے پاس آنے کو عام قرار دیا ہے اور اس میں آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں آنا اور آپ کی وفات کے بعد آپ کی قبر مبارک پر آنا، دونوں کو شامل کیا ہے۔ اس کی سمجھ میں یہ بات بھی نہیں آسکی کوئی بھی عام لفظ صرف اور صرف ان چیزوں کے لیے عام ہوتا ہے جو اس لفظ کے تحت داخل ہوتی ہیں۔ کسی شخص کی قبر پر آنا لغوی، شرعی اور عرفی کسی بھی طور پر اس شخص کے پاس آنے کے مترادف نہیں ہے۔ کسی کے پاس آنے کا مطلب صرف اور صرف اس کی ذات کے پاس آنا ہوتا ہے۔ اس سے زائد کچھ سمجھنا قطعاً غلط ہے۔ اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ اس سے زائد بھی کچھ سمجھا جاسکتا ہے تو ہمارا اس سے سوال ہے کہ اس لفظ میں ہر زائد چیز شامل ہو گی یا وہ ہر زائد چیز جس کا تعلق اس شخص سے ہوگا یا صرف قبر ہی؟ پہلی بات، یعنی ہر زائد چیز کو عموم میں شامل کرنے کے بارے میں کوئی ذی شعور آدمی نہیں کہہ سکتا۔ اگر دوسری بات اختیار کی جائے، یعنی اس شخص سے تعلق رکھنے والی تمام چیزیں اس عموم میں شامل ہیں، تو اس فاسد قول سے یہ لازم آئے گا کہ کسی کے گھر آنے سے، اس کی بیوی کے پاس آنے سے، اس کی اولاد کے پاس آنے سے، اس کے دوستوں کے پاس آنے سے، اس کے خاندان کے پاس آنے سے، اس کے رشتہ داروں کے پاس آنے سے، اس کی قوم کے پاس آنے سے، اس کے پیروکاروں کے پاس آنے سے، اس کی امت کے پاس آنے سے، اس کی جائے پیدائش پر آنے سے، اس کی نشست گاہوں پر آنے سے، اس کے کنوؤں پر آنے سے، اس کے باغات میں آنے سے، اس کی مسجد میں آنے سے، اس کے علاقے، اس کی گلیوں اور اس کے محلوں میں آنے سے اور اس کی

ہجرت گاہ میں آنے سے، اس کی ذات کے پاس آنا مراد ہے۔ ایسی بات تو کوئی جاہل اور بددماغ ہی کر سکتا ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے پاس آنا، آپ کی ذات کے پاس آنے کے مترادف ہے، تو اسے یہ بھی کہنا پڑے گا کہ آپ ﷺ سے تعلق رکھنے والی مذکورہ چیزوں کے پاس آنا بھی آپ ہی کے پاس آنا ہے اور یہ ابطال الابطال ہے۔ اگر وہ شخص کہے کہ میں تیسری چیز کو اختیار کرتا ہوں، یعنی میں صرف قبر مبارک پر آنا ہی آپ ﷺ کی ذات کے پاس آنے کے مترادف سمجھتا ہوں، تو اس سے پوچھا جائے گا: تمہارے پاس اس فہم کی کیا دلیل ہے؟ اس پر آپ کو لغت، عرف اور شریعت سے کوئی دلیل نہیں ملے گی۔ اس موقف کے موافقین و مخالفین میں سے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ کسی امتی کی قبر پر جانے سے مراد صاحب قبر کے پاس جانا ہے۔ کوئی عاقل کسی کی قبر پر جانے کو صاحب قبر کے پاس جانا نہیں سمجھتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح کسی شخص کے پاس جانے اور اس سے تعلق رکھنے والی ان مذکورہ چیزوں کے پاس جانے میں فرق ہے، اسی طرح کسی شخص کے پاس جانا اور بات ہے، جبکہ اس کی قبر پر جانا اور بات۔ ان میں کوئی بھی چیز دوسری چیز کا مترادف نہیں۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی تو رسول اکرم ﷺ کے پاس آنے میں آپ ﷺ کے پاس آنے اور آپ کی قبر پر آنے، دونوں کو شامل کرنا گویا انسان میں انسان اور گھوڑے، دونوں کو شامل کرنا ہے۔ اس سے تو کسی چیز کو اپنے اور غیر میں تقسیم کرنا لازم آتا ہے۔ عقل مندوں کے ہاں ایسا کرنا باطل ہے۔ یہی کام ابن دحلان نے کیا ہے کہ آپ ﷺ کے پاس آکر استغفار کرنا، آپ کی حیات مبارکہ میں آپ کی ذات کے پاس آنے اور آپ کی وفات کے بعد قبر مبارک کے پاس آنے، دونوں صورتوں کو شامل کر دیا ہے، حالانکہ آپ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس استغفار کرنا، خود آپ ﷺ کے پاس آکر استغفار کرنے کے مترادف نہیں۔ اگر یہ لوگ کہیں کہ ہم یہ اعتراض لازم ہی نہیں آنے دیتے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ کے پاس آنے سے مراد آپ کی حیات مبارکہ میں آنا اور آپ کی وفات کے بعد آنا ہے، بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ آپ کے پاس آنے سے مراد آپ کی دنیوی زندگی میں آنا اور

آپ کی برزخی زندگی میں آنا ہے۔ جب برزخی زندگی میں آپ کے پاس آنا اسی صورت ممکن ہے کہ ہم آپ ﷺ کی قبر مبارک پر آئیں، یعنی زیارتِ قبر نبوی کریں، تو اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ آپ ﷺ کی قبر پر آکر استغفار کرنا جائز ہے۔۔۔ تو ہم عرض کریں گے کہ لغت و عرف کے اعتبار سے آیتِ کریمہ یہی بتاتی ہے کہ اس سے مراد آپ ﷺ کی دنیاوی زندگی ہی میں آنا ہے۔ کیونکہ لغت و عرف کسی بھی اعتبار سے برزخی زندگی میں آپ کی قبر مبارک کے پاس آنا، آپ ﷺ کے پاس آنے کے مترادف نہیں۔ برزخی زندگی تو شریعت کے بیان کرنے سے ثابت ہوگئی، البتہ یہ بات باقی رہ گئی کہ شریعت میں اس برزخی زندگی میں آنا، دنیاوی زندگی میں آنے کے مترادف ہے کہ نہیں؟ اور اس کا ثبوت مدعی ہی کے ذمے ہے۔۔۔“

(صيانة الإنسان عن وسوسة الشيخ دحلان، ص: 28-31)

اس طویل بحث سے ثابت ہوا کہ بعض لوگوں کا آیتِ کریمہ سے اپنا من مانا مفہوم نکالنا باطل ہے۔ قبر رسول پر جا کر معافی کی درخواست کرنا بدعت ہے۔ اگر یہ دین ہوتا تو سلف صالحین ضرور اس کو اختیار کرتے، کیونکہ وہ خیر و بھلائی کے بڑے حریص تھے۔ باقی علمائے کرام نے اس آیت کے تحت جو حکایات و روایات ذکر کی ہیں، وہ مستند نہیں ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

قبر نبوی سے توسل والی روایات کا تجزیہ

روایت نمبر ①: ابو حرب ہلالی کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے فریضہ

حج ادا کیا، پھر وہ مسجد نبوی کے دروازے پر آیا، وہاں اپنی اونٹنی بٹھا کر اسے باندھنے کے بعد مسجد میں داخل ہو گیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس آیا اور آپ کے پاؤں مبارک کی جانب کھڑا ہو گیا اور کہا: **السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ!** پھر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو سلام کیا، پھر آپ ﷺ کی قبر مبارک کی طرف بڑھا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، میں گناہگار ہوں، اس لیے آیا ہوں تاکہ اللہ کے ہاں آپ کو وسیلہ بنا سکوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ

نے اپنی کتاب قرآن کریمیں فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ (النساء: 4) (اے نبی!) اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کے پاس آئیں، پھر اللہ سے معافی مانگیں اور ان کے لیے اللہ کا رسول بھی معافی مانگے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا اور نہایت رحیم پائیں گے۔“

(شعب الإيمان للبيهقي: 3/495، ح: 4178، وفي نسخة: 3880)

حالانکہ یہ سخت قسم کی ”ضعیف“ روایت ہے، کیونکہ:

① محمد بن روح بن یزید مصری راوی کے حالات نہیں مل سکے۔

② ابو حرب ہلالی کون ہے؟ معلوم نہیں۔

③ عمرو بن محمد بن عمرو بن الحسین کے نہ حالات ملے ہیں، نہ توثیق۔

یہ ”مجهول“ راویوں میں سے کسی کی کارستانی ہے۔ ایسی روایت سے دلیل لینا اہل حق کا وطیرہ نہیں۔

حافظ ابن عبد البہادی رحمہ اللہ (705-744ھ) فرماتے ہیں: بِإِسْنَادٍ مُّظْلَمٍ.

”یہ واقعہ سخت مجہول سند سے مروی ہے۔“

(الصارم المنكي في الرد على السبكي، ص: 384)

روایت نمبر ②: ابوالجوزاء اوس بن عبد اللہ تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

قُحِطَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ قَحْطًا شَدِيدًا، فَشَكَّوْا إِلَى عَائِشَةَ، فَقَالَتْ: انْظُرُوا قَبْرَ

النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاجْعَلُوا مِنْهُ كَوَى إِلَى السَّمَاءِ، حَتَّى لَا يَكُونَ بَيْنَهُ

وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ، قَالَ: فَفَعَلُوا، فَمَطَرْنَا مَطْرًا حَتَّى نَبَتَ الْعُشْبُ، وَسَمِنَتِ

الْإِبِلُ، حَتَّى تَفْتَقَتْ مِنَ الشَّحْمِ، فَسَمِيَ عَامَ الْفَتْحِ.

”ایک مرتبہ اہل مدینہ سخت قحط میں مبتلا ہو گئے، انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے (اس کیفیت کے بارے میں) شکایت کی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس جاؤ اور وہاں سے ایک کھڑکی آسمان کی طرف اس طرح کھولو کہ قبر اور آسمان کے درمیان کوئی پردہ حائل نہ رہے۔ راوی کہتا ہے کہ لوگوں نے اسی طرح کیا تو بہت زیادہ بارش ہوئی یہاں تک کہ خوب سبزہ اُگ آیا اور اونٹ ایسے ہو گئے کہ (محسوس ہوتا تھا) جیسے وہ چربی سے پھٹ پڑیں گے، لہذا اس سال کا نام عام الفتح (پیٹ پھٹنے والا سال) رکھ دیا گیا۔“

(مسند الدارمی، 1/58، ح: 93، مشکاة المصابیح: 5650)

تبصرہ: اس روایت کی سند ”ضعیف“ ہے، اس کے راوی عمرو بن مالک نکرری (ثقة وحسن الحدیث) کی حدیث ابوالجوزاء سے غیر محفوظ ہوتی ہے، یہ روایت بھی ایسی ہی ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ عَدِيٍّ : حَدَّثَ عَنْهُ عَمْرُو بْنُ مَالِكٍ قَدَرِ عَشْرَةِ أَحَادِيثَ غَيْرِ مَحْفُوظَةٍ.

”امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ابوالجوزاء سے عمرو بن مالک نے تقریباً دس غیر محفوظ احادیث بیان کی ہیں۔“ (تہذیب التہذیب: 1/336)

یہ جرح مفسر ہے، یہ اثر بھی عمرو بن مالک النکرری نے اپنے استاذ ابوالجوزاء سے روایت کیا ہے، لہذا غیر محفوظ ہے۔

اس کی نکارت پر وہ بات بھی دلالت کرتی ہے، جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَمَا رَوِيَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا مِنْ فَتْحِ الْكُوَّةِ مِنْ قَبْرِهِ إِلَى السَّمَاءِ، لِيُنزَلَ الْمَطَرُ فَلَيْسَ بِصَحِيحٍ، وَلَا يُمْتِ إِسْنَادُهُ، وَمِمَّا يَبِينُ كِذْبَ هَذَا أَنَّهُ فِي مُدَّةِ حَيَاةِ

عَائِشَةَ لَمْ يَكُنْ لِلْبَيْتِ كَوَّةٌ، بَلْ كَانَ بَاقِيًا كَمَا كَانَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ -، بَعْضُهُ مَسْقُوفٌ وَبَعْضُهُ مَكْشُوفٌ، وَكَانَتِ الشَّمْسُ تَنْزِلُ فِيهِ، كَمَا ثَبَتَ فِي الصَّحِيحَيْنِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ - كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا، لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ بَعْدُ، وَلَمْ تَزَلِ الْحُجْرَةُ النَّبَوِيَّةُ كَذَلِكَ فِي مَسْجِدِ الرَّسُولِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ - ... وَمِنْ حِينِيذٍ دَخَلَتِ الْحُجْرَةُ النَّبَوِيَّةُ فِي الْمَسْجِدِ، ثُمَّ إِنَّهُ بُنِيَ حَوْلَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ الَّتِي فِيهَا الْقَبْرُ جِدَارٌ عَالٍ، وَبَعْدَ ذَلِكَ جُعِلَتِ الْكَوَّةُ لِيَنْزَلَ مِنْهَا مَنْ يَنْزِلُ إِذَا اِحْتِيجَ إِلَى ذَلِكَ لِأَجْلِ كَنْسٍ أَوْ تَنْظِيفٍ. وَأَمَّا وَجُودُ الْكَوَّةِ فِي حَيَاةِ عَائِشَةَ، فَكَذَبٌ بَيِّنٌ.

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بارش کے لیے جو قبر نبوی پر سے روشن دان کھولنے کی روایت مروی ہے، وہ صحیح نہیں۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس کے خلاف واقعہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حیات مبارکہ میں حجرہ مبارکہ میں کوئی روشن دان نہیں تھا۔ وہ حجرہ تو اسی طرح تھا جس طرح نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں تھا کہ اس کا بعض حصہ چھت والا اور بعض کھلا تھا۔ دھوپ اس میں داخل ہوتی تھی جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں ثابت ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ جب عصر کی نماز ادا فرماتے تو ابھی حجرہ مبارکہ میں دھوپ ہوتی تھی اور ابھی تک سایہ نہ آیا ہوتا تھا۔ مسجد نبوی کے ساتھ یہ حجرہ نبویہ بالکل اسی طرح قائم رہا۔۔۔ (پھر جب مسجد میں توسیع ہوئی) تو اس وقت سے حجرہ مسجد میں داخل ہو گیا۔ پھر حجرہ عائشہ، جس میں نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک ہے، اس کے گرد ایک بلند دیوار بنا دی گئی۔ اس کے بعد اس دیوار میں ایک کھڑکی رکھی گئی تاکہ صفائی وغیرہ کی ضرورت کے لیے اس میں داخل ہوا جاسکے۔ جہاں تک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حیات مبارکہ میں کسی کھڑکی کے ہونے کی، تو یہ واضح طور پر غلط ہے۔“

(الرد علی البکری، ص: 68-74)

اگر اس روایت کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس سے توسل کی وہ صورت ثابت نہیں ہوتی جس کا اثبات بعض لوگ اس سے کرتے ہیں۔ بلکہ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام، نبی اکرم ﷺ کی ذات سے توسل نہیں کرتے تھے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی فرماتے ہیں:

لَوْ صَحَّ ذَلِكَ لَكَانَ حُجَّةً وَدَلِيلًا عَلَى أَنَّ الْقَوْمَ لَمْ يَكُونُوا يُقْسِمُونَ عَلَى اللَّهِ بِمَخْلُوقٍ، وَلَا يَتَوَسَّلُونَ فِي دُعَائِهِمْ بِمَيْتٍ، وَلَا يَسْأَلُونَ اللَّهَ بِهِ، وَإِنَّمَا فَتَحُوا عَلَى الْقَبْرِ لِتَنْزِيلِ الرَّحْمَةِ عَلَيْهِ، وَلَمْ يَكُنْ هُنَاكَ دُعَاءٌ يُقْسِمُونَ بِهِ عَلَيْهِ، فَأَيُّنَ هَذَا مِنْ هَذَا.

”اگر یہ روایت صحیح ہو تو بھی اس بات پر دلیل بنے گی کہ صحابہ کرام نہ تو اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی قسم دیتے تھے، نہ اپنی دعا میں فوت شدگان کا وسیلہ دیتے تھے، نہ اللہ تعالیٰ سے اس کے وسیلے سے مانگتے تھے۔ انہوں نے تو صرف اس قبر مبارک سے روشن دان کھولا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو۔ وہاں کوئی دعا تو نہیں مانگی تھی انہوں نے۔ اس کا مسئلہ توسل سے کیا تعلق؟“

(الرد على البكري، ص: 74)

یعنی یہ روایت فوت شدگان سے توسل لینے والوں کو کوئی فائدہ نہیں دیتی۔

ایک الزامی جواب:

اس روایت کا ایک الزامی جواب یہ بھی ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

وَمَنْ حَدَّثَكَ أَنَّهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ، فَقَدْ كَذَبَ، وَهُوَ يَقُولُ: لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ.

”جو کوئی تمہیں یہ بتائے کہ محمد ﷺ غیب جانتے ہیں، وہ جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتے

ہیں کہ غیب کی باتوں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

(صحيح البخاري: 2/ 298، ح: 7380، صحيح مسلم: 1/ 98، ح: 177)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ بات چونکہ قبوری مذہب کے سخت خلاف تھی، اس لیے اس کے

جواب میں ”بعض الناس“ نے لکھا ہے:

”آپ کا یہ قول اپنے رائے سے ہے، اس پر کوئی حدیث مرفوعہ پیش نہیں فرماتیں، بلکہ

آیات سے استدلال فرماتی ہیں۔“

(”جاء الحق“: 1/124)

ہم پوچھتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم غیب کے متعلق قول قبول نہیں تو ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے متعلق یہ قول قبول کیوں ہے؟ جب کہ وہ اس پر بھی کوئی آیت یا حدیث پیش نہیں فرما رہیں۔ پھر اس پر سہاگہ کہ یہ قول ثابت بھی نہیں ہے۔

روایت نمبر ③: قاضی عیاض بن موسیٰ (م: 544ھ) لکھتے ہیں:

حَدَّثَنَا الْقَاضِي أَبُو عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَشْعَرِيُّ وَأَبُو الْقَاسِمِ أَحْمَدُ ابْنُ بَقِيٍّ الْحَاكِمُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ فِيمَا أَجَازُ وَنِيهِ، قَالُوا: أَخْبَرَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ أَحْمَدُ بْنُ عُمَرَ بْنِ دِلْهَاتٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ فَهْرٍ، حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ الْفَرَجِ، حَدَّثَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنُ الْمُتَنَابِ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ أَبِي إِسْرَائِيلَ، حَدَّثَنَا ابْنُ حُمَيْدٍ، قَالَ: نَاطَرَ أَبُو جَعْفَرٍ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ مَالِكًا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُ مَالِكٌ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! لَا تَرْفَعْ صَوْتَكَ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ، فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَدَبَ قَوْمًا، فَقَالَ: ﴿لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ الْآيَةَ، وَمَدَحَ قَوْمًا، فَقَالَ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ﴾ الْآيَةَ، وَذَمَّ قَوْمًا، فَقَالَ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُعَادُونَكَ﴾ الْآيَةَ، وَإِنْ حُرِّمَتْهُ مَيْتًا كَحُرْمَتِهِ حَيًّا، فَاسْتَكَانَ لَهَا أَبُو جَعْفَرٍ، وَقَالَ: يَا أَبَا عَبْدِ اللَّهِ! أَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةَ وَأَدْعُو، أَمْ أَسْتَقْبِلُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: وَلِمَ تَصْرَفُ وَجْهَكَ عَنْهُ وَهُوَ وَسِيلَتُكَ وَوَسِيلَةُ أَبِيكَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ بَلِ اسْتَقْبِلْهُ وَاسْتَشْفِعْ بِهِ، فَيُشَفِّعَهُ اللَّهُ، قَالَ اللَّهُ

تَعَالَى: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ﴾ الآية.

”محمد بن حمید کا بیان ہے کہ مسجد نبوی میں امیر المؤمنین ابو جعفر کا امام مالک رضی اللہ عنہ سے مناظرہ ہوا۔ امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امیر المؤمنین! اس مسجد میں اپنی آواز بلند نہ کیجیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب سکھاتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ...﴾ (تم اپنی آوازوں کو میرے نبی کی آواز سے بلند نہ کرو)۔ نیز کچھ لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَعْضُونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ...﴾ (جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں [وہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں])۔ کچھ لوگوں کی مذمت میں فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ ينادُونَكَ...﴾ (جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں [ان میں سے اکثر بے عقل ہیں])۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم موت کے بعد بھی اسی طرح ہے جس طرح زندگی میں تھی۔ یہ سن کر ابو جعفر لا جواب ہو گئے اور کہنے لگے: ابو عبد اللہ! میں قبلے کی طرف رخ کر کے اللہ تعالیٰ سے دُعا کروں یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کروں۔ امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا چہرہ کیوں پھیریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تو روز قیامت آپ کا اور آپ کے باپ آدم عليه السلام کا وسیلہ ہوں گے۔ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف رخ کریں اور آپ کو سفارشی بنائیں، اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ...﴾ (اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر لینے کے بعد [آپ کے پاس آئیں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں اور آپ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کریں تو اللہ تعالیٰ ضرور انہیں معاف فرمائے گا])۔۔۔“

(الشفاء بتعريف حقوق المصطفى: 2/41)

تبصرہ: یہ روایت درج ذیل نامعلوم اور مجہول راویوں کی کارروائی ہے:

- ① ابو الحسن علی بن فہر۔ ③ ابوبکر محمد بن احمد بن فرج۔
- ② ابوالحسن عبد اللہ بن منتاب۔

ان تینوں راویوں کی توثیق ثابت نہیں ہو سکی۔ علامہ سبکی (شفاء السقام، ص: 115) اور سمہودی (وفاء الوفاء: 2/422) کا اس کی سند کو ”جید“ قرار دینا اور بعض لوگوں کا ان کی بات پر اعتماد کر لینا بے تعلیٰ بات ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَكَذَلِكَ مَنْ نَقَلَ عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ جَوَزَ سُؤَالَ الرَّسُولِ أَوْ غَيْرِهِ بَعْدَ مَوْتِهِمْ أَوْ نَقَلَ ذَلِكَ عَنْ إِمَامٍ مِنْ أُمَّةِ الْمُسْلِمِينَ - غَيْرِ مَالِكٍ - كَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَغَيْرِهِمَا، فَقَدْ كَذَبَ عَلَيْهِمْ، وَلَكِنْ بَعْضُ الْجُهَّالِ يَنْقُلُ هَذَا عَنْ مَالِكٍ، وَيَسْتَنْدِ إِلَى حِكَايَةِ مَكْذُوبَةٍ عَنْ مَالِكٍ، وَلَوْ كَانَتْ صَحِيحَةً لَمْ يَكُنِ التَّوَسُّلُ الَّذِي فِيهَا هُوَ هَذَا، بَلْ هُوَ التَّوَسُّلُ بِشَفَاعَتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَلَكِنْ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُحَرِّفُ نَقْلَهَا، وَأَصْلُهَا ضَعِيفٌ.

”اسی طرح جو امام مالک رحمہ اللہ یا دیگر ائمہ مسلمین، مثلاً امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہما سے یہ نقل کرے کہ انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور نیک انسان کی موت کے بعد ان سے سوال کرنا جائز قرار دیا، وہ ان ائمہ کرام پر جھوٹ باندھتا ہے۔ بعض جاہل لوگ اس بات کو امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں اور اس سلسلے میں ایک جھوٹی روایت پر اعتماد کرتے ہیں۔ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اس میں مذکورہ وسیلہ وہ نہیں جو متنازع فیہ ہے، بلکہ اس میں قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت مراد ہے۔ لیکن بعض لوگ اس میں تحریف معنوی کرتے ہیں۔ بہر حال اس روایت کی سند ہی ضعیف ہے۔“ (قاعدة جلیلة فی التوسل والوسيلة، ص: 128)

علامہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ (705-744ھ) اس سند کے بارے میں فرماتے ہیں:

إِسْنَادُهَا إِسْنَادٌ لَيْسَ بِجَيِّدٍ، بَلْ هُوَ إِسْنَادٌ مُظْلَمٌ مُنْقَطِعٌ.

”اس کی سند جید نہیں بلکہ جہالت سے بھرپور اور منقطع ہے۔“

(الصارم المنکي في الرد على السبكي، ص: 260)

روایت نمبر ④:

اسی سلسلے کی ایک اور روایت یوں ہے:

رَوَى أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْكُرْخِيُّ عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْهَيْثَمِ الطَّائِي، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، عَنْ أَبِي صَادِقٍ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَدِمَ عَلَيْنَا أَعْرَابِيٌّ بَعْدَ مَا دَفَنَّا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، فَرَمَى بِنَفْسِهِ عَلَى قَبْرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَثَّ عَلَيَّ رَأْسَهُ مِنْ تَرَابِهِ، فَقَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَسَمِعْنَا قَوْلَكَ، وَوَعَيْتَ عَنِ اللَّهِ، فَوَعَيْنَا عَنْكَ، وَكَانَ فِيهَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ﴾ الْآيَةَ، وَقَدْ ظَلَمْتُ نَفْسِي وَجِئْتُكَ تَسْتَغْفِرُ لِي، فَنُوْدِي مِنَ الْقَبْرِ: إِنَّهُ قَدْ غُفِرَ لَكَ.

”سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے تین دن بعد ہمارے پاس ایک بدوی آیا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر لیٹ گیا اور اس کی مٹی اپنے سر پر ڈالی۔ پھر کہنے لگا: اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا تو ہم نے آپ کی بات کو غور سے سنا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے وحی کو محفوظ کیا تو ہم نے آپ سے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھی آپ پر نازل فرمائی تھی: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ...﴾ (جب وہ اپنے جانوں پر ظلم کر بیٹھیں، پھر آپ کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں اور آپ بھی ان کے لیے مغفرت کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور معاف کر دے گا)۔ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور آپ کے پاس آ گیا ہوں۔ آپ میرے لیے اللہ سے مغفرت طلب کیجیے۔ اسی اثنا میں قبر مبارک سے آواز آئی کہ تجھے معاف کر دیا گیا ہے۔“ (کنز العمال للمتقی الہندی: 4322، الصارم المنکی فی الرد علی السبکی لابن عبد

الہادی، ص: 430، تفسیر القرطبی: 439/6، جامع الأحادیث للسیوطی: 34153)

تبصرہ:

یہ جھوٹی اور من گھڑت حکایت ہے۔

علامہ ابن عبد البہادی رحمہ اللہ اسے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

إِنَّ هَذَا خَبْرٌ مُنْكَرٌ مَوْضُوعٌ، وَأَثَرٌ مُخْتَلَقٌ مَصْنُوعٌ، لَا يَصِحُّ الْإِعْتِمَادُ عَلَيْهِ، وَلَا يَحْسُنُ الْمَصِيرُ إِلَيْهِ، وَإِسْنَادُهُ ظُلْمَاتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ، وَالْهَيْثَمُ جَدُّ أَحْمَدَ بْنِ الْهَيْثَمِ، أَظُنُّهُ ابْنَ عَدِيِّ الطَّائِيِّ، فَإِنْ يَكُنْ هُوَ، فَهُوَ مَتْرُوكٌ كَذَّابٌ، وَالْأَفْهَوُ مَجْهُولٌ.

”یہ روایت منکر، موضوع، من گھڑت اور خود ساختہ ہے۔ اس پر اعتماد کرنا اور اس کے مطابق عقیدہ بنانا درست نہیں۔ اس کی سند میں اندھیرے ہی اندھیرے ہیں۔ پیشم جو کہ احمد ابن پیشم کا دادا ہے، میرے خیال میں وہ عدی طائی کا بیٹا ہے۔ اگر یہ واقعی وہی ہے تو وہ متروک اور کذاب ہے، ورنہ مجہول ہے۔“ (الصارم المنکی فی الرد علی السبکی، ص: 430)

اس روایت کا راوی پیشم بن عدی ”کذاب“ اور ”متروک“ ہے۔ اس کے بارے میں: امام بیہقی بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ بِثِقَّةٍ، كَانَ يَكْذِبُ.

”یہ معتبر راوی نہیں تھا، بلکہ جھوٹ بولتا تھا۔“ (تاریخ یحییٰ بن معین: 2/626)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سَكَثُوا عَنْهُ.

”یہ متروک الحدیث راوی ہے۔“ (الکامل فی ضعفاء الرجال: 7/104، وسندہ حسن)

امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے ”متروک الحدیث“ قرار دیا ہے۔

(کتاب الضعفاء والمتروکین: 637)

امام علی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَذَّابٌ، وَقَدَّرَ آيَتُهُ.

”یہ سخت جھوٹا شخص تھا۔ یہ میرا دیکھا بھالا ہے۔“ (تاریخ العجلی: 1924)

امام ابو زرعة رحمہ اللہ کہتے ہیں:

لَيْسَ بِشَيْءٍ.

”یہ چنداں قابل اعتبار راوی نہیں۔“ (تاریخ أبي زرعة: 2/431)

امام ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ، مَحَلُّهُ مَحَلُّ الْوَأَقْدِي.

”متروک الحدیث راوی ہے۔ یہ واقدی (کذاب) کا ہم پلہ ہے۔“

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 2/85)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی حدیث کو جھوٹی قرار دیا ہے۔

(الضعفاء الكبير للعليلي: 4/352، وسنده صحيح)

علامہ جوز جانی کہتے ہیں: سَاقِطٌ، قَدْ كُشِفَ قِنَاعُهُ.

”یہ متروک راوی ہے۔ اس کا پردہ چاک ہو چکا ہے۔“ (أحوال الرجال: 368)

امام یعقوب بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

وَالْهَيْثَمُ بْنُ عَدِيٍّ كَانَتْ لَهُ مَعْرِفَةٌ بِأُمُورِ النَّاسِ وَأَخْبَارِهِمْ، وَلَمْ يَكُنْ فِي الْحَدِيثِ بِالْقَوِيِّ، وَلَا كَانَتْ لَهُ بِهِ مَعْرِفَةٌ، وَبَعْضُ النَّاسِ يَحْمِلُ عَلَيْهِ فِي صِدْقِهِ.

”ہیثم بن عدی کو لوگوں کے قصوں اور واقعات سے کچھ معرفت تھی، لیکن حدیث میں وہ مضبوط نہیں تھا، نہ اسے حدیث کی کوئی معلومات تھیں۔ بعض محدثین اس کی سچائی میں بھی شک

کرتے ہیں۔“ (تاریخ بغداد للخطيب البغدادي: 14/53، وسنده صحيح)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”ضعیف“ اور ”متروک“ راویوں میں ذکر کیا ہے۔

(كتاب الضعفاء والمتروكين: 565)

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رَوَى عَنِ الثَّقَاتِ أَشْيَاءَ، كَانَتْهَا مَوْضُوعَةً، بِسَبْقِ إِلَى الْقَلْبِ أَنَّهُ كَانَ يُدَلِّسُهَا، فَالْتَزَقَ تِلْكَ الْمُعْضَلَاتُ بِهِ، وَوَجَبَ مُجَانَبَةُ حَدِيثِهِ عَلَى عِلْمِهِ

بالتَّارِيخِ وَمَعْرِفَتِهِ بِالرِّجَالِ .

”اس نے ثقہ راویوں سے بہت سی من گھڑت قسم کی روایات بیان کیں۔ محسوس یوں ہوتا ہے کہ وہ ان کے بیان میں تدلیس سے کام لیتا تھا۔ یہی منقطع روایات اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئیں اور باوجود اس کے تاریخ اور رجال کا عالم ہونے کے، اس کی حدیث سے بچنا ضروری ہو گیا۔“ (کتاب المجروحین من المحدثین والضعفاء والمتروکین: 93/3)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (673-748ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعُوا عَلَيَّ ضَعْفِ الْهَيْئِمِ .

”محدثین کرام کا ہیثم کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے۔“ (سیر أعلام النبلاء: 462/9)

دوسری بات یہ ہے کہ ابوصادق مسلم بن یزید/عبداللہ بن ناجد کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ”مرسل“ ہوتی ہے۔ امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت کو ”مرسل“ کہا ہے۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 199/8)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حَدِيثُهُ عَنْ عَلِيٍّ مُرْسَلٌ .

”ابوصادق کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہوتی ہے۔“ (تقریب التہذیب: 8167)

سابق مفتی دارالعلوم دیوبند، محمد شفیع دیوبندی حیاتی کراچوی صاحب (م: 1396ھ) اس جھوٹی روایت کو اپنے عقیدے کی بنیاد بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی، اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اس حکم میں ہے۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو اس کے تین روز بعد ایک گاؤں والا آیا اور قبر شریف کے پاس آکر گر گیا اور زار زار روتے ہوئے آیت مذکورہ کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا ہے کہ اگر گنہگار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور رسول اس کے لیے دُعاے مغفرت کر دیں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی۔

اس لیے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ اس وقت جو لوگ حاضر تھے، ان کا بیان ہے کہ اس کے جواب میں روضہ اقدس کے اندر سے آواز آئی: قَدْ غُفِرَ لَكَ (بحر محیط)، یعنی مغفرت کر دی گئی۔“ (معارف القرآن: 2/458، 459)

صحابہ کرام، تابعین عظام اور سلف صالحین میں سے کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں تھا کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ سے دعائے مغفرت کی درخواست کی جائے۔ اگر قرآن و حدیث میں اس کی کوئی دلیل ہوتی تو اسلاف امت ضرور اس کے قائل و فاعل ہوتے۔ سلف صالحین کے خلاف بدعی عقیدہ گھڑ کر اسے جھوٹی روایت کا کمزور اور بے کار سہارا دینے کی کوشش کرنا اہل حق کا وطیرہ نہیں۔ جن روایات کو جھوٹے اور متروک راویوں نے بیان کر رکھا ہے، محدثین کرام انہیں بے فیض سمجھ کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتے ہیں، انہی روایات کو جھاڑ پونچھ کر اپنے ماتھے کا جھومر بنانا کون سی دینداری ہے؟

روایت نمبر ⑤: محمد بن حرب ہلالی بیان کرتا ہے:

دَخَلْتُ الْمَدِينَةَ، فَاتَيْتُ قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرَزْتُهُ وَجَلَسْتُ بِحِذَائِهِ، فَجَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَرَارَهُ، ثُمَّ قَالَ: يَا خَيْرَ الرُّسُلِ! إِنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ عَلَيْكَ كِتَابًا صَادِقًا، قَالَ فِيهِ: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ﴾ إِلَى قَوْلِهِ ﴿رَجِيماً﴾، وَإِنِّي جُنْتُكَ مُسْتَعْفِراً أَرَبَكَ مِنْ ذُنُوبِي، مَسْتَشْفِعاً بِكَ.....

”میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا، نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر گیا، اس کی زیارت کی اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ایک بدوی شخص آیا اور قبر مبارک کی زیارت کے بعد کہنے لگا: اے خیر الرسل! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے۔ اس میں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ...﴾ (اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں اور پھر آپ کے پاس آ کر اللہ سے معافی طلب کریں اور آپ بھی ان کے لیے معافی مانگیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کو

معاف فرمادے گا)۔۔۔“ (وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفى للسمهودي: 4/1361، اتحاف الزائر لأبي اليمن عبد الصمد بن عبد الوهاب بن عساكر: 68، 69، أخبار المدينة لابن النجار: 147، مشير العزم الساكن لابن الجوزي: 477، شفاء الغرام بأخبار البلد الحرام لمحمد بن أحمد بن علي الفاسي: 4/369، وقد ذكره ابن بشكوال أيضاً كما في القول البديع للسخاوي: 162، 163)

تبصرہ: یہ بھی جھوٹی داستان ہے۔ اس حکایت کے بارے میں علامہ ابن عبد الہادی رحمۃ اللہ علیہ (م 744ھ) فرماتے ہیں:

وَهَذِهِ الْحِكَايَةُ الَّتِي ذَكَرَهَا بَعْضُهُمْ يَزْوِيهَا عَنِ الْعُنْيِيِّ، بِإِسْنَادٍ، وَبَعْضُهُمْ يَزْوِيهَا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَرْبِ الْهَلَالِيِّ، وَبَعْضُهُمْ يَزْوِيهَا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَرْبٍ، عَنْ أَبِي الْحَسَنِ الرَّعْفَرَانِيِّ، عَنِ الْأَعْرَابِيِّ، وَقَدْ ذَكَرَهَا الْبَيْهَقِيُّ فِي كِتَابِ شُعَبِ الْإِيمَانِ بِإِسْنَادٍ مُظْلَمٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ رَوْحِ بْنِ يَزِيدَ الْبَصْرِيِّ، حَدَّثَنِي أَبُو حَرْبِ الْهَلَالِيِّ، قَالَ: حَجَّ أَعْرَابِيٌّ، فَلَمَّا جَاءَ إِلَى بَابِ مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَاخَ رَاحِلَتَهُ فَعَقَلَهَا، ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ حَتَّى أَتَى الْقُبْرَ، ثُمَّ ذَكَرَ نَحْوَ مَا تَقَدَّمَ، وَقَدْ وَضَعَ لَهَا بَعْضُ الْكُذَّابِينَ إِسْنَادًا إِلَى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، كَمَا سَيَأْتِي ذِكْرُهُ. وَفِي الْجُمْلَةِ: لَيْسَتْ هَذِهِ الْحِكَايَةُ الْمَنْكُورَةُ عَنِ الْأَعْرَابِيِّ مِمَّا يَقُومُ بِهِ حُجَّةٌ، وَإِسْنَادُهَا مُظْلَمٌ مُخْتَلَفٌ، وَلَفْظُهَا مُخْتَلَفٌ أَيْضًا، وَلَوْ كَانَتْ ثَابِتَةً لَمْ يَكُنْ فِيهَا حُجَّةٌ عَلَى مَطْلُوبِ الْمُعْتَرِضِ، وَلَا يَصْلُحُ الْإِحْتِجَاجُ بِمِثْلِ هَذِهِ الْحِكَايَةِ، وَلَا الْإِعْتِمَادُ عَلَى مِثْلِهَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ.

”اس حکایت کو بعض لوگوں نے عتی سے بیان کیا ہے اور بعض نے بلا سند ذکر کیا ہے۔ جبکہ بعض نے محمد بن حرب ہلالی سے اسے روایت کیا ہے۔ کچھ لوگوں نے اس کی سند یوں بیان کی ہے:

محمد بن حرب، ابوالحسن زعفرانی سے بیان کرتا ہے اور وہ بدوی سے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعے کو اپنی کتاب شعب الایمان میں ایک سخت ضعیف سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ وہ سند یوں ہے:

محمد بن روح بن یزید بصری کہتے ہیں کہ ہمیں ابو حرب ہلالی نے بیان کیا کہ ایک بدوی نے حج کیا، پھر مسجد نبوی کے پاس آ کر اپنا اونٹ باندھ دیا، مسجد میں داخل ہوا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آیا۔۔۔ بعض جھوٹے لوگوں نے اس کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ تک سند گھڑ لی ہے، اس کا تذکرہ آئندہ آ رہا ہے۔ الغرض بدوی والے اس منکر قصے سے دلیل نہیں لی جاسکتی۔ اس کی سند سخت ضعیف ہے اور اس کی سند و متن دونوں میں اختلاف ہے۔۔۔ اس جیسی حکایت سے دلیل لینا اور اس پر اعتماد کرنا اہل علم کے نزدیک جائز نہیں۔“

(الصارم المنکی فی الرد علی السبکی، ص: 212)

اب اس کے راویوں کا حال بن ملاحظہ فرمائیں کہ:

① ابن فضیل نحوی ② محمد بن روح ③ محمد بن حرب ہلالی

تینوں کی توثیق نہیں مل سکی۔ جس کے دین کا علم نہ ہو، اس کی بیان کردہ روایات کو اپنا دین بنانا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ یہ داستان انہی تینوں میں سے کسی ایک کی کارروائی لگتی ہے۔

روایت نمبر ⑥، حکایت عُتبی:

عُتبی والی حکایت حافظ نووی (الأذکار: 206، الإيضاح: 451)، علامہ قرطبی (تفسیر القرطبی: 265/5)، حافظ ابن کثیر (تفسیر ابن کثیر: 306/2) اور ابن قدامہ (المغنی: 557/3) نے بغیر سند کے ذکر کی ہے۔

معجم الشیوخ لابن عساکر (ص: 600) میں بھی اس کی سند موجود ہے، لیکن یاد رہے کہ یہ بھی جھوٹی سند ہے۔ کیونکہ:

① اس کے راوی ابن فضیل نحوی کی توثیق نہیں مل سکی۔

② عبدالکریم بن علی راوی کی تعیین و توثیق بھی نہیں ملی۔

③ محمد بن محمد بن نعمان راوی کون ہے؟ اگر یہ ابن شبل ہے تو یہ ”متہم بالوضع“

ہے اور اگر یہ مُقری ہے تو ”مجہول“ ہے۔

④ محمد بن حرب ہلالی کی توثیق بھی نہیں ملی۔

جس حکایت کی سند کا یہ حال ہو، اسے عقیدے میں دلیل بنانا کیسے صحیح ہے؟

حافظ ابن عبد البہادی رحمہ اللہ (704-744ھ) اس حکایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَأَمَّا حِكَايَةُ الْعُتْبِيِّ الَّذِي أَشَارَ إِلَيْهَا، فَإِنَّهَا حِكَايَةٌ ذَكَرَهَا بَعْضُ الْفُقَهَاءِ
وَالْمُحَدِّثِينَ، وَلَيْسَتْ بِصَحِيحَةٍ وَلَا ثَابِتَةٍ إِلَى الْعُتْبِيِّ، وَقَدْ رُوِيَ عَنْ غَيْرِهِ
بِإِسْنَادٍ مُظْلِمٍ كَمَا بَيَّنَّا ذَلِكَ فِيمَا تَقَدَّمَ، وَهِيَ فِي الْجُمْلَةِ حِكَايَةٌ لَا يَثْبُتُ بِهَا حُكْمٌ
شَرْعِيٌّ، لَا سِيَّمَا فِي مِثْلِ هَذَا الْأَمْرِ الَّذِي لَوْ كَانَ مَشْرُوعًا مَمْدُوبًا، لَكَانَ الصَّحَابَةُ
وَالتَّابِعُونَ أَعْلَمَ بِهِ وَأَعْمَلَ بِهِ مِنْ غَيْرِهِمْ.

”عُتْبِي والی حکایت جس کی طرف سبکی نے اشارہ کیا ہے، اسے بعض فقہاء اور محدثین نے
ذکر کیا ہے، لیکن یہ عُتْبِي تک صحیح اور ثابت نہیں ہے۔ عُتْبِي کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی یہ گنہام
سند کے ساتھ مذکور ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ الغرض اس حکایت سے کوئی شرعی حکم
ثابت نہیں ہو سکتا، خصوصاً ایسے معاملے میں جو اگر مشروع و مستحب ہوتا تو صحابہ و تابعین بعد والوں
سے بڑھ کر اس کو جانتے اور اس پر عمل کرتے۔“

(الصارم المنکي في الرد على السبكي، ص: 321، وفي نسخة: 490)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

فَمِثْلُ هَذَا الْإِمَامِ كَيْفَ يَشْرَعُ دِينًا لَمْ يُثْقَلْ عَنْ أَحَدِ السَّلَفِ، وَيَأْمُرُ الْأُمَّةَ أَنْ
يَطْلُبُوا الدُّعَاءَ وَالشَّفَاعَةَ وَالِاسْتِعْفَارَ - بَعْدَ مَوْتِ الْأَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ - مِنْهُمْ
عِنْدَ قُبُورِهِمْ، وَهُوَ أَمْرٌ لَمْ يَفْعَلْهُ أَحَدٌ مِنْ سَلَفِ الْأُمَّةِ؟

”عُتْبِي جیسا امام ایسی بات کو دین کیسے قرار دے سکتا ہے جو سلف صالحین میں سے کسی سے منقول نہیں۔ کیسے ممکن ہے کہ عُتْبِي انبیائے کرام اور صالحین کی وفات کے بعد ان کی قبر پر جا کر ان سے دُعا، شفاعت اور استغفار طلب کرنے کا حکم دیں، حالانکہ یہ ایسا کام ہے جسے اسلاف امت میں سے کسی نے نہیں کیا؟“ (مجموع الفتاویٰ: 1/221)

جناب اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (1280-1362ھ) لکھتے ہیں:

”محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی۔ غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت تکیر منقول نہیں، پس حجت ہو گیا۔“ (نشر الطیب، ص: 254)

عربی کی مشہور مثل ہے کہ تَبَّتِ الْعَرْشُ، ثُمَّ انْقَشَ یعنی پہلے عمارت کھڑی کرو، پھر نقش و نگار کرو۔ تھانوی صاحب نے عمارت بنانے سے پہلے ہی بیل بوٹے کا کام شروع کر دیا ہے۔ پہلے واقعہ کی سند تو ثابت ہو جائے، پھر اس سے استدلال و استنباط کا کام بھی ہو جائے گا۔ جس سند میں نامعلوم و مجہول اور مجروح افراد نے ڈیرے ڈال رکھے ہوں، کیا محدثین کرام اور ائمہ دین اسے اپنا دین بنا لیتے تھے؟ جس واقعہ کو سب سے پہلے حافظ ابوالیمن عبدالصمد بن عبدالوہاب بن عساکر (618-686ھ) نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہو اور وہ بھی سخت ”ضعیف“ سند کے ساتھ، اسے خیر القرون کے سلف صالحین کیسے اپنا سکتے تھے؟

تنبیہ ①: سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے بھی ایک اعرابی کا واقعہ بیان کیا ہے جو نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر آیا تھا۔۔۔

(المنتقى من مسموعات مرو للضیاء المقدسی: 418، المكتبة الشاملة)

لیکن یہ امام سفیان ثوری رضی اللہ عنہ پر صریح بہتان ہے، کیونکہ:

① ابن بنت یزید بن ہارون کے حالات زندگی نہیں ملے۔

② حسن بن یوسف کا تب کون ہے؟ معلوم نہیں ہو سکا۔

③ ابوالحسن محمد بن اسحاق تمار کی توثیق نہیں مل سکی۔

④ ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن عبد اللہ بن یزید درازی کی توثیق نہیں ملی۔

⑤ ابوعلی حسین بن ابراہیم قنطری کے حالات نہیں ملے۔

جس سند میں کئی نامعلوم افراد موجود ہوں، وہ ثابتنکیسے ہو سکتی ہے؟ یہ کسی نامعلوم جھوٹے کی مذموم کوشش ہے۔

تنبیہ ②: سعید بن ابی مریم رضی اللہ عنہ بھی قبر نبوی کے متعلق ایک دیہاتی کا واقعہ

نقل کرتے ہیں۔ (المجلس من أمالي أبي الفتح المقدسي، ص: 15)

یہ بھی سخت باطل روایت ہے، کیونکہ:

① ابوالقاسم عبد الرحمن بن عمر بن نصر بن محمد شیبانی کے بارے میں حافظ

ذہبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ عَسَاكِرٍ: اتُّهِمَ فِي لِقَاءِ أَبِي إِسْحَاقَ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ.

”امام ابن عساکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابواسحاق بن ابوثابت کے ساتھ دعویٰ ملاقات کی وجہ

سے اس پر جھوٹ کا الزام تھا۔“ (میزان الاعتدال: 2/580)

یہی بات علامہ عبدالعزیز کتانی رضی اللہ عنہ نے بھی ہے۔ (لسان المیزان لابن حجر: 3/424)

② ابوالحسن علی بن خضر بن سلیمان بن سعید سلمی کے بارے میں حافظ ابن

عساکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سَمِعَ الْكَثِيرَ، وَجَمَعَ مَا لَوْ لَمْ يَجْمَعُهُ، كَانَ خَيْرَ اللَّهِ.

”اس نے بہت سے لوگوں سے سماع کیا اور ایسی روایات جمع کیں کہ ان کو جمع نہ کرنا ہی اس

کے لیے بہتر تھا۔“ (تاریخ ابن عساکر: 41/461)

نیز فرماتے ہیں: وَ سَمِعَ مِنْ شَيْخِنَا أَبِي الْحَسَنِ بْنِ قَيْسٍ، وَلَمْ يَقَعْ إِلَيْنَا

مِنْ حَدِيثِهِ عَنْهُ شَيْءٌ إِلَّا بَعْدَ مَوْتِ ابْنِ قَيْسٍ، وَكَانَ جَدِّي أَبُو الْمُفَضَّلِ يَذْكُرُ أَنَّ

سَمِعَ مِنْهُ، وَلَمْ يُجْرِ سَمَاعَهُ مِنْهُ.

”اس نے ہمارے شیخ ابوالحسن بن قیس سے سماع کیا تھا۔ ہمارے پاس ابوالحسن بن قیس کی احادیث بواسطہ علی بن خضران کی موت کے بعد ہی پہنچیں۔ میرے دادا ابو مفضل بیان کرتے تھے کہ انہوں نے علی بن خضر سے سماع کیا ہے، لیکن انہوں نے اس سے سنی ہوئی روایات کو آگے بیان نہیں کیا۔“ (تاریخ دمشق لابن عساکر: 462/41)

علامہ عبدالعزیز کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

صَنَّفَ كُتُبًا كَثِيرَةً، لَمْ يَكُنْ هَذَا الشَّأْنُ مِنْ صُنْعَتِهِ، وَخُلِطَ تَخْلِيطًا عَظِيمًا، كَانَ يَرَوِي أَشْيَاءَ لَيْسَتْ لَهُ سَمَاعٌ وَلَا إِجَازَةٌ.

”اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کی تھیں، لیکن یہ کام اس کے بس کا نہیں تھا۔ اس کا حافظہ بہت زیادہ خراب ہو گیا تھا۔ وہ ایسی روایات بیان کرتا تھا، جن کا نہ اس نے سماع کیا تھا، نہ ان کو بیان کرنے کی اجازت اسے ملی تھی۔“ (تاریخ دمشق لابن عساکر: 463/41)

الحاصل:

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں جہاں وسیلے کا ذکر ہے، اس سے مراد ذاتی نیک اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے۔ قرآن مجید کی صرف دو آیات میں وسیلے کا لفظ مستعمل ہے۔ ان دونوں آیات کے بارے میں اہل سنت والجماعت کے مفسرین کے اقوال اور ان کی تفاسیر آپ کی خدمت میں پیش ہیں۔ تیسری آیت جس میں گناہگاروں کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے اور آپ سے اپنے لیے دعا کرانے کا ذکر ہے، اس سے بعض لوگوں نے قبر نبوی اور ذات نبوی کے توسل کا اثبات کرنا چاہا اور کچھ روایات پیش کیں، ان کے بارے میں بھی اصول محدثین اور فہم سلف کی روشنی میں تفصیلی و تحقیقی بحث سپرد قلم کر دی گئی ہے۔ فیصلہ خود کریں کہ کیا قرآن کریم سے فوت شدگان کا وسیلہ ثابت ہوتا ہے؟



وسیلہ، صحیح احادیث اور فہم سلف کی روشنی میں

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

گزشتہ صفحات اس بات پر شاہد ہیں کہ قرآن کریم اور صحیح احادیث سے تین طرح کا وسیلہ ثابت ہے۔ ایک اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کا، دوسرے اپنے نیک اعمال کا اور تیسرے کسی زندہ نیک شخص کی دُعا کا۔ لہذا وسیلے کی صرف یہی قسمیں جائز اور مشروع ہیں۔ باقی جتنی بھی اقسام ہیں، وہ غیر مشروع اور ناجائز و حرام ہیں۔ قرآن کریم سے کونسا وسیلہ ثابت ہے؟ اس بارے میں تو قارئین ”وسیلہ اور قرآن کریم“ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ آئیے صحیح احادیث اور فہم سلف کی روشنی میں بھی جائز وسیلے کے بارے میں یہی کچھ ثابت ہے، نیز وسیلے کی ممنوع اقسام کے بارے میں صریح ممانعت و نفی بھی موجود ہے۔ آئیے ملاحظہ فرمائیں:

زندہ نیک شخص کی دُعا کے وسیلے کا جواز:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، كَانَ إِذَا قُحِطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ! إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَامْتَقِنَا، قَالَ: فَيَسْقُونَ.

”سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا طریقہ یہ تھا کہ جب قحط پڑ جاتا تو سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ (کی دعا) کے وسیلہ سے بارش طلب کیا کرتے تھے۔ دعایوں کرتے تھے: اے اللہ! بے شک ہم تجھے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کی زندگی میں ان کی دعا) کا وسیلہ پیش کر کے بارش طلب کیا کرتے تھے تو تو ہمیں بارش دیتا تھا اور اب ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (کی وفات کے بعد ان) کے چچا (کی دعا) کو وسیلہ بنا کر بارش طلب کرتے ہیں (یعنی ان سے دعا کرواتے ہیں)، لہذا اب بھی تو ہم پر بارش نازل فرما۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ

بیان کرتے ہیں کہ اس طرح انہیں بارش عطا ہو جاتی تھی۔ (صحیح البخاری: 1/137، ح: 1010)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (661-728ھ) اس حدیث کا مطلب یوں بیان کرتے ہیں:

وَذَلِكَ أَنَّ التَّوَسُّلَ بِهِ فِي حَيَاتِهِ، هُوَ أَنَّهُمْ كَانُوا يَتَوَسَّلُونَ بِهِ، أَيَّ يَسْأَلُونَ أَنْ

يَدْعُوَ اللَّهُ، فَيَدْعُو لَهُمْ، وَيَدْعُونَ فَيَتَوَسَّلُونَ بِشَفَاعَتِهِ وَدُعَائِهِ.....

”وسیلہ کی یہ صورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارکہ میں اس طرح تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کرتے اور پھر خود بھی دعا کرتے۔ یوں اس طریقہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی سفارش اور وسیلہ حاصل کرتے تھے۔“ (مختصر الفتاویٰ المصریہ، ص: 194)

شارح بخاری، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (773-852ھ) لکھتے ہیں:

وَيُسْتَفَادُ مِنْ قِصَّةِ الْعَبَّاسِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِنْ امْتِحْنَابِ الْإِسْتِشْفَاعِ بِأَهْلِ

الْخَيْرِ وَأَهْلِ بَيْتِ النَّبَوَّةِ.

”سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے قصہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خیر و بھلائی والے لوگوں، اہل

صلاح و تقویٰ اور اہل بیت سے سفارش کروانا مستحب ہے۔“ (فتح الباری: 2/497)

بعض حضرات اس حدیث سے وسیلہ کی ایک ناجائز قسم ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں،

حالانکہ یہ حدیث تو ہماری دلیل ہے، کیونکہ زندہ لوگوں سے دعا کرنا مشروع وسیلہ ہے۔ اگر فوت

شدگان کی ذات کا وسیلہ جائز ہوتا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو چھوڑ کر صحابہ کرام کبھی

ایک امتی کی ذات کو اللہ تعالیٰ کی دربار میں پیش کرنے کی جسارت نہ کرتے۔ یوں معلوم ہوا کہ

اس حدیث سے صرف زندہ نیک لوگوں کی دعا کے وسیلہ کا اثبات ہوتا ہے۔

محدثین کرام اور فقہائے امت نے اس حدیث سے ذات کا نہیں بلکہ دعا کا وسیلہ مراد لیا

ہے۔ جب اسلاف امت اس سے فوت شدگان کا وسیلہ مراد نہیں لیتے تو آج کے غیر مجتہد و غیر فقیہ اہل

تقلید کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس حدیث کا ایک نیا معنی بیان کریں؟

تصریحات محدثین سے عیاں ہو گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے دعا کرنے کا معنی یہی

ہے کہ آپ ﷺ سے دُعا کروائی جاتی تھی، پھر اللہ تعالیٰ کو اس دُعا کا حوالہ دیا جاتا کہ اے اللہ! تیرا نبی ہمارے حق میں تجھ سے دُعا فرما رہا ہے، لہذا اپنے نبی کی دُعا ہمارے بارے میں قبول فرما کر ہماری حاجت روائی فرما دے!

کسی ایک ثقہ محدث یا معتبر عالم سے یہ بات ثابت نہیں کہ وہ اس حدیث سے نبی اکرم ﷺ اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما کی ذات کا وسیلہ ثابت کرتا ہو۔

فائدہ نمبر ①: ایک روایت میں ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا

عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کے لیے دُعا کا کہا تو انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ دعا کی:

اللَّهُمَّ إِنَّهُ لَمْ يَنْزِلْ بَلَاءٌ إِلَّا بَدُنْبِ، وَلَمْ يُكْشَفْ إِلَّا بِتَوْبَةٍ، وَقَدَّتْ وَجْهَ الْقَوْمِ هِي
إِلَيْكَ لِمَكَانِي مِنْ نَبِيِّكَ.

”اے اللہ! ہر مصیبت کسی گناہ کی وجہ سے نازل ہوتی ہے اور توبہ ہی اس سے خلاصی کا ذریعہ بنتی ہے۔ لوگوں نے میرے ذریعے تیری طرف رجوع کیا ہے، کیونکہ میں تیرے نبی کے ہاں مقام و مرتبہ رکھتا تھا۔“ (تاریخ دمشق لابن عساکر: 359, 358/26، فتح الباری لابن حجر: 497/2، عمدۃ القاری للعینی: 32/7)

لیکن یہ جھوٹی روایت ہے۔ اس کو گھڑنے والا محمد بن سائب کلبی ہے جو کہ ”متروک“ اور کذاب ہے۔ نیز اس میں ابوصالح راوی بھی ”ضعیف“ اور مختلط ہے۔ اس کی سند میں اور بھی خرابیاں موجود ہیں۔ زبیر بن بکار کی بیان کردہ روایت کی سند نہیں ملی۔

فائدہ نمبر ②: حافظ ابن عبد البر رضی اللہ عنہ نے اس واقعے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی

دعا کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں:

اللَّهُمَّ إِنَّا نَتَقَرَّبُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّكَ وَنَسْتَشْفَعُ بِهِ، فَاحْفَظْ فِينَا نَبِيَّكَ كَمَا
حَفِظْتَ الْعُلَمَاءَ مِنْ لَصَلَاحِ أَبِيهِمَا.

”اے اللہ! ہم تیرے نبی کے بچا کے ساتھ تیرا تقرب حاصل کرتے ہیں اور ان کی سفارش پیش کرتے ہیں۔ تو ہمارے بارے میں اپنے نبی کا اس طرح لحاظ فرما جس طرح تو نے والدین کی نیکی کی بنا پر دو لڑکوں کا لحاظ فرمایا تھا۔“

(الاستیعاب: 3/92، التمهید: 23/434، الاستذکار: 2/434)

یہ بے سند ہے، لہذا قابل اعتبار نہیں۔

فائدہ نمبر ۳: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

اسْتَشَقَى عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ عَامَ الرَّمَادَةِ بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ! هَذَا عَمُّ نَبِيِّكَ الْعَبَّاسُ، نَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِهِ، فَاسْقِنَا، فَمَا بَرِحُوا حَتَّى سَقَاهُمُ اللَّهُ، قَالَ: فَخَطَبَ عُمَرُ النَّاسَ، فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرَى لِلْعَبَّاسِ مَا يَرَى الْوَلَدُ لِوَالِدِهِ، يُعْظِمُهُ، وَيُفَخِّمُهُ، وَيَبْرُرُ قَسَمَهُ، فَاقْتَدُوا أَيُّهَا النَّاسُ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عَمِّهِ الْعَبَّاسِ، وَاتَّخِذُوهُ وَسِيلَةً إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِيمَا نَزَلَ بِكُمْ.

”سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عام الرمادہ (قحط و ہلاکت والے سال) میں سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنا کر بارش طلب کی۔ انہوں نے یوں فریاد کی: اے اللہ! یہ تیرے (مکرم) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے (معزز) چچا عباس ہیں۔ ہم ان کے وسیلے تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو ہم پر بارش نازل فرما۔ وہ دعا کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بارش سے سیراب کر دیا۔ راوی نے بیان کیا ہے کہ پھر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا۔ فرمایا: اے لوگو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں وہی نظریہ رکھتے تھے، جو ایک بیٹا اپنے باپ کے بارے میں رکھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعظیم و توقیر کرتے اور ان کی قسموں کو پورا فرماتے تھے۔ اے لوگو! تم بھی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرو۔

ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ بناؤ تاکہ وہ تم پر (بارش) برسائے۔“

(المستدرک للحاکم: 3/334، ح: 5638، الاستیعاب لابن عبدالبر: 3/98)

اس روایت کی سند سخت ترین ”ضعیف“ ہے۔ اس میں داؤد بن عطاء مدنی راوی ”ضعیف“

اور ”متروک“ ہے۔ اس کے بارے میں توثیق کا ادنیٰ لفظ بھی ثابت نہیں۔

امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

لَيْسَ بِالْقَوِيِّ، ضَعِيفُ الْحَدِيثِ، مُنْكَرُ الْحَدِيثِ.

”قوی نہیں ہے، ضعیف الحدیث اور منکر الحدیث ہے۔“

نیز امام ابو زرعہ رحمہ اللہ نے ”منکر الحدیث“ کہا ہے۔ (الجرح والتعديل: 3/421)

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی ”منکر الحدیث“ قرار دیا ہے۔

(الضعفاء الكبير للعقيلي: 2/35، وسنده صحيح)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ”متروک“ قرار دیا ہے۔ (سوالات البرقاني للدارقطني: 138)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَيْسَ بِشَيْءٍ. ”یہ ناقابل التفات ہے۔“

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 3/241)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَفِي حَدِيثِهِ بَعْضُ التُّكْرَةِ.

”اس کی حدیث میں کچھ بگاڑ موجود ہے۔“ (الکامل: 3/87)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ”متروک“ قرار دیا ہے۔ (تلخیص المستدرک: 3/334)

پھر ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس میں دعا کے وسیلے کا ذکر ہے اور دعا ہمارے نزدیک مشروع

اور جائز وسیلہ ہے۔

غرضیکہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے توسل والی حدیث میں جس وسیلے کا ذکر ہے، وہ صرف اور

صرف دعا کا وسیلہ ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام نے ان سے یہ استدعا کی تھی کہ آپ اللہ

سے بارش کی دعا فرمائیں اور پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ان کی اس دعا کا حوالہ دیا کہ تیرے نبی

کے چچا بھی ہمارے لیے دعا گو ہیں، لہذا ہماری فریاد کو سن لے۔ یہی مشروع اور جائز وسیلہ ہے۔ اس حدیث سے قطعاً فوت شدگان کی ذات کا وسیلہ ثابت نہیں ہوتا۔ جیسا کہ:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَهَذَا دُعَاءُ أَقْرَبُهُ عَلَيْهِ جَمِيعُ الصَّحَابَةِ، وَلَمْ يُنَكِّرْهُ أَحَدٌ مَعَ شَهْرَتِهِ، وَهُوَ مِنْ أَظْهَرِ الْإِجْمَاعَاتِ الْإِقْرَارِيَّةِ، وَدَعَا بِمِثْلِهِ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ فِي خِلَافَتِهِ لَمَّا اسْتَسْقَى بِالنَّاسِ، فَلَوْ كَانَ تَوْسُلُهُمُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَمَاتِهِ كَتَوْسُلِهِمْ بِهِ فِي حَيَاتِهِ، لَقَالُوا: كَيْفَ نَتَوَسَّلُ بِمِثْلِ الْعَبَّاسِ وَيَزِيدِ بْنِ الْأَسْوَدِ وَنَحْوِهِمَا؟ وَنَعْدِلُ عَنِ التَّوَسُّلِ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي هُوَ أَفْضَلُ الْخَلَائِقِ، وَهُوَ أَفْضَلُ الْوَسَائِلِ وَأَعْظَمُهَا عِنْدَ اللَّهِ؟ فَلَمَّا لَمْ يَقُلْ ذَلِكَ أَحَدٌ مِنْهُمْ، وَقَدْ عَلِمَ أَنَّهُمْ فِي حَيَاتِهِ إِنَّمَا تَوَسَّلُوا بِدُعَائِهِ وَشَفَاعَتِهِ، وَبَعْدَ مَمَاتِهِ تَوَسَّلُوا بِدُعَائِهِ غَيْرِهِ وَشَفَاعَتِهِ غَيْرِهِ، عَلِمَ أَنَّ الْمَشْرُوعَ عِنْدَهُمْ التَّوَسُّلُ بِدُعَائِ الْمُتَوَسَّلِ بِهِ، لَا بِدُعَائِهِ.

”یہ ایسی دعا ہے جس پر سب صحابہ کرام نے خاموشی اختیار کی، حالانکہ یہ مشہور و معروف واقعہ تھا، یوں یہ ایک واضح سکوتی اجماع ہے۔ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے جب اپنے دورِ خلافت میں لوگوں کے ساتھ دعاء استسقاء کی تو اسی طرح دعا فرمائی۔ اگر صحابہ کرام، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی اسی طرح آپ کا وسیلہ لیتے جس طرح آپ کی زندگی میں لیتے تھے، تو وہ ضرور کہتے کہ ہم اللہ تعالیٰ کو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا یزید بن اسود رضی اللہ عنہ جیسے لوگوں کا کیونکر وسیلہ دیں اور ان کے وسیلے کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے کے برابر کر دیں جو کہ ساری مخلوقات سے افضل اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا وسیلہ ہیں۔ جب صحابہ کرام میں سے کسی نے ایسا نہیں کہا اور یہ بھی معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں وہ آپ کی دعا اور سفارش کا وسیلہ پیش کرتے

تھے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد وہ کسی اور کی دعا اور سفارش کا وسیلہ اختیار کرتے تھے، تو ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کے نزدیک نیک شخص کی دعا کا وسیلہ جائز تھا، اس کی ذات کا نہیں۔“

(مجموع الفتاویٰ: 1/284، 285)

علامہ ابن ابی العزحفی رضی اللہ عنہ (731-792ھ) فرماتے ہیں:

وَإِنَّمَا كَانُوا يَتَوَسَّلُونَ فِي حَيَاتِهِ بِدُعَائِهِ، يَطْلُبُونَ مِنْهُ أَنْ يَدْعُوَ لَهُمْ، وَهُمْ يُؤَمِّنُونَ عَلَى دُعَائِهِ، كَمَا فِي الْإِسْتِسْقَاءِ وَغَيْرِهِ، فَلَمَّا مَاتَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمَّا حَرَجُوا يَسْتَسْقُونَ: اللَّهُمَّ! إِنَّا كُنَّا إِذَا أَجَدَبْنَا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا. مَعْنَاهُ بِدُعَائِهِ هُوَ رَبُّهُ، وَشَفَاعَتِهِ وَسُؤَالِهِ، لَيْسَ الْمُرَادُ أَنَّا نُنْفِسُ عَلَيْكَ (به)، أَوْ نَسْأَلُكَ بِجَاهِهِ عِنْدَكَ، إِذْ لَوْ كَانَ ذَلِكَ مُرَادًا لَكَانَ جَاهُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْظَمَ وَأَعْظَمَ مِنْ جَاهِ الْعَبَّاسِ.

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں آپ کی دعا کا وسیلہ اختیار کرتے تھے، یعنی آپ سے دعا کی درخواست کرتے تھے اور آپ کی دعا پر آمین کہتے تھے۔ استسقاء (بارش طلبی کی دعا) وغیرہ میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو بارش طلب کرنے کے لیے باہر نکل کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یوں کہا: اے اللہ! پہلے ہم جب خشک سالی میں مبتلا ہوتے تو اپنے نبی کا وسیلہ اختیار کرتے تھے۔ اب ہم تیری طرف اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لے کر آئے ہیں۔ یعنی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ تجھ سے ہمارے لیے دعا و سفارش کریں گے۔ آپ کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا اللہ تعالیٰ کو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی قسم دی جائے یا ان کے مقام و مرتبے کے وسیلے سے مانگا جائے۔ اگر یہ طریقہ جائز ہوتا تو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و منزلت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی شان و منزلت سے بہت زیادہ تھی۔۔۔“ (شرح العقیدة الطحاویة، ص: 237، 238)

جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب (1292-1352ھ) لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ: اللَّهُمَّ! إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَيْسَ فِيهِ التَّوَسُّلُ الْمَعْهُودُ الَّذِي يَكُونُ بِالْغَائِبِ حَتَّى قَدْ لَا يَكُونُ بِهِ شُعُورٌ أَصْلًا، بَلْ فِيهِ تَوَسُّلُ السَّلَفِ، وَهُوَ أَنْ يُقَدَّمَ رَجُلًا ذَا وَجَاهَةٍ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى وَيَأْمُرُهُ أَنْ يَدْعُو لَهُمْ، ثُمَّ يُحِيلُ عَلَيْهِ فِي دُعَائِهِ، كَمَا فَعَلَ بِالْعَبَّاسِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَمَّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَوْ كَانَ فِيهِ تَوَسُّلُ الْمُتَأَخِّرِينَ لَمَا احْتَجَّجُوا إِلَى إِذْهَابِ الْعَبَّاسِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَعَهُمْ، وَلَكِنِّي لَهُمُ التَّوَسُّلُ بِنَبِيِّهِمْ بَعْدَ وَفَاتِهِ أَيْضًا، أَوْ بِالْعَبَّاسِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَعَ عَدَمِ شُهُودِهِ مَعَهُمْ.

”سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بارش کے موقع پر دُعا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہم پہلے تجھے اپنے نبی کا وسیلہ پیش کرتے تھے۔۔۔ ان الفاظ میں اس راجح طریقہ توسل کا ذکر نہیں جس میں کسی غائب شخص کا وسیلہ دیا جاتا ہے جسے اس بات کا شعور بھی نہیں ہوتا کہ کوئی اس کا وسیلہ پکڑ رہا ہے۔ اس حدیث میں توسل صالحین کے طریقہ توسل کا اثبات ہے۔ سلف کا طریقہ یہ تھا کہ وہ کسی مقرب الہی شخص کو آگے کرتے اور عرض کرتے کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں۔ پھر وہ اس سفارش کا حوالہ دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے۔ جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔ اگر اس حدیث میں بعد والے لوگوں کے وضع کردہ طریقہ توسل کا ذکر ہوتا تو پھر صحابہ کرام کو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے جانے کی ضرورت نہ پڑتی اور ان کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ ہی کا وسیلہ کافی ہوتا یا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی عدم موجودگی میں ان کے نام کا وسیلہ دے دیا جاتا۔ (فیض الباری: 2/379)

ثابت ہوا کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے توسل والی حدیث سے توسل بالذات والاموات کا بالکل

اثبات نہیں ہوتا۔

وسیلہ اور اسلافِ امت کا طریقہ کار:

کسی نیک شخص کے وسیلے کی کئی صورتیں ہیں۔ بعض جائز ہیں اور بعض ناجائز۔ ان میں سے جس صورت کی تائید سلف صالحین سے ہوتی ہے، وہ ہی جائز اور مشروع ہوگی۔ آئیے صحابہ و تابعین کے دور میں چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ نیک لوگوں کے وسیلے کا کیا مفہوم سمجھتے تھے، نیز ان کا وسیلہ بالذات والاموات کے بارے میں کیا نظریہ تھا۔۔۔

دلیل نمبر ①: صحابی رسول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں بارش کے

لیے ایک بہت ہی نیک تابعی یزید بن الاسود رضی اللہ عنہ کا وسیلہ پکڑا تھا۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

إِنَّ النَّاسَ قِحَطُوا بِدِمَشْقٍ، فَخَرَجَ مُعَاوِيَةُ يَسْتَسْقِي بِيَزِيدِ بْنِ الْأَسْوَدِ ...

”دمشق میں لوگ قحط زدہ ہو گئے تو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یزید بن الاسود رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے

بارش طلب کرنے کے لیے نکلے۔۔۔“

(تاریخ أبي زرعۃ الدمشقي: 1/602، تاريخ دمشق: 65/111، 112، وسنده صحيح)

یہاں پر قارئین کرام غور فرمائیں کہ یہ بالکل وہی الفاظ ہیں، جو صحیح بخاری کی حدیث میں

ہیں کہ اُس میں اِسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ کے لفظ ہیں اور اس میں يَسْتَسْقِي

بِيَزِيدِ بْنِ الْأَسْوَدِ کے الفاظ ہیں۔

اب دیکھیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کو جو یزید بن الاسود رضی اللہ عنہ کا واسطہ دیا تھا، اس

سے کیا مراد تھی؟ ایک دوسری روایت میں اس کی وضاحت ہے۔ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:

إِنَّ السَّمَاءَ قُحِطَتْ، فَخَرَجَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ وَأَهْلُ دِمَشْقٍ

يَسْتَسْقُونَ، فَلَمَّا قَعَدَ مُعَاوِيَةُ عَلَى الْمُنْبَرِ، قَالَ: أَيُّنَ يَزِيدِ بْنِ الْأَسْوَدِ الْجُرَشِيُّ؟

فَنَادَاهُ النَّاسُ، فَأَقْبَلَ يَتَخَطَّى النَّاسَ، فَأَمَرَهُ مُعَاوِيَةُ، فَصَعِدَ الْمُنْبَرِ، فَقَعَدَ عِنْدَ

رَجُلِيهِ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: اللَّهُمَّ! إِنَّا نَسْتَشْفَعُ إِلَيْكَ الْيَوْمَ بِخَيْرِنَا وَأَفْضَلِنَا، اللَّهُمَّ! إِنَّا نَسْتَشْفَعُ إِلَيْكَ الْيَوْمَ بِبِزِيدِ بْنِ الْأَسْوَدِ الْجُرَشِيِّ، يَا بِيْزِيدُ! ارْفَعْ يَدَيْكَ إِلَى اللَّهِ، فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ النَّاسُ أَيْدِيَهُمْ، فَمَا كَانَ أَوْشَكَ أَنْ تَارَتْ سَحَابَةٌ فِي الْعَرَبِ، كَأَنَّهَا تُرْسٌ، وَهَبَّتْ لَهَا رِيْحٌ، فَسَقِينَا، حَتَّى كَادَ النَّاسُ أَنْ لَا يَبْلُغُوا مَنَازِلَهُمْ.

”ایک دفعہ قحط پڑا۔ سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور دمشق کے لوگ بارش طلب کرنے کے لیے نکلے۔ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھ گئے تو فرمایا: یزید بن الاسود جرشی کہاں ہیں؟ لوگوں نے ان کو آواز دی۔ وہ لوگوں کو پھلانگتے ہوئے آئے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو حکم دیا تو وہ منبر پر چڑھ گئے اور آپ رضی اللہ عنہ کے قدموں کے پاس بیٹھ گئے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یوں دُعا کی: اے اللہ! ہم تیری طرف اپنے میں سے سب سے بہتر اور افضل شخص کی سفارش لے کر آئے ہیں، اے اللہ! ہم تیرے پاس یزید بن الاسود جرشی کی سفارش لے کر آئے ہیں۔ (پھر فرمایا) یزید! اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ اٹھائیے (اور دُعا فرمائیے)، یزید رضی اللہ عنہ نے ہاتھ اٹھائے، لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے۔ جلد ہی افق کی مغربی جانب میں ایک ڈھال نما بادل کا ٹکڑا نمودار ہوا، ہوا چلی اور بارش شروع ہو گئی، حتیٰ کہ محسوس ہوا کہ لوگ اپنے گھروں تک بھی نہ پہنچ پائیں گے۔“

(المعرفة والتاريخ ليعقوب بن سفيان الفسوي: 2/219، تاريخ دمشق: 65/112، وسنده صحيح)

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے اس اثر کی سند کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

(الإصابة في تمييز الصحابة: 6/697)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام زندہ نیک لوگوں سے دُعا کرا کے اس کا حوالہ اللہ تعالیٰ کو دیتے تھے۔ یہی ان کا نیک لوگوں سے توسل لینے کا طریقہ تھا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ صحابی رسول سیدنا ضحاک بن **دلیل نمبر ②:**

قیس رضی اللہ عنہ نے بھی اسی نیک تابعی کی دُعا کا وسیلہ پکڑا تھا، اس روایت کے الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیں:

إِنَّ الصَّحَّاحَ بْنَ قَيْسٍ خَرَجَ يَسْتَسْقِي، فَقَالَ لِيَزِيدَ بِنِ الْأَسْوَدِ: قُمْ يَا بَكَّاءُ!

”صحاح بن قیس رضی اللہ عنہ بارش طلب کرنے کے لیے (کھلے میدان میں) نکلے تو یزید بن اسود رضی اللہ عنہ سے کہا: اے (اللہ کے سامنے) بہت زیادہ رونے والے! کھڑے ہو جائیے (اور بارش کے لیے دُعا کیجیے)۔“ (المعرفة والتاريخ: 2/220، تاريخ أبي زرععة الدمشقي: 1/602، تاريخ دمشق: 65/220، وسنده صحيح)

قارئین کرام ہی بتائیں کہ کیا سیدنا معاویہ اور سیدنا صحاح بن قیس رضی اللہ عنہما کو وسیلے کے مفہوم کا زیادہ علم تھا یا بعد والے ادوار کے کسی شخص کو؟ پھر کسی ایک بھی صحابی یا تابعی یا ثقہ محدث سے ذات کے وسیلے کا جواز ثابت نہیں ہے۔

کیا اب بھی کوئی ذی شعور انسان صحیح بخاری والی حدیث میں مذکور وسیلے سے ذات کا وسیلہ مراد لے گا؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

فَأَمَّا التَّوَسُّلُ بِذَاتِهِ فِي حُضُورِهِ أَوْ مَغِيبِهِ أَوْ بَعْدَ مَوْتِهِ - مِثْلَ الْإِقْسَامِ بِذَاتِهِ أَوْ بَغَيْرِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ أَوْ السُّؤَالِ بِنَفْسِ ذَوَاتِهِمْ بِدُعَائِهِمْ - فَلَيْسَ هَذَا مَشْهُورًا عِنْدَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ، بَلْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَمُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ وَمَنْ بَحْضَرْتَهُمَا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِينَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ، لَمَّا أَجْدَبُوا اسْتَسْقَوْا وَتَوَسَّلُوا وَاسْتَشْفَعُوا بِمَنْ كَانَ حَيًّا، كَالْعَبَّاسِ وَكَيْزِيدِ بْنِ الْأَسْوَدِ، وَلَمْ يَتَوَسَّلُوا وَلَمْ يَسْتَشْفَعُوا وَلَمْ يَسْتَسْقُوا فِي هَذِهِ الْحَالِ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عِنْدَ قَبْرِهِ وَلَا غَيْرِ قَبْرِهِ، بَلْ عَدَلُوا إِلَى الْبَدَلِ، كَالْعَبَّاسِ وَكَيْزِيدِ، بَلْ كَانُوا يُصَلُّونَ عَلَيْهِ فِي دُعَائِهِمْ، وَقَدْ قَالَ عُمَرُ: اللَّهُمَّ! إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا

فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا. فَجَعَلُوا هَذَا بَدَلًا عَنْ ذَلِكَ لَمَّا تَعَدَّرَ
 أَنْ يَتَوَسَّلُوا بِهِ عَلَى الْوَجْهِ الْمَشْرُوعِ الَّذِي كَانُوا يَفْعَلُونَهُ، وَقَدْ كَانَ مِنَ الْمُمَكِّنِ
 أَنْ يَأْتُوا إِلَى قَبْرِهِ، فَيَتَوَسَّلُوا بِهِ، وَيَقُولُوا فِي دُعَائِهِمْ فِي الصَّحْرَاءِ بِالْجَاهِ وَنَحْوِ
 ذَلِكَ، مِنَ الْأَلْفَاظِ الَّتِي تَتَضَمَّنُ الْقِسْمَ بِمَخْلُوقٍ عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ أَوْ السُّؤَالَ
 بِهِ، فَيَقُولُونَ: نَسْأَلُكَ أَوْ نُقْسِمُ عَلَيْكَ بِنَبِيِّكَ أَوْ بِجَاهِ نَبِيِّكَ وَنَحْوِ ذَلِكَ، مِمَّا
 يَفْعَلُهُ بَعْضُ النَّاسِ.

”آپ ﷺ کی موجودگی، غیر موجودگی میں یا وفات کے بعد آپ کی ذات کا وسیلہ پیش کرنا، اللہ تعالیٰ کو آپ کی ذات یا دیگر انبیائے کرام کی ذات کی قسم دینا یا انبیائے کرام ہی کو پکار کر ان سے حاجت طلبی کرنا، سب کاموں کا حکم ایک ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے ہاں یہ کام معروف نہ تھا۔ اس کے برعکس سیدنا عمر بن خطاب اور سیدنا معاویہ بن ابوسفیان، ان کے ساتھ موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد آنے والے تابعین جب خشک سالی میں مبتلا ہوتے تو وہ زندہ نیک لوگوں، مثلاً سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور یزید بن اسود رضی اللہ عنہ، سے دعا کراتے اور اس دعا کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرتے تھے۔ انہوں نے ایسی صورت حال میں کبھی بھی نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ اختیار کر کے بارش طلب نہیں کی، نہ آپ ﷺ کی قبر مبارک کے پاس نہ کسی اور کی قبر کے پاس، بلکہ یہ لوگ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ اور یزید بن اسود رضی اللہ عنہ کی طرف چلے گئے۔ وہ دعا میں آپ ﷺ کا وسیلہ دینے کی بجائے آپ پر درود و سلام پڑھتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ اے اللہ! پہلے ہم تیرے نبی کو تیرے دربار میں وسیلہ بناتے تھے اور تو ہمیں بارش عنایت فرماتا تھا، اب ہم تیرے پاس اپنے نبی کے بچا کا وسیلہ لے کر آئے ہیں، لہذا ہمیں بارش عطا فرما۔ یعنی صحابہ کرام نے جب نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں اختیار کیے جانے والے طریقے کو اختیار کرنا (آپ ﷺ سے دعا کرنا) ممکن نہ سمجھا تو اس کے بدلے میں اس طریقے

(سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی دعا) کو اختیار کر لیا۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر آتے اور آپ کی ذات کا وسیلہ اختیار کرتے یا کھلے میدان میں جا کر اپنی دعا میں آپ کا وسیلہ ان الفاظ میں پیش کرتے جن سے اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی قسم دینا یا مخلوق کے واسطے سے سوال کرنا لازم آتا۔ وہ کہہ سکتے تھے کہ اے اللہ! ہم تجھ سے تیرے نبی کے مقام و مرتبہ کے طفیل سوال کرتے ہیں یا تجھے تیرے نبی کی قسم دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ، جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں (لیکن صحابہ کرام نے ایسا نہیں کیا)۔“ (مجموع الفتاویٰ 1/318)

قابل غور بات تو یہ ہے کہ سلف صالحین راہ اعتدال پر تھے، سنت کے تبع تھے۔ کسی زندہ یا فوت شدہ شخص کی ذات کے وسیلے کا ان کی زندگیوں میں ثبوت نہیں ملتا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) لکھتے ہیں:

ثُمَّ سَلَفَ الْأُمَّةِ وَأَيَّمْتَهَا وَعَلَمَائُهَا إِلَى هَذَا التَّارِيخِ، سَلَكَوا سَبِيلَ الصَّحَابَةِ فِي التَّوَسُّلِ فِي الْإِسْتِسْقَاءِ بِالْأَحْيَاءِ الصَّالِحِينَ الْحَاضِرِينَ، وَلَمْ يُذَكَّرْ عَنْ أَحَدٍ مِّنْهُمْ فِي ذَلِكَ التَّوَسُّلِ بِالْأَمْوَاتِ، لَا مِنَ الرُّسُلِ، وَلَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، وَلَا مِنَ الصَّالِحِينَ، وَمَنْ ادَّعَى أَنَّهُ عَلِمَ هَذِهِ التَّسْوِيَةَ الَّتِي جَهَلَهَا عُلَمَاءُ الْإِسْلَامِ وَسَلَفُ الْأُمَّةِ وَخِيَارُ الْأُمَّمِ، وَكَفَّرَ مَنْ أَنْكَرَهَا وَضَلَّهَا، فَاللَّهُ تَعَالَى هُوَ الَّذِي يُجَازِيهِ عَلَى مَا قَالَهُ وَفَعَلَهُ.

”پھر امت کے اسلاف و ائمہ اور آج تک کے علمائے کرام بارش طلب کرنے کے حوالے سے نیک زندہ لوگوں کا وسیلہ لینے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے پر چلے ہیں۔ ان میں سے کسی ایک سے بھی یہ منقول نہیں کہ انہوں نے فوت شدگان کا وسیلہ پیش کیا ہو، انہوں نے نہ رسولوں کا وسیلہ پکڑا، نہ انبیاء کا اور نہ عام نیک لوگوں کا۔ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ زندہ اور فوت شدہ دونوں کا وسیلہ برابر ہے، حالانکہ علمائے اسلام، اسلاف امت اور امت کے بہترین لوگوں اس برابری

کے قائل نہ تھے، پھر وہ اس بدعی وسیلے سے بیزار ہونے والوں کو کافر اور گمراہ قرار دے تو اللہ تعالیٰ ہی اس کے قول و فعل پر اس سے نمٹ لے۔“ (الرد علی البکری لابن تیمیہ، ص: 126، 127)

سلف صالحین کی پیروی ہی اہل سنت کا شعار ہے۔

دلیل نمبر ③: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أَنَّهُمْ لَمَّا فَتَحُوا تُسْتَرَ، قَالَ: فَوَجَدَ رَجُلًا أَنْفَهُ ذِرَاعٌ فِي التَّابُوتِ، كَانُوا يَسْتَنْظِرُونَ وَيَسْتَمْطِرُونَ بِهِ، فَكَتَبَ أَبُو مُوسَى إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ بِذَلِكَ، فَكَتَبَ عُمَرُ: إِنَّ هَذَا نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، وَالنَّارُ لَا تَأْكُلُ الْأَنْبِيَاءَ، وَالْأَرْضُ لَا تَأْكُلُ الْأَنْبِيَاءَ، فَكَتَبَ أَنْ انْظُرْ أَنْتَ وَأَصْحَابُكَ، يَعْنِي أَصْحَابَ أَبِي مُوسَى، فَادْفِنُوهُ فِي مَكَانٍ لَا يَعْلَمُهُ أَحَدٌ غَيْرِكُمْ، قَالَ: فَذَهَبْتُ أَنَا وَأَبُو مُوسَى، فَدَفَنَاهُ.

”جب صحابہ کرام نے تستر کو فتح کیا تو وہاں تابوت میں ایک شخص کا جسم دیکھا۔ اس کی ناک ہمارے ایک ہاتھ کے برابر تھی۔ وہاں کے لوگ اس تابوت کے وسیلے سے غلبہ و بارش طلب کیا کرتے تھے۔ سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا اور سارا واقعہ سنایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں سے ایک نبی ہیں۔ نہ آگ نبی کو کھاتی ہے نہ زمین۔ پھر فرمایا: تم اور تمہارے ساتھی کوئی ایسی جگہ دیکھو جس کا تم دونوں کے علاوہ کسی کو علم نہ ہو، وہاں اس تابوت کو دفن کر دو۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ گئے اور اسے (ایک گم نام جگہ میں) دفن کر دیا۔“

(مصنف ابن أبي شيبة: 4/7، الرقم: 33819، وسنده صحيح)

یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام انبیائے کرام کے جسم یا ان کی ذات کو وسیلہ بنانا جائز نہیں سمجھتے تھے۔ عجمی علاقوں کے کفار اس توسل کے قائل تھے، ان کے اس فعلِ شنیع کو ختم کرنے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس نبی کے جسم کو کسی گم نام جگہ میں دفن کرنے کا حکم دے دیا۔

دلیل نمبر ④:

ابوالعالیہ تابعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَمَّا افْتَتَحْنَا تُسْتَرَ وَجَدْنَا فِي بَيْتِ مَالِ الْهُزْمُرَانِ سَرِيرًا، عَلَيْهِ رَجُلٌ مَيْتٌ،
عِنْدَ رَأْسِهِ مُصْحَفٌ لَهُ، فَأَخَذْنَا الْمُصْحَفَ، فَحَمَلْنَاهُ إِلَى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَدَعَا لَهُ كَعْبًا، فَنَسَخَهُ بِالْعَرَبِيَّةِ، أَنَا أَوَّلُ رَجُلٍ مِنَ الْعَرَبِ قَرَأَهُ،
قَرَأْتُهُ مِثْلَ مَا أَقْرَأَ الْقُرْآنَ هَذَا، فَقُلْتُ لِأَبِي الْعَالِيَةِ: مَا كَانَ فِيهِ؟ فَقَالَ: سِيرَتُكُمْ،
وَأُمُورُكُمْ، وَدِينُكُمْ، وَلُحُونُ كَلَامِكُمْ، وَمَا هُوَ كَائِنُ بَعْدُ، قُلْتُ: فَمَا صَنَعْتُمْ
بِالرَّجُلِ؟ قَالَ: حَفَرْنَا بِالنَّهَارِ ثَلَاثَةَ عَشَرَ قَبْرًا مُتَفَرِّقَةً، فَلَمَّا كَانَ فِي اللَّيْلِ، دَفَنَّا
وَسَوَّيْنَا الْقُبُورَ كُلَّهَا، لِنَعْمِيهِ عَلَى النَّاسِ لَا يَنْبَشُونَهُ، فَقُلْتُ: وَمَا يَزُجُونَ مِنْهُ؟ قَالَ:
كَانَتْ السَّمَاءُ إِذَا حَبِسَتْ عَلَيْهِمْ بَرَزُوا بِسَرِيرِهِ، فَيَمْطُرُونَ. قُلْتُ: مَنْ كُنْتُمْ
تَظُنُّونَ الرَّجُلَ؟ قَالَ: رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ: دَانِيَالُ، فَقُلْتُ: مُذْكُمْ وَجَدْتُمُوهُ مَاتَ؟ قَالَ:
مُذْ ثَلَاثِمِائَةِ سَنَةٍ، فَقُلْتُ: مَا كَانَ تَغْيِيرَ شَيْئًا؟ قَالَ: لَا، إِلَّا شُعَيْرَاتٌ مِنْ فَمَاهُ، إِنَّ
لُحُومَ الْأَنْبِيَاءِ لَا تُبْلِيهَا الْأَرْضُ، وَلَا تَأْكُلُهَا السَّبَاعُ.

”ہم نے جب تُسْتَرَ کو فتح کیا تو ہُرْمُرَان کے بیت المال میں ایک چار پائی دیکھی۔ اس پر
ایک فوت شدہ شخص پڑا تھا۔ اس کے سر کے پاس ایک کتاب تھی۔ ہم نے وہ کتاب پکڑی اور
اسے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے گئے۔ انہوں نے کعب احبار تابعی رضی اللہ عنہ کو
بلا یا جنہوں نے اس کتاب کا عربی میں ترجمہ کر دیا۔ میں عربوں میں سے وہ پہلا شخص تھا جس نے
اس کتاب کو پڑھا۔ میں اس کو یوں پڑھ رہا تھا، گویا قرآن کریم کو پڑھ رہا ہوں۔ ابوالعالیہ کے
شاگرد کہتے ہیں: میں نے ابوالعالیہ سے پوچھا کہ اس کتاب میں کیا لکھا تھا۔ انہوں نے فرمایا:
اس میں امت محمدیہ کی سیرت، معاملات، دین، تمہارے لہجے اور بعد والے حالات۔ میں نے

عرض کیا: آپ نے اس فوت شدہ شخص کا کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا: ہم نے دن کے وقت مختلف جگہوں پر تیرہ قبریں کھودیں۔ پھر رات کے وقت ان میں سے ایک میں اسے دفن کر دیا اور سب قبریں زمین کے برابر کر دیں۔ اس طرح کرنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو صحیح قبر کا علم نہ ہو اور وہ قبر کشائی نہ کر سکیں۔ میں نے عرض کیا: وہ لوگ اس فوت شدہ شخص سے کیا امید رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ان کا خیال یہ تھا کہ جب وہ قحط سالی میں مبتلا ہوتے ہیں تو اس کی چار پائی کو باہر نکالنے سے ان کو بارش عطا کی جاتی ہے۔ میں نے پوچھا: آپ کے خیال میں وہ شخص کون تھا؟ انہوں نے کہا: جسے دانیال کہا جاتا ہے۔ میں نے پوچھا: آپ کے خیال کے مطابق وہ کتنے عرصے سے فوت ہو چکا تھا؟ انہوں نے فرمایا: تین سو سال سے۔ میں نے کہا: کیا اس کے جسم میں کوئی تبدیلی آئی تھی؟ انہوں نے فرمایا: نہیں، بس گدی سے چند بال گرے تھے، کیونکہ انبیائے کرام کے جسم میں نہ زمین تصرف کرتی ہے نہ درندے اسے کھاتے ہیں۔“

(السيرة لابن إسحاق، ص: 66، 67، طبع دار الفكر، بيروت، دلائل النبوة للبيهقي: 1/382، 381)

طبع دار الكتب العلمية، بيروت)

ان دونوں آثار سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام، انبیائے کرام کے جسموں اور ان کی قبروں سے توسل کو ناجائز سمجھتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے بڑے اہتمام سے اس دانیال نبی ﷺ کے جسم مبارک کو چھپا دیا تاکہ نہ لوگوں کو ان کی قبر کا علم ہو، نہ وہ ان سے توسل کر سکیں۔ بعض لوگ خیانت علمی سے کام لیتے ہوئے ان روایات کے آدھے ٹکڑے سامعین کے سامنے رکھتے ہیں اور انہیں بتاتے ہیں کہ انبیائے کرام کے اجسام اور ان کی قبروں سے توسل صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے میں بھی لیا جاتا تھا۔ یہ لوگ اگلے ٹکڑے ڈکار جاتے ہیں جن میں وضاحت ہے کہ یہ کام عجمی کفار کا تھا اور صحابہ کرام نے ان کے اس کام کو جائز نہیں سمجھا، نہ انہیں اس کام کی اجازت دی، بلکہ اس کے سدباب کے لیے انتہائی اقدامات کیے۔

یہ حرکت بدترین خیانت ہے۔ دُنیا میں تو اللہ تعالیٰ نے ایسے نام نہاد سکارلز کو مہلت دی ہوئی ہے، لیکن ایسے لوگ روز قیامت عذاب الہی سے نہیں بچ پائیں گے۔ اب بھی موقع ہے،

انہیں حشر اور حساب سے ضرور جانا چاہیے۔

اسی بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَلِهَذَا كَانَ السَّلْفُ يَسْتُدُّونَ هَذَا الْبَابَ، فَإِنَّ الْمُسْلِمِينَ لَمَّا فَتَحُوا تُسْتَرَّ
وَجَدُوا هُنَاكَ سَرِيرَ مَيِّتٍ بَاقٍ، ذَكَرُوا أَنَّهُ "دَانِيَالُ"، وَوَجَدُوا عِنْدَهُ كِتَابًا فِيهِ
ذِكْرُ الْحَوَادِثِ، وَكَانَ أَهْلُ تِلْكَ النَّاحِيَةِ يَسْتَسْقُونَ بِهِ، فَكَتَبَ فِي ذَلِكَ أَبُو
مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ إِلَى عُمَرَ، فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ أَنْ يُحْفَرَ بِالنَّهَارِ ثَلَاثَةَ عَشَرَ قَبْرًا، ثُمَّ
يُدْفَنَ بِاللَّيْلِ فِي وَاحِدٍ مِّنْهَا، وَيُعْفَى قَبْرُهُ، لِئَلَّا يَفْتَنَّ النَّاسُ بِهِ.

”سلف صالحین (صحابہ و تابعین) اس دروازے (انبیاء و صالحین کے توسل) کو بند کرتے تھے۔ جب مسلمانوں نے تستر کے علاقے کو فتح کیا تو وہاں ایک فوت شدہ سلامت شخص کو دیکھا۔ انہوں نے اسے دانیال نبی قرار دیا۔ اس کے قریب ایک کتاب بھی تھی جس میں واقعات کا ذکر تھا۔ اس علاقے کے لوگ اس کے توسل سے بارش طلب کرتے تھے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تو انہوں نے جواباً فرمایا کہ دن کو تیرہ قبریں کھودی جائیں، پھر رات کے اندھیرے میں ان میں سے ایک میں دانیال علیہ السلام کو دفن کر دیا جائے۔ پھر قبر کا نشان مٹا دیا جائے تاکہ لوگ شرک میں مبتلا نہ ہوں۔“ (مجموع الفتاویٰ: 170/27)

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں: فِي هَذِهِ الْقِصَّةِ مَا فَعَلَهُ الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ مِنْ تَعْمِيَةِ قَبْرِ ه، لِئَلَّا يَفْتَنَّ بِهِ النَّاسُ، وَهُوَ انْكَارٌ مِنْهُمْ لِذَلِكَ.

”اس واقعے میں مہاجرین اور انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دانیال علیہ السلام کی قبر کو چھپایا ہے تاکہ لوگ اس کی وجہ سے شرک و بدعت میں مبتلا نہ ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام انبیاء و صلحاء کی قبروں سے توسل کو ناجائز سمجھتے تھے۔“

معلوم ہوا کہ صحیح احادیث اور اسلاف امت سے وسیلہ بالذات والاموات ثابت نہیں۔

مختلف مکاتبِ فکر اور وسیلہ

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

الحمد للہ! اہل حدیث وسیلے کی جائز و مشروع صورتوں کے قائل و فاعل ہیں جبکہ ممنوع و غیر مشروع صورتوں کے منکر ہیں۔ ہم اہل حدیث سلف صالحین کے عقیدے پر قائم ہیں۔ سلف صالحین کا مذہب ہی سلامتی والا ہے۔ وہ دُعا میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے وسیلے کے قائل و فاعل تھے، اسی طرح زندہ نیک ہستیوں سے دُعا کرا لیتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے تھے کہ وہ ان نیک لوگوں کی دُعا کو قبول کر کے ان کی حاجت پوری کر دے، نیز وہ اپنے اعمالِ صالحہ کو بھی بطور وسیلہ استعمال کرتے تھے۔ وسیلے کی یہی تین صورتیں قرآن و سنت سے ثابت ہیں۔ اس کے علاوہ دُعا میں وسیلے کی کوئی اور صورت مشروع نہیں۔

سلف صالحین فوت شدگان کے وسیلے سے دعا نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی ”بجق فلاں، بجرمت فلاں، بجاہ فلاں، بذات فلاں“ وغیرہ الفاظ کا اپنی دعاؤں میں استعمال نہیں کرتا تھا۔ ان کی کتابیں ان الفاظ کے ذکر سے یکسر خالی ہیں۔ فوت شدگان سے دُعا کرنے یا کرانے یا ان کے وسیلے سے دُعا کرنے کا قرآن و سنت میں کوئی ثبوت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سلف صالحین کا مذہب نہیں تھا۔ سلف صالحین تو قرآن و سنت کے پابند تھے۔ ائمہ اہل سنت والجماعت میں سے ایک امام بھی ایسا نہیں جو نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر جا کر یہ صدا کرتا ہو کہ اللہ کے رسول! میرے لیے اللہ سے سوال کریں یا میری مغفرت و معافی کی سفارش فرمادیں۔ اہل حدیث ہی اصلی اہل سنت ہیں۔ اسی لیے وہ دیگر تمام شرعی امور کی طرح وسیلے کے بارے میں بھی سلف صالحین اور ائمہ اہل سنت کے نقش قدم پر گامزن ہیں۔

سلف صالحین، محدثین کرام اور ائمہ اہل سنت کے مذہب کے خلاف رافضی شیعہ، حنفی، دیوبندی اور بریلوی چاروں مکاتبِ فکر کے حاملین فوت شدگان کے وسیلے کو جائز اور درست سمجھتے

ہیں۔ ان کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر جا کر سوال کرنا جائز ہے۔ حالانکہ اس بات پر سلف میں سے کوئی بھی ان کا حامی نہیں، خیر القرون میں اس نظریے کا ذکر تک نہیں ملتا اور ائمہ اہل سنت اس سے آشنا تک نہ تھے۔

اہل حدیث اور مشروع توسل

اہل حدیث صرف اس وسیلے کے قائل و فاعل ہیں جو فہم سلف کی روشنی میں قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ غیر مشروع وسیلے سے ہم بیزار ہیں، جیسا کہ شیخ الاسلام والمسلمین ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (728-661ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا الْقِسْمُ الثَّلَاثُ، وَهُوَ أَنْ يَقُولَ: اللَّهُمَّ! بِجَاهِ فُلَانٍ عِنْدَكَ، أَوْ بِبَرَكَتِهِ فُلَانٍ، أَوْ بِحُرْمَةِ فُلَانٍ عِنْدَكَ، أَوْ بِعِلَّةٍ كَذَا وَكَذَا، فَهَذَا يَفْعَلُهُ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، لَكِنْ لَمْ يُنْقَلْ عَنْ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَسَلَفِ الْأُمَّةِ أَنَّهُمْ كَانُوا يَدْعُونَ بِمِثْلِ هَذَا الدُّعَاءِ، وَلَمْ يَتَلَعَّنِي عَنْ أَحَدٍ مِنَ الْعُلَمَاءِ فِي ذَلِكَ مَا أُحْكِيهِ، إِلَّا مَا رَأَيْتُ فِي فِتَاوَى الْفُقَهِيِّ أَبِي مُحَمَّدَ بْنِ عَبْدِ السَّلَامِ، فَإِنَّهُ أَفْتَى: أَنَّهُ لَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَفْعَلَ ذَلِكَ إِلَّا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ - إِنْ صَحَّ الْحَدِيثُ فِي النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ.

”وسیلے کی تیسری قسم یہ ہے کہ آدمی اپنی دُعا میں کہے: اے اللہ! اپنے ہاں فلاں کے مقام و مرتبے کی وجہ سے یا فلاں کی برکت کی بنا پر یا اپنے ہاں فلاں کی عزت کے سبب میرا یہ کام کر دے۔ بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں لیکن صحابہ و تابعین اور اسلاف امت میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ وہ اس طرح دُعا کرتے ہوں۔ مجھے کسی عالم سے کوئی ایسی بات نہیں پہنچی جسے میں نقل کر سکوں۔ ہاں، فقیہ ابو محمد بن عبد السلام کے فتاویٰ میں ہے کہ دُعا میں صرف نبی اکرم ﷺ

کا واسطہ دینا جائز ہے، وہ بھی اس وقت جب اس بارے میں مروی حدیث ثابت ہو جائے۔۔۔ (اور صحیح بات یہ ہے کہ اس حدیث سے بھی نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں آپ کی دُعا کا وسیلہ ثابت ہوتا ہے، آپ کی وفات کے بعد آپ کی ذات کا وسیلہ اس سے ثابت نہیں ہو سکتا۔)“

(زيارة القبور والاستنجاد بالمقبور، ص: 112، طبع مصر)

مشہور اہل حدیث عالم علامہ محمد بشیر سہسوانی ہندی رحمہ اللہ (1252-1326) فرماتے ہیں:

إِنَّا مَعَاشِرَ الْمُؤَحِّدِينَ لَا نَمْنَعُ التَّوَسُّلَ مُطْلَقًا كَمَا تَقَدَّمَ، وَإِنَّمَا نَمْنَعُ مِنْهُ مَا كَانَ مُتَضَمِّنًا لِعِبَادَةِ غَيْرِ اللَّهِ، أَوْ لِمَا نَهَى اللَّهُ عَنْهُ وَرَسُولُهُ، أَوْ مُحَدَّثًا لَمْ يَدُلَّ عَلَيْهِ دَلِيلٌ مِّنْ كِتَابٍ وَوَسْنَةٍ ثَابِتَةٍ.

”ہم تو حید پرست لوگ وسیلے سے کلی طور پر منع نہیں کرتے جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ ہم تو صرف اس وسیلے سے منع کرتے جس سے غیر اللہ کی عبادت لازم آتی ہو یا جس سے اللہ ورسول نے منع فرمایا ہو یا وہ ایسی بدعت پر مبنی ہو جس کی قرآن کریم اور صحیح حدیث میں کوئی دلیل نہ ہو۔“ (صيانة الإنسان عن وسوسة الشيخ دحلان، ص: 221)

نیز فرماتے ہیں:

إِنَّ التَّوَسُّلَ لَهُ أَقْسَامٌ: بَعْضُهَا مَشْرُوعٌ، وَبَعْضُهَا شِرْكٌ وَمُحَرَّمٌ، وَبَعْضُهَا مَكْرُوهٌ وَبِدْعَةٌ، فَالَّذِي نَجْعَلُهُ مُحَرَّمًا أَوْ كُفْرًا أَوْ شِرْكًا أَوْ بَدْعَةً لَا نَسَلِمُ اجْتِمَاعَ مُعْظَمِ الْأُمَّةِ عَلَيْهِ، وَالَّذِي عَلَيْهِ اجْتِمَاعُ مُعْظَمِ الْأُمَّةِ لَا نَقُولُ بِكَوْنِهِ شِرْكًا أَوْ مُحَرَّمًا أَوْ بَدْعَةً.

”وسیلے کی کئی اقسام ہیں جن میں سے بعض جائز ہیں، بعض شرک اور حرام ہیں اور بعض مکروہ اور بدعت ہیں۔ وسیلے کی جس قسم کو ہم حرام، کفر، شرک یا بدعت قرار دیتے ہیں، ہمارے نزدیک جمہور امت اتفاقی طور پر اس کے قائل و فاعل نہیں ہو سکتے اور جس قسم پر جمہور امت کا

اتفاق ہو، ہمارے نزدیک وہ شرک، حرام یا بدعت نہیں ہو سکتی۔“

(صيانة الإنسان عن وسوسة الشيخ دحلان، ص: 221)

شیخ سہوانی رحمہ اللہ بعض اشکالات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

إِنَّ الثَّابِتَ بِهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَسُّلُ بِالْأَحْيَاءِ وَلَا يُنْكَرُ أَحَدٌ، وَإِنَّمَا يَمْنَعُ مَنْ يَمْنَعُ
التَّوَسُّلَ بِالْأَمْوَاتِ، فَإِنْ قُلْتَ: لَفْظُ "يُسْتَسْقَى الْعَمَامُ بَوَجْهِهِ" يَدُلُّ عَلَى أَنَّ
التَّوَسُّلَ بِالذَّوَاتِ الْفَاضِلَةِ جَائِزٌ، قُلْتَ: الْمَكْرُوهُ مِنَ التَّوَسُّلِ هُوَ أَنْ يُقَالَ:
أَسْأَلُكَ بِحَقِّ فُلَانٍ أَوْ بِحُرْمَةِ فُلَانٍ، وَأَمَّا احْتِضَارُ الصَّالِحِينَ فِي مَقَامِ الاستِسْقَاءِ
أَوْ طَلَبِ الدُّعَاءِ مِنْهُمْ فَهُوَ لَيْسَ مِنَ الْمَكْرُوهِ فِي شَيْءٍ، بَلْ هُوَ ثَابِتٌ بِالسُّنَّةِ
الصَّحِيحَةِ، وَلَيْسَ فِي حَدِيثِ الْبَيْهَقِيِّ إِلَّا التَّوَسُّلُ بِدُعَائِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،
وَكَذَا التَّوَسُّلُ الَّذِي يُشِيرُ إِلَيْهِ أَبُو طَالِبٍ إِنَّمَا كَانَ بِاحْتِضَارِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فِي مَقَامِ الاستِسْقَاءِ أَوْ بِدُعَائِهِ.

”بیہقی کی روایت سے زندہ لوگوں کا وسیلہ ثابت ہوتا ہے اور اس کا کوئی بھی انکاری نہیں۔
جو لوگ روکتے ہیں، وہ صرف فوت شدگان کے وسیلے سے روکتے ہیں۔ اگر آپ کہیں کہ
يُسْتَسْقَى الْعَمَامُ بَوَجْهِهِ (آپ کے چہرے کے ساتھ بارش طلب کی جاتی ہے) کے لفظ
سے نیک لوگوں کی ذات کے وسیلے کا جواز ثابت ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وسیلے کی مکروہ
صورت یہ ہے کہ کوئی کہے: میں فلاں کے بحق یا فلاں کے مقام و مرتبہ کے سبب سوال کرتا ہوں۔
رہی بات نیک لوگوں کو میدانِ استسقاء میں لانا یا ان سے دُعا کرنے کا کہنا، تو یہ قطعاً مکروہ نہیں۔
یہ تو صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ بیہقی والی حدیث میں بھی صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کے وسیلے کا
ذکر ہے۔ اسی طرح (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا) ابوطالب نے جس وسیلے کا ذکر کیا ہے، اس سے
مراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میدانِ استسقاء میں ساتھ لانا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُعا کرنا ہے۔“

(صيانة الإنسان عن وسوسة الشيخ دحلان، ص: 281)

علامہ موصوف توسل کی ممنوع و حرام اور کفر و شرک پر مبنی صورتوں کے متعلق فرماتے ہیں:

الثَّامِنُ: أَنْ يَسْأَلَ اللَّهَ وَيَدْعُوهُ عِنْدَ قُبُورِ الصَّالِحِينَ مُعْتَقِدًا أَنَّ الدُّعَاءَ عِنْدَ الْقَبْرِ مُسْتَجَابٌ، وَالتَّاسِعُ: أَنْ يَقُولَ عِنْدَ قَبْرِ نَبِيِّ أَوْ صَالِحٍ: يَا سَيِّدِي فَلَانُ! اذْعُ اللَّهُ تَعَالَى أَوْ نَحْوَ ذَلِكَ، فَهَذَانِ الْقَدَسَمَانِ مِمَّا لَا يَسْتَرِيبُ عَالِمٌ أَنَّهُمَا غَيْرُ جَائِزَيْنِ، وَأَنَّهُمَا مِنَ الْبِدْعِ الَّتِي لَمْ يَفْعَلْهَا السَّلْفُ، وَإِنْ كَانَ السَّلَامُ عَلَى الْقُبُورِ جَائِزًا. الْعَاشِرُ: أَنْ يَقُولَ عِنْدَ قَبْرِ نَبِيِّ أَوْ صَالِحٍ: يَا سَيِّدِي فَلَانُ! اشفِ مَرِيضِي وَاكْشِفْ عَنِّي كُرْبَتِي وَعَيْرِ ذَلِكَ، وَهَذَا شِرْكٌ جَلِيٌّ، إِذْ نِدَاءُ غَيْرِ اللَّهِ طَالِبًا بِذَلِكَ دَفْعَ شَرٍّ أَوْ جَلْبَ مَنْفَعَةٍ فِيمَا لَا يَقْدِرُ عَلَيْهِ الْغَيْرُ دُعَاءٌ، وَالدُّعَاءُ عِبَادَةٌ، وَعِبَادَةٌ غَيْرِ اللَّهِ شِرْكٌ، وَهَذَا أَعَمُّ مِنْ أَنْ يَعْتَقِدَ فِيهِمْ أَنَّهُمْ مُؤَثِّرُونَ بِالذَّاتِ، أَوْ أَعْطَاهُمْ اللَّهُ تَعَالَى التَّصَرُّفَاتِ فِي تِلْكَ الْأُمُورِ، أَوْ أَنَّهُمْ أَبْوَابُ الْحَاجَةِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى وَشُفَعَاؤُهُ وَوَسَائِلُهُ، وَفِي هَذَا الْحُكْمِ التَّوَسُّلُ بِسَائِرِ الْعِبَادَاتِ مِنَ الذَّبْحِ لَهُمْ وَالنَّذْرِ لَهُمْ وَالتَّوَكُّلِ عَلَيْهِمْ وَالْإِلْتِجَاءِ إِلَيْهِمْ، وَالْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ مِنْهُمْ، وَالسُّجُودِ لَهُمْ وَالطَّوَّافِ لَهُمْ. الْحَادِي عَشَرَ: أَنْ يَدْعُوَ غَائِبًا أَوْ مَيِّتًا عِنْدَ غَيْرِ الْقُبُورِ: يَا سَيِّدِي فَلَانُ! اذْعُ اللَّهُ تَعَالَى فِي حَاجَتِي فَلَانَهُ، زَاعِمًا أَنَّهُ يَعْلَمُ الْغَيْبَ وَيَسْمَعُ كَلَامَهُ فِي كُلِّ زَمَانٍ وَمَكَانٍ وَيَشْفَعُ لَهُ فِي كُلِّ حِينٍ وَأَوَانٍ، فَهَذَا شِرْكٌ صَرِيحٌ، فَإِنَّ عِلْمَ الْغَيْبِ مِنَ الصِّفَاتِ الْمُخْتَصَّةِ بِاللَّهِ تَعَالَى. الثَّانِي عَشَرَ: أَنْ يَدْعُوَ غَائِبًا أَوْ مَيِّتًا عِنْدَ غَيْرِ الْقَبْرِ: يَا سَيِّدِي فَلَانُ! اشفِ مَرِيضِي وَاقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ

وَهَبْ لِي وَلَدًا وَارْزُقْنِي وَاعْفِرْ لِي وَأَمْثَالَ ذَلِكَ، وَهَذَا أَيْضًا شِرْكٌ مِّنْ وَجْهَيْنِ: الْأَوَّلُ أَنَّهُ يَعْتَقِدُ عِلْمَ الْغَيْبِ لِذَلِكَ الْمَدْعُوِّ وَهُوَ شِرْكٌ، وَالثَّانِي أَنَّهُ يُنَادِي وَيَدْعُو غَيْرَ اللَّهِ تَعَالَى طَالِبًا بِذَلِكَ دَفْعَ شَرِّ أَوْ جَلْبَ مَنْفَعَةٍ فِيمَا لَا يَقْدِرُ ذَلِكَ الْغَيْرُ عَلَيْهِ، وَهَذَا الدُّعَاءُ عِبَادَةٌ، وَعِبَادَةٌ غَيْرِ اللَّهِ شِرْكٌ، وَمَنْ قَالَ مِنْ الْعُلَمَاءِ بِكُونَ التَّوَسُّلِ شِرْكًَا فَإِنَّمَا أَرَادَ بِهِ أَحَدَ الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ الْأَخِيرَةِ.

”آٹھویں قسم یہ ہے کہ آدمی یہ عقیدہ رکھتے ہوئے نیک لوگوں کی قبروں کے پاس اللہ تعالیٰ سے دُعا و مناجات کرے کہ وہاں دعا قبول ہوتی ہے۔ نویں صورت یہ ہے کہ وہ کسی نبی یا ولی کی قبر کے پاس جا کر اس طرح کے الفاظ کہے: آقا! میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ اس بات میں کسی عالم کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ دونوں قسمیں ناجائز ہیں اور ان بدعات میں شامل ہیں جن کا سلف نے ارتکاب نہیں کیا۔ ہاں! (شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں) قبرستان میں سلام کہنا جائز ہے۔ دسویں صورت یہ ہے کہ آدمی کسی نبی یا ولی کی قبر پر جا کر کہے: آقا! میرے مریض کو شفا دیجیے، میری مشکلات کو حل فرمائیے وغیرہ۔ یہ واضح شرک ہے، کیونکہ غیر اللہ کو کسی ایسی تکلیف کو دور کرنے کے لیے یا کسی ایسے نفع کو حاصل کرنے کے پکارنا جس پر وہ قادر نہ ہو، دُعا ہے اور دُعا عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت شرک ہے۔ انبیاء و اولیاء کو ذاتی طور پر ان تصرفات کا اہل سمجھا جائے یا ان امور کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطائی سمجھا جائے یا ان کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں سفارشی خیال کیا جائے، ہر حال میں شرک ہے۔ باقی عبادات، مثلاً غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرنا، ان کے لیے نذر و نیاز کا اہتمام، ان پر توکل، ان سے التجا اور خوف ورجاء، ان کے لیے سجدہ اور طواف وغیرہ، کا بھی یہی حکم ہے۔ گیارہویں قسم یہ ہے کہ آدمی کسی غائب یا فوت شدہ کو اس کی قبر کے علاوہ کسی اور جگہ پکارتے ہوئے کہے: آقا! اللہ تعالیٰ سے میرے اس معاملے میں دعا کیجیے اور اس کا عقیدہ یہ ہو کہ جس کو وہ پکار رہا ہے، وہ غیب جانتا ہے اور ہر زمان و مکان میں اس کا

کلام سن رہا ہے اور ہر وقت اس کے لیے سفارش کرتا ہے۔ یہ صورت بھی شرک جلی ہے کیونکہ علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ بارہویں قسم یہ ہے کہ آدمی کسی غائب یا فوت شدہ شخص کو اس کی قبر کے علاوہ کسی اور جگہ پر پکارے اور کہے: آقا! میرے مریض کو شفا دیجیے، میرا قرض دُور فرمائیے، مجھے اولاد عطا کیجیے، مجھے رزق عنایت فرمائیے، مجھے معاف فرمائیے وغیرہ۔ یہ صورت بھی دو طرح سے شرک ہے۔ اول اس طرح کہ وہ پکارے جانے والے شخص کے عالم الغیب ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے اور یہ شرک ہے، ثانی یہ کہ وہ غیر اللہ کو ایسی تکلیف کے دور کرنے یا ایسے نفع کو حاصل کرنے کے لیے پکارتا ہے جس پر غیر اللہ قدرت نہیں رکھتے۔ یہ پکار عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت شرک ہے۔ جن علمائے کرام نے توسل کو شرک قرار دیا ہے، ان کی مراد یہی آخری تین قسمیں تھیں۔“ (صیانة الإنسان، ص: 212، 213)

شارح ترمذی امام محمد عبدالرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ (م: 1353 ھ) لکھتے ہیں:

الْحَقُّ عِنْدِي أَنَّ التَّوَسُّلَ بِالنَّبِيِّ فِي حَيَاتِهِ بِمَعْنَى التَّوَسُّلِ بِدُعَائِهِ وَشَفَاعَتِهِ جَائِزٌ، وَكَذَا التَّوَسُّلُ بِغَيْرِهِ مِنْ أَهْلِ الْخَيْرِ وَالصَّلَاحِ فِي حَيَاتِهِمْ بِمَعْنَى التَّوَسُّلِ بِدُعَائِهِمْ وَشَفَاعَتِهِمْ أَيْضًا جَائِزٌ، وَأَمَّا التَّوَسُّلُ بِهِ بَعْدَ مَمَاتِهِ، وَكَذَا التَّوَسُّلُ بِغَيْرِهِ مِنْ أَهْلِ الْخَيْرِ وَالصَّلَاحِ بَعْدَ مَمَاتِهِمْ فَلَا يَجُوزُ، وَاحْتَارَهُ الْإِمَامُ ابْنُ تَيْمِيَّةَ فِي رِسَالَتِهِ (التَّوَسُّلُ وَالْوَسِيلَةُ)، وَقَدْ أَشْبَعَ الْكَلَامَ فِي تَحْقِيقِهِ وَأَجَادَ فِيهِ، فَعَلَيْكَ أَنْ تَرُاجِعَهَا.

”میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کے وسیلہ سے مراد آپ کی دعا اور سفارش والا وسیلہ ہے جو کہ جائز ہے۔ اسی طرح نیک لوگوں سے ان کی زندگی میں ان کی دعا اور سفارش والا وسیلہ پکڑنا بھی جائز ہے۔ اب رہی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی ذات کا وسیلہ پکڑنے کی اور اسی طرح نیک لوگوں کی وفات کے بعد ان کی ذات کا وسیلہ پکڑنے کی تو یہ ناجائز ہے۔ اسی بات کو امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب التوسل والوسيلة

میں راجح قرار دیا ہے۔ انہوں نے اس بارے میں بہت عمدہ اور سیر حاصل بحث کی ہے۔ آپ کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔“ (تحفة الأحوذی: 283/4)

شیخ شمس الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ (1372-1420ھ) فرماتے ہیں:

الْحَاصِلُ أَنَّ تَوَسُّلَ الْقُبُورِ نَوْعَانِ: النَّوْعُ الْأَوَّلُ: مَا فِيهِ خِطَابٌ وَنِدَاءٌ لِلْمَيِّتِ وَطَلَبٌ مِنْهُ، مِثْلُ أَنْ يَقُولَ: يَا فُلَانُ الْوَلِيُّ! اكْشِفْ كُرْبَتِي وَاشْفِنِي وَاعْفِرْ حُوبَتِي وَأَقْضِ حَاجَتِي وَنَحْوَهَا، أَوْ يَسْأَلُهُ الشَّفَاعَةَ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى لِقَضَاءِ الْحَاجَةِ، مِثْلُ أَنْ يَقُولَ: يَا فُلَانُ الْوَلِيُّ! اشْفَعْ لِي عِنْدَ اللَّهِ أَنْ يَقْضِيَ حَاجَتِي وَيَكْشِفَ كُرْبَتِي، وَنَحْوَ ذَلِكَ، فَهَذَا كُلُّهُ وَأَمثَالُهُ لَيْسَ مِنَ التَّوَسُّلِ بِالْمَيِّتِ لُغَةً، بَلْ هُوَ اسْتِغَاثَةٌ بِالْمَيِّتِ وَطَلَبٌ مِنْهُ، وَهُوَ إِشْرَاكٌ صَرِيحٌ بِاللَّهِ تَعَالَى، بَلْ هُوَ أُمَّ لِعِدَّةِ أَنْوَاعٍ مِنَ الشِّرْكِ بِاللَّهِ تَعَالَى، كَالشِّرْكِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ، وَالشِّرْكِ فِي التَّصَرُّفِ، وَالشِّرْكِ فِي السَّمْعِ، كَمَا سَبَقَ تَحْقِيقُهُ عَلَى لِسَانِ عُلَمَاءِ الْحَنْبَلِيَّةِ.

النَّوْعُ الثَّانِي: وَهُوَ مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ خِطَابٌ وَنِدَاءٌ لِلْمَيِّتِ وَلَا فِيهِ طَلَبٌ قَضَاءِ الْحَاجَةِ مِنْهُ، وَلَا طَلَبُ الشَّفَاعَةِ مِنْهُ لَهُ عِنْدَ اللَّهِ لِقَضَاءِ الْحَاجَةِ، بَلْ يَكُونُ تَوْجِيهُ الْكَلَامِ إِلَى اللَّهِ، وَالِاسْتِغَاثَةَ بِهِ تَعَالَى، وَالطَّلَبَ مِنْهُ، وَالنِّدَاءَ لَهُ تَعَالَى فَقَطُّ، لَا لِلْمَيِّتِ: كَأَنْ يَقُولَ: اللَّهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ أَنْ تَكْشِفَ كُرْبَتِي، وَتَعْفِرَ حُوبَتِي، وَتَقْضِيَ حَاجَتِي، بِجَاهِ فُلَانٍ، وَحُرْمَةِ فُلَانٍ، وَوَجْهِ فُلَانٍ، وَوَسِيلَةِ فُلَانٍ، وَنَحْوَ ذَلِكَ، فَهَذَا النَّوْعُ قَدْ يُمَكِّنُ أَنْ يُقَالَ فِيهِ: إِنَّهُ تَوَسُّلٌ لُغَةً، وَلَكِنْ هَلْ هُوَ جَائِزٌ شَرْعًا؟ الْجَوَابُ: أَنَّ هَذَا النَّوْعَ مِنَ التَّوَسُّلِ عَيْزٌ جَائِزٌ شَرْعًا، لَوْ جُهِنَ:

الأَوَّلُ: أَنَّهُ بَدَعُهُ ضَلَالَةٌ فِي الْعِبَادَةِ الَّتِي هِيَ مُخَّ الْعِبَادَاتِ، أَلَا وَهِيَ الدُّعَاءُ، لِأَنَّ هَذَا التَّوَسُّلَ مِنَ التَّوَسُّلِ لَمْ يُعْهَدْ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَلَمْ يَفْعَلْهُ أَحَدٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَلَا إِمَامٌ مِنْ أُمَّةِ الْأُمَّةِ، الثَّانِي: أَنَّهُ ذَرِيعَةٌ كَبِيرَةٌ لِفَتْحِ بَابِ الشِّرْكِ بِمَضْرَعِيهِ، فَيَجِبُ سَدُّهَا حِمَايَةً لِحِمَى التَّوَسُّلِ.

”خلاصہ کلام یہ ہے کہ قبر پرستوں کا توسل دو طرح کا ہے: پہلی صورت وہ ہے جس میں فوت شدہ کو مخاطب کر کے اس سے اپنی حاجت روائی کا سوال کیا جاتا ہے، مثلاً یہ کہا جاتا ہے: اے فلاں ولی! میری تکلیف کو دور فرمائیے، مجھے شفا دیجیے، میری لغزش معاف کیجیے، میری حاجت پوری فرمائیے وغیرہ۔ یا اپنی حاجت روائی کے لیے اس سے اللہ کے ہاں سفارش کی درخواست کی جاتی ہے، مثلاً اے فلاں ولی! اللہ کے دربار میں سفارش کیجیے کہ وہ میری ضرورت کو پورا کرے اور میری تکلیف کو دور فرمائے وغیرہ۔ یہ ساری باتیں اور اس طرح کے دیگر افعال لغوی اعتبار سے فوت شدگان سے توسل کے زمرے میں نہیں آتے۔ یہ ساری صورتیں تو میت سے مدد طلب کرنے اور ان سے مانگنے کی ہیں جو کہ صریح طور پر شرک ہیں، بلکہ یہ افعال شرک کی دیگر بہت سی اقسام، مثلاً علم غیب میں شرک، تصرف میں شرک، سمع میں شرک وغیرہ میں مبتلا ہونے کا ذریعہ بھی ہیں اور علمائے حنفیہ کی زبانی اس کی تحقیق ہم بیان کر چکے ہیں۔ قبوریوں کے ہاں پایا جانے والا دوسری قسم کا توسل وہ ہے جس میں فوت شدگان کو مخاطب نہیں کیا جاتا، نہ ان سے حاجت روائی کا مطالبہ کیا جاتا ہے، نہ ہی ان سے قضائے حاجت کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش کرنے کا سوال کیا جاتا ہے بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے اور اسی کو پکارا جاتا ہے، مثلاً آدمی کہے: اے اللہ! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تُو فلاں کی حرمت، فلاں کے وسیلے اور فلاں کے طفیل میری مشکل حل فرما دے، میرے گناہ معاف کر دے اور میری حاجت پوری فرما دے وغیرہ۔ اس قسم کو لغوی طور پر توسل کہا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ سوال باقی ہے کہ یہ شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ

توسل کی یہ قسم دو وجہ سے شرعاً ناجائز ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس طرح کرنا دُعا، جو کہ عبادات کا مغز ہے، کے سلسلے میں گمراہ کن بدعت ہے کیونکہ کتاب و سنت میں وسیلے کی اس صورت کا کوئی وجود نہیں، نہ صحابہ و تابعین اور ائمہ دین میں سے کسی امام نے ایسا کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس طرح سے شرک کے دروازے کے دونوں کواڑ کھل جاتے ہیں، لہذا توحید کے تحفظ کے لیے اس دروازے کو بند کرنا ضروری ہے۔“

(جہود علماء الحنفیۃ فی إبطال عقائد القبوریۃ، ص: 1484)

شیعہ اور ممنوع توسل

شیعہ شیعہ کے نزدیک بحق فلاں اور بحرمتہ فلاں کے الفاظ کے ساتھ دُعا میں توسل جائز ہے۔ اس کے ثبوت پر ان کے علماء کی کتابوں میں صریح عبارات موجود ہیں، مثلاً محمد باقر مجلسی شیعہ (م: 1111ھ) نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک پر حاضری کے آداب بیان کرتے ہوئے دُعا کا ایک انداز یوں بیان کیا ہے: **وَبِكِ يَتَوَسَّلُ الْمُتَوَسِّلُونَ فِي جَمِيعِ حَوَائِجِهِمْ.** ”(اے حسین!) وسیلہ پکڑنے والے اپنی تمام حاجات میں آپ کا وسیلہ پکڑتے ہیں۔“

(بحار الأنوار: 84/98)

نیز لکھتے ہیں:

لَمْ يَتَوَسَّلِ الْمُتَوَسِّلُونَ بِوَسِيلَةٍ أَعْظَمَ حَقًّا، وَأَوْجَبَ حُرْمَةً مِنْكُمْ أَهْلِ الْبَيْتِ. ”اے اہل بیت! آپ سے بڑھ کر بڑے حق والا اور بڑی تعظیم والا وسیلہ کسی نے کبھی پیش نہیں کیا۔“ (بحار الأنوار: 226/98)

احناف اور ممنوع توسل

حنفی مقلدین بھی غیر مشروع، شرکیہ اور ممنوع توسل کے قائل و فاعل ہیں۔ ان کے نزدیک بھی فوت شدگان کے وسیلے سے دُعا کرنا جائز و درست ہے، جیسا کہ دُعا کے بارے میں تفصیلی

گفتگو کرتے ہوئے شارح ہدایہ ابن ہمام حنفی (790-861ھ) لکھتے ہیں:

وَيَسْأَلُ اللَّهُ تَعَالَى حَاجَتَهُ مُتَوَسِّلًا إِلَى اللَّهِ بِحَضْرَةِ نَبِيِّهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ
وَالسَّلَامُ - ثُمَّ يَسْأَلُ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - الشَّفَاعَةَ، فَيَقُولُ: يَا
رَسُولَ اللَّهِ! أَسْأَلُكَ الشَّفَاعَةَ، يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَسْأَلُكَ الشَّفَاعَةَ وَأَتَوَسَّلُ بِكَ إِلَى
اللَّهِ فِي أَنْ أَمُوتَ مُسْلِمًا عَلَى مِلَّتِكَ وَسُنَّتِكَ، وَيَذُكُرُ كُلَّ مَا كَانَ مِنْ قَبِيلِ
الِاسْتِعْطَافِ وَالرِّفْقِ بِهِ.

”دُعا کرنے والا اللہ تعالیٰ سے اس کے نبی ﷺ کی ذات کا وسیلہ پیش کرتے ہوئے دُعا
کرے۔۔۔ پھر نبی اکرم ﷺ سے شفاعت کا مطالبہ کرتے ہوئے کہے: اے اللہ کے رسول!
میں آپ سے شفاعت کا سوال کرتا ہوں، یا رسول اللہ! میں آپ سے شفاعت کا سوالی ہوں اور
اللہ تعالیٰ کو آپ کا وسیلہ دیتا ہوں کہ مجھے اسلام کی حالت میں آپ کی ملت اور سنت پر موت
آئے۔ اسی طرح تمام وہ باتیں کرے جو رحم طلبی اور نرمی سے تعلق رکھتی ہوں۔“

(فتح القدیر: 2/338، طبع مصر)

یہی بات فتاویٰ عالمگیری (1/82، طبع مصر) میں بھی مذکور ہے۔

دیوبندی مقلدین اور ممنوع توسل

آل دیوبند کے اجماعی عقائد کی ترجمان کتاب میں سوال و جواب کی صورت میں مذکور ہے:
”تیسرا اور چوتھا سوال: کیا وفات کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ کا توسل لینا دعاؤں میں
جائز ہے یا نہیں؟ تمہارے نزدیک سلف صالحین، یعنی انبیاء، صدیقین اور شہداء و اولیاء کا توسل
بھی جائز ہے یا ناجائز؟ جواب: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں
میں انبیاء و اولیاء و صدیقین کا توسل جائز ہے۔ ان کی حیات میں یا بعد وفات باس طور کہے کہ یا
اللہ! میں بوسیله فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت برائی چاہتا ہوں، اسی جیسے

کلمات اور کہے۔“ (المہند علی المہند، ص: 12-13)

دیوبندی مفتی عزیز الرحمن صاحب (م: 1347ھ) ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں:

”اس طرح دُعا مانگنا درست ہے کہ یا اللہ! بے برکت اپنے نیک بندوں کے میری حاجت

پوری فرما فقط۔“ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: 5/431، طبع دیوبند)

نیز لکھتے ہیں:

”ان بزرگوں سے یہ نہ کہے: تم دُعا کرو۔ سماع موتی خود مختلف فیہ مسئلہ ہے۔ حنفیہ سماع موتی

کا انکار کرتے ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہی مذہب اور آیات قرآنیہ اس پر دال ہیں، لہذا

اس طرح ان سے خطاب کر کے نہ کہے کہ تم دعا کرو بلکہ خود اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعائے

معفرت اور رفع درجات کی دعا کرے اور اگر ان کے ذریعہ سے اپنی حاجات کے پورا ہونے کے

لیے بھی دُعا کرے تو مضائقہ نہیں۔“ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: 5/441-442)

غور فرمائیں کہ دیوبند کے مفتی عزیز الرحمن صاحب فوت شدگان کے وسیلے سے دُعا کرنے

کو جائز قرار دے رہے ہیں، جبکہ فوت شدگان سے دُعا کرانے کو ناجائز کہتے ہیں، لیکن دارالعلوم

دیوبند کے بانی جناب قاسم نانوتوی صاحب (1248-1297ھ) کا موقف اس کے خلاف تھا، ان

کے بارے میں ہے:

”اگر اکیلے کسی مزار پر جاتے اور دوسرا شخص وہاں موجود نہ ہوتا، تو آواز سے عرض کرتے کہ

آپ میرے واسطے دُعا کریں۔“ (سوانح قاسمی: 2/29)

جناب اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (1280-1362ھ) لکھتے ہیں:

”عادتاً توسل اہل طریق میں مقبولانِ الہی کے توسل سے دعا کرنا بکثرت شائع

ہے۔ حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے اور شجرہ پڑھنا جو اہل سلسلہ کے یہاں معمول ہے، اس کی

یہی حقیقت اور غرض ہے۔“ (البتشف، ص: 446)

تھانوی صاحب کا یہ کہنا کہ ”حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے“ سراسر غلط ہے۔ کسی صحیح

حدیث سے وسیلے کی اس قسم کا اثبات نہیں ہوتا۔

سیدنا عثمان بن حنیف سے مروی ایک روایت جس کا تعلق دُعا اور سفارش سے ہے، کے بارے میں جناب اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

”اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح توسل کسی کی دُعا کا جائز ہے، اسی طرح توسل دعا میں کسی کی ذات کا بھی جائز ہے۔“ (نشر الطیب، ص: 38)

اگر اس حدیث سے ذات کا توسل ثابت ہوتا تو محدثین کرام اس کے قائل کیوں نہ ہوتے؟ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ جو بات تھانوی صاحب کی سمجھ میں آگئی، محدثین کرام اس کو سمجھنے سے قاصر رہے! العیاذ باللہ۔ حالانکہ حدیث کے الفاظ بول بول کر تھانوی صاحب کا رد کر رہے ہیں۔ کسی صحابی یا تابعی سے باسند صحیح کسی فوت شدہ انسان کا وسیلہ پکڑنا ثابت نہیں۔ اسی طرح کسی صحابی نے نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد اپنی دُعا میں آپ ﷺ کی ذات کا وسیلہ نہیں دیا۔ یہ کتنا بڑا علمی مغالطہ ہے کہ صحابی رسول، نبی اکرم ﷺ سے آپ کی زندگی میں دُعا کی درخواست کرے، تو اس سے کسی کی ذات کا وسیلہ جائز ہو جائے! یہ بات علمی دیانت کے سراسر خلاف ہے۔ یہ تو فہم سلف کو رد کر کے ان کے مقابلے میں دین گھڑنے والی بات ہے۔ صحابی، نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں دُعا کرائیں اور تھانوی صاحب اس پر امتیوں کو قیاس کر کے ان کے مرنے کے بعد ان کی ذات کا وسیلہ جائز قرار دیں، تو یہ قیاس باطل بلکہ ابطال الاباطیل ہے۔ یہ ایجاد ذہنِ فاسد ہے۔ یہ لوگ محدثین کرام کی بیان کردہ روایات لے لیتے ہیں، لیکن ان کا فہم رد کر کے اپنے من مانے مفاہیم کی روشنی میں نیا دین ایجاد کرتے ہیں۔

تھانوی صاحب کی مشارالیه حدیث پر تفصیلی بحث ”وسیلے کی ممنوع اقسام پر دلائل کا تحقیقی جائزہ“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

جناب رشید احمد گنگوہی دیوبندی صاحب (م 1323ھ) سے اس بارے میں سوال ہوا۔ وہ سوال مع جواب ملاحظہ فرمائیں:

”سوال: اکثر آدمی شجرہ خاندان کا ہر صبح و شام پڑھتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟ الجواب: شجرہ پڑھنا درست ہے، کیونکہ اس میں بتوسل اولیاء کے حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ اس کا کوئی حرج نہیں۔“ (فتاویٰ رشیدیہ: 78/1)

دیوبندیوں کے پیرومرشد حاجی امداد اللہ ”مہاجرکی“ (1233-1317ھ) نے کلیات امدادیہ (ص 100) میں یہ شجرہ ذکر کیا ہے۔ اس کا ایک شعر پیش خدمت ہے:

”دُورِ کَرْدَلِ سَے جَبَابِ جَہَلِ وَ غَفْلَتِ مِیرِے رِبِ!

کھول دے دِل مِیں دِرْ عِلْمِ حَقِیْقَتِ مِیرِے رِبِ!

ہا دِیْ عَالَمِ، عَلِیْ مَشْکَلِ کَشَا کَے وَ اسْطَے!“

جناب شبیر احمد عثمانی دیوبندی فلسفی (م: 1369ھ) ﴿وَ اِيَّاكَ ذَسْتَعِينُ﴾ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذاتِ پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں! اگر مقبول بندے کو محض واسطہ رحمتِ الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کی جائے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہی استعانت ہے۔“ (تفسیر عثمانی دیوبندی، ص: 521)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَهُوَ ظَنٌّ أَنَّ الْبَابَ فِي التَّوَسُّلِ كَالْبَابِ فِي الْاِسْتِعَاثَةِ، وَ لَيْسَ كَذَلِكَ، فَإِنَّهُ يُقَالُ: اِسْتَعَاثَةٌ وَ اِسْتِعَاثٌ بِهِ، كَمَا يُقَالُ: إِنَّهُ اِسْتَعَانَهُ وَ اِسْتَعَانَ بِهِ، فَالْمُسْتَعَاثُ بِهِ هُوَ الْمَسْئُولُ، وَ اَمَّا الْمَتَوَسِّلُ بِهِ، فَهُوَ الَّذِي يَتَسَبَّبُ بِهِ اِلَى الْمَسْئُولِ.

”انہوں نے توسل اور استغاثہ کے معاملے کو ایک ہی طرح کا سمجھ لیا ہے، حالانکہ یہ ایک طرح کا ہے نہیں۔ کہنے کو تو یہ ایک جیسے ہیں لیکن جس سے مدد طلب کی جائے، وہ مسؤل ہوتا ہے، لیکن جس کا وسیلہ پیش کیا جائے، وہ مسؤل کی طرف جانے کے لیے سبب ہوتا ہے، (لہذا دونوں

معاملوں کو ایک شمار کرنا غلطی ہے۔“ (تلخیص کتاب الاستغاثۃ، ص: 261، 262)
 دیوبندیوں کے ”شیخ الاسلام“ جناب حسین احمد مدنی (م: 1377ھ) اکابر آل دیوبند کے
 بارے میں لکھتے ہیں:

”یہ مقدس اکابر ہمیشہ اولیائے کرام و انبیائے عظام سے توسل کرتے رہتے ہیں اور اپنے
 مخلصین کو اس کی ہدایت کرتے رہتے ہیں جس کو وہابیہ مثل شرک ناجائز و حرام جانتے ہیں۔
 حضرت مولانا نانوتوی نے ایک قصیدہ طویلہ دربارہ توسل مشائخ سلسلہ علیہ چشتیہ صابریہ تحریر فرمایا
 ہے جو کہ امداد السلوک کے اخیر میں و نیز دیگر رسائل کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔“
 (الشہاب الثاقب، ص: 235)

الغرض جملہ اکابر دیوبند غیر مشروع اور ناجائز توسل کے قائل و فاعل ہیں۔

یہ دیوبندی ”توحید“ ہے! نا معلوم دیوبندی اور بریلوی اس کے باوجود دست بگریاں
 کیوں ہیں؟ بدعات اور منکرات ہمارے دیوبندی بھائیوں کے گھر میں ڈیرے ڈالے ہوئے
 ہیں جو ان کے عقائد و اعمال میں مفسدات کا باعث بن رہی ہیں۔ اہل سنت و الجماعت کے منہج
 سے ہٹ کر اہل کلام کے منہج کو اپنایا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے۔ وسیلے کے مسئلے میں یہ
 لوگ علامہ سبکی (683-756ھ) کے پیروکار ہیں۔ علامہ سبکی اپنا غلو پر مبنی عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:
 إِنَّ التَّوَسُّلَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَائِزٌ فِي كُلِّ حَالٍ قَبْلَ خَلْقِهِ، وَبَعْدَ
 خَلْقِهِ فِي مَدَّةِ حَيَاتِهِ فِي الدُّنْيَا، وَبَعْدَ مَوْتِهِ فِي مُدَّةِ الْبُرْزَخِ، وَبَعْدَ الْبُرْزَخِ، وَبَعْدَ
 الْبَعْثِ فِي عَرَصَاتِ الْقِيَامَةِ وَالْجَنَّةِ.

”ہر حال میں نبی اکرم ﷺ کا وسیلہ دینا جائز ہے۔ آپ ﷺ کی پیدائش سے قبل، آپ ﷺ
 کے پیدا ہونے کے بعد، آپ کی دنیاوی زندگی میں بھی، آپ کی وفات کے بعد برزخی حالت میں
 بھی، برزخ کے بعد بھی اور دوبارہ جی اٹھنے کے بعد قیامت اور جنت کے حالات میں بھی آپ کا
 وسیلہ پکڑنا جائز ہے۔“ (شفاء السقام، ص: 120)

سلف میں سے کسی کا ہرگز ایسا نظریہ نہیں رہا۔ توسل بالذات یا توسل بالاموات کا صحابہ و تابعین اور ائمہ دین میں سے کوئی بھی قائل نہیں تھا۔ ان کے نزدیک جو توسل جائز ہے اور درست ہے، وہ مشروع توسل ہے۔ متاخرین میں سے بھی بعض نے اگر اپنے توسل میں کہیں نبی اکرم ﷺ کا ذکر کیا ہے تو اس سے مراد نبی اکرم ﷺ کی ذات نہیں بلکہ آپ ﷺ کی محبت و اطاعت ہے، جو کہ ایک نیک عمل ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

أَسْأَلُكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ، أَيُّ أَسْأَلُكَ بِإِيمَانِي بِهِ وَمَحَبَّتِي بِهِ.

”(اے اللہ!) میں تجھے تیرے نبی محمد ﷺ، یعنی آپ ﷺ پر اپنے ایمان اور آپ ﷺ سے اپنی محبت کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں۔“ (قاعدة جلیلة فی التوسل، ص: 38)

یعنی سلف کا توسل، توسل بالاموات نہیں بلکہ توسل بالاعمال الصالحہ تھا۔

بریلوی مقلدین اور ممنوع توسل

جناب احمد یار خان نعیمی بریلوی صاحب (1324-1391ھ) سورة البقرة کی آیت نمبر 89 کے تحت لکھتے ہیں:

”معلوم ہوا کہ حضور کے توسل سے دعائیں مانگنا بڑی پرانی سنت ہے اور ان کے وسیلے کا منکر یہود و نصاریٰ سے بدتر ہے۔ اور حضور کے وسیلے سے پہلے ہی سے خلق کی حاجت روائی ہوتی تھی۔“ (تفسیر نور العرفان، ص: 21)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفتی صاحب خود اہل کتاب کی روش پر چل نکلے ہیں اور اپنے باطل اور فاسد نظریات کے دفاع میں قرآن مجید میں تحریف معنوی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں انہوں نے وہ بات کہہ دی ہے جو سلف میں سے کسی نے نہیں کہی۔ اصل بیان یہ تھا کہ یہود جو اہل کتاب تھے، دو قبیلوں اوس اور خزرج جو اہل کتاب نہیں تھے، سے لڑتے تھے۔ یہود کے علم میں یہ بات تھی کہ عنقریب خاتم النبیین نبی مبعوث ہونے والے ہیں۔ غلبہ اس نبی کا مقدر ہوگا۔ اس بنا پر یہودی نبی اکرم ﷺ کی طرف داری ظاہر کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ہم

اس نبی پر ایمان لائیں گے، اس کی پیروی کریں گے اور اس کی معیت میں مشرکین سے لڑائی کر کے ان پر غلبہ پائیں گے۔ لہذا ہمیں ان مشرکوں، یعنی اوس اور خزرج پر غلبہ اور فتح عطا کی جائے گی۔

جب نبی اکرم ﷺ مبعوث ہوئے اور قرآن کریم نازل ہوا تو یہودی اپنی بات سے پھر گئے اور انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کفر کیا۔ یوں ان پر پھٹکار پڑی اور وہ کافر بنے۔ اتنی سی بات مفتی صاحب کی سمجھ میں نہیں آسکی اور انہوں نے تفسیر میں اپنی طرف سے وسیلے کا مسئلہ گھسیڑ دیا ہے۔ کسی صحابی یا تابعی یا کسی ثقہ امام سے اس آیت کریمہ سے ایسا استنباط کرنا ثابت نہیں۔ مفتی صاحب کی بات کے غلط ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ صحابہ کرام اور ائمہ عظام میں سے کوئی بھی نبی اکرم ﷺ کی ذات کے وسیلے کا قائل نہیں تھا۔ درحقیقت یہی لوگ، یعنی اسلاف امت ہی قرآن و حدیث کے مطالب و مغایم سے بخوبی واقف تھے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (661-728ھ) نے کیا خوب لکھا ہے:

فَوَصَفَ الْيَهُودَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَعْرِفُونَ الْحَقَّ قَبْلَ ظُهُورِ النَّاطِقِ بِهِ، وَالِدَّاعِي إِلَيْهِ، فَلَمَّا جَاءَهُمُ النَّاطِقُ بِهِ مِنْ غَيْرِ طَائِفَةٍ يَهُودٍ وَنَهَالَهُمْ يَتَفَادُوا إِلَهُ، وَأَنَّهُمْ لَا يَقْبَلُونَ الْحَقَّ إِلَّا مِنَ الطَّائِفَةِ الَّتِي هُمْ مُتَّسِبُونَ إِلَيْهَا، مَعَ أَنَّهُمْ لَا يَتَّبِعُونَ مَا لَزِمَهُمْ فِي اعْتِقَادِهِمْ، وَهَذَا يُبْتَلَى بِهِ كَثِيرٌ مِنَ الْمُتَّسِبِينَ إِلَى طَائِفَةٍ مُعَيَّنَةٍ فِي الْعِلْمِ، أَوْ الدِّينِ، مِنَ الْمُتَّفَقِّهِةِ، أَوْ الْمُتَّصِوْفَةِ أَوْ غَيْرِهِمْ أَوْ إِلَى رَأْسِ مُعْظَمٍ عِنْدَهُمْ فِي الدِّينِ - غَيْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَإِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُونَ مِنَ الدِّينِ رَأْيًا وَرَوَايَةً إِلَّا مَا جَاءَتْ بِهِ طَائِفَتُهُمْ، ثُمَّ إِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ مَا تَوْجِبُهُ طَائِفَتُهُمْ، مَعَ أَنَّ دِينَ الْإِسْلَامِ يُوجِبُ اتِّبَاعَ الْحَقِّ مُطْلَقًا: رَوَايَةً وَرَأْيًا مِنْ غَيْرِ تَعْيِينِ شَخْصٍ أَوْ طَائِفَةٍ - غَيْرِ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -.

”اللہ تعالیٰ نے یہود کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ وہ حق کو اس وقت سے پہچانتے تھے

جب ابھی تک حق کا ناطق اور اس کی طرف دعوت دینے والا (پیغمبر) پیدا نہیں ہوا تھا۔ جب ان کے پاس حق کا داعی ایسے گروہ سے آ گیا جسے وہ پسند نہیں کرتے تھے تو انہوں نے اس کی پیروی نہ کی، پھر وہ اپنے ضروری اعتقادات کو تسلیم کرنے سے بھی انکاری ہو گئے تھے۔ تصوف اور فقہ کے کسی معین گروہ یا دینی حوالے سے کسی قابل تعظیم امتی کی طرف منسوب ہونے والے بہت سے لوگ اسی مصیبت کا شکار ہیں۔ وہ دینی معاملے میں وہی رائے اور روایت قبول کرتے ہیں، جو ان کے گروہ کی طرف سے آئے، حالانکہ ان کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ان کے گروہ کی دلیل کیا ہے۔ اس کے برعکس دین اسلام حق کی مطلق اتباع کو فرض قرار دیتا ہے، رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی بھی معین شخص یا گروہ کی رائے یا روایت کو اتباع کے لیے خاص نہیں کرتا۔“

(اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة أصحاب الجحیم: 1/87، 88)

اب اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ایک روایت ملاحظہ فرمائیں۔ عاصم بن عمر بن قناہ انصاری مدنی تابعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

حَدَّثَنِي أَشْيَاخُ مِنَّا، قَالُوا: لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ مِّنَ الْعَرَبِ أَعْلَمَ بِشَأْنِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَّا، كَانَ مَعَنَا يَهُودٌ، وَكَانُوا أَهْلَ كِتَابٍ، وَكُنَّا أَصْحَابَ وَثَنٍ، فَكُنَّا إِذَا بَلَّغْنَا مِنْهُمْ مَا يَكْرَهُونَ، قَالُوا: إِنَّ نَبِيًّا مَّبْعُوثًا الْآنَ، قَدْ أَظْلَمَ زَمَانُهُ، نَتَّبِعُهُ، فَتَقْتُلُكُمْ مَعَهُ قَتْلَ عَادٍ وَإِرَمَ، فَلَمَّا بَعَثَ اللَّهُ رَسُولَهُ اتَّبَعْنَاهُ وَكَفَرُوا بِهِ، فَفِينَا، وَاللَّهِ، وَفِيهِمْ أَنْزَلَ اللَّهُ عِزًّا وَجَلًّا: ﴿وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَآتَا جَاءَهُمْ.....﴾ (البقرة: 2: 89)

”ہمارے اساتذہ (صحابہ کرام) نے ہمیں بتایا کہ عرب میں سے ہم سے بڑھ کر کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کے معاملے کو نہیں جانتا تھا۔ ہمارے ساتھ یہود رہتے تھے۔ وہ اہل کتاب تھے اور ہم بت پرست۔ جب انہیں ہم سے کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ کہتے تھے: ایک نبی جس کی بعثت کا وقت

ہوا چاہتا ہے، ہم اس کے ساتھ مل کر تم سے لڑائی کریں گے اور تمہیں یوں ہلاک کر دیں گے، جیسے عاد اور ارم ہلاک ہوئے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (محمد ﷺ) کو مبعوث فرمایا تو ہم نے آپ کی اتباع کر لی اور انہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا۔ اللہ کی قسم، ہمارے اور یہود کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ: ﴿وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَلَّمْنَا بِآيَاتٍ مِمَّا نَزَّلْنَا فِي الْقُرْآنِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (البقرة: 2: 89) (اور یہود اس سے پہلے کافروں پر فتح کی دُعا کیا کرتے تھے۔ جب ان کے پاس وہ چیز آگئی، جسے وہ خوب پہچانتے تھے، تو انہوں نے اس کے ساتھ کفر کیا)۔۔۔“ (السيرة لابن إسحاق، ص: 84، دلائل النبوة للبيهقي: 2/75، وسنده حسن)

سورة البقرہ کی آیت نمبر 118 کی تشریح میں مفتی نعیمی صاحب مزید لکھتے ہیں:

”بغیر وسیلہ پیغمبر، رب تک پہنچنے کی خواہش کرنا کفار کا کام ہے۔ جب رب ہم تک بغیر وسیلہ نبی نہیں پہنچتا، حالانکہ وہ غنی ہے تو ہم اس تک بغیر وسیلہ کیسے پہنچیں، حالانکہ ہم محتاج ہیں۔“ (تفسیر نور العرفان، ص: 27)

مفتی صاحب کا کوئی معتقد ہی بتائے کہ قرآن کریم کی اس آیت سے وہ کون سا وسیلہ ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ بات ہو رہی ہے دُعا میں کسی کی ذات کا وسیلہ دینے کی۔ جہاں تک دین اور شریعت کا تعلق ہے تو وہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے نبی ہی کے ذریعے دی ہے لیکن اسی شریعت میں ہماری ساری عبادات کے مفصل طریقے بیان کر دیئے ہیں۔ دُعا ایک عبادت بلکہ عبادات کا مغز ہے۔ کیا قرآن و سنت سے دُعا والی عبادت میں کسی کی ذات کے وسیلے کا ثبوت ملتا ہے؟ اگر دُعا میں کسی کی ذات کو بطور وسیلہ ذکر کرنے کا اسلام میں کہیں نام و نشان ملتا ہوتا تو مفتی صاحب کو اتنا تکلف نہ کرنا پڑتا۔ اسلاف امت صحابہ و تابعین اور ائمہ دین میں سے کسی نے اس آیت کریمہ سے وسیلہ بالذات کا استنباط نہیں کیا، نہ اسلاف میں سے کوئی اس کا قائل رہا۔ حیرانی تو اس بات پر ہے کہ جو لوگ قرآن و سنت کے مطلب و مفہوم کو سمجھ نہ پانے کا بہانہ کر کے اتباع رسول چھوڑتے ہوئے تقلید شخصی کا پٹہ گلے میں پہنتے ہیں، وہی لوگ کس منہ سے مجتہد بن کر اپنی

خرافات کو ثابت کرنے کے لیے قرآن و سنت کے نئے نئے مفاہیم کا استنباط کرتے ہیں؟
اسی بے اصولی نے مفتی صاحب کو حواس باختہ کر دیا ہے۔ قارئین انہی کی ایک اور عبارت
ملاحظہ فرمائیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”معلوم ہوا کہ نبی کے توسل کا فرعون بھی قائل تھا۔ جو اس وسیلہ کا منکر ہے، وہ فرعون سے
زیادہ گمراہ ہے۔“ (تفسیر نور العرفان، ص: 264)

اس حرکت کو کیا نام دیں کہ مفتی صاحب ایک ہی کتاب میں کسی جگہ لکھتے ہیں کہ پیغمبر کا وسیلہ
نہ لینا کافروں کا کام ہے (مفتی صاحب کی گزشتہ عبارت اس بارے میں صریح ہے) اور اسی
کتاب میں دوسری جگہ یہ فرما رہے ہیں کہ کافروں کا سردار فرعون نبی کے وسیلے کا قائل تھا۔ اب
دونوں میں سے ایک ہی بات درست ہو سکتی ہے۔ اگر کفار نبی کے وسیلے کے منکر تھے تو مفتی
صاحب کے نزدیک فرعون کافر نہ رہا اور اگر فرعون کافر ہے تو معلوم ہوا کہ نبی کی ذات کا وسیلہ پکڑنا
کفار کا کام ہے۔ بریلوی بھائی آج بھی کافروں کے اس عمل کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں!!!
مفتی صاحب سورہ آل عمران کی آیت نمبر 193 کے تحت لکھتے ہیں:

”دوسرے یہ کہ اپنے ایمان کے وسیلہ سے دعا کرنی چاہیے۔ جب اپنے ایمان کا وسیلہ بنانا
درست ہے، تو نبی کریم ﷺ کا وسیلہ پکڑنا بھی بالکل صحیح ہے۔“ (تفسیر نور العرفان، ص: 119)

ایمان تو عمل کا نام ہے۔ اپنے اعمال کے وسیلے سے دعا کرنا نصوص شرعیہ کی روشنی میں
مشروع اور جائز ہے۔ ایمان کو نبی اکرم ﷺ کی ذات پر قیاس کرنا مفتی صاحب کا باطل قیاس
ہے۔ عبادات اسی طرح بجالاتی جائیں گی جس طرح شریعت نے رہنمائی فرمائی ہے۔ اپنی رائے
اور عقل سے عبادات کے نئے نئے طریقے گھڑنا تو بدعت ہے۔ عبادت کا ایسا طریقہ جو شریعت
نے نہیں بتایا، بدعت ہی کہلائے گا۔ پھر اگر ایمان کے وسیلے کی طرح نبی اکرم ﷺ کی ذات کا
وسیلہ پیش کرنا بھی جائز ہوتا تو صحابہ کرام اور ائمہ دین ضرور ایسا کرتے۔ سچا دین صحابہ کرام اور ائمہ
دین ہی کا تھا۔

معلوم ہوا کہ شیعہ، حنفی، دیوبندی اور بریلوی چاروں فرقے ممنوع، مکروہ اور بدعی و شرکی توسل کے قائل و فاعل ہیں۔

سلف صالحین کا توسل اور جناب کشمیری کا اعتراف

سلف صالحین کے نزدیک جو وسیلہ مشروع اور جائز ہے، اس کے متعلق دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب (1292-1352ھ) فرماتے ہیں:

وَاعْلَمَنَّ أَنَّ التَّوَسُّلَ بَيْنَ السَّلَفِ لَمْ يَكُنْ كَمَا هُوَ الْمَعْهُودُ بَيْنَنَا، فَإِنَّهُمْ إِذَا كَانُوا يُرِيدُونَ أَنْ يَتَوَسَّلُوا بِأَحَدٍ، كَانُوا يَذْهَبُونَ بِمَنْ يَتَوَسَّلُونَ بِهِ أَيْضًا مَعَهُمْ، لِيَدْعُو لَهُمْ.

”آپ کے علم میں ہونا چاہیے کہ اسلاف امت میں توسل کا وہ طریقہ موجود نہیں تھا جو ہمارے ہاں رائج ہے۔ سلف تو جب کسی کا وسیلہ لینا چاہتے تو اسے اپنے ساتھ لے جاتے تاکہ وہ ان کے لیے دُعا کر دے۔“ (فیض الباری علی صحیح البخاری: 3/434)

الحمد للہ! اہل حدیث، سلف کے عقیدہ و منہج اور مذہب پر قائم ہیں۔ ہمارے نزدیک بھی کسی نیک شخص سے توسل کی یہی صورت درست ہے کہ اس سے دُعا کرائی جائے اور اسی وجہ سے ہم فوت شدگان سے توسل کے قائل نہیں۔ کتاب و سنت اور اجماع امت اس پر شاہد ہیں۔ جناب کشمیری صاحب بھی اس بات کے معترف ہیں کہ سلف صرف نیک لوگوں کی دُعا کے وسیلے کے قائل تھے۔ کشمیری صاحب کا یہ اعتراف اہل حدیث کے اہل حق ہونے کی واضح گواہی ہے۔

جناب انور شاہ کشمیری صاحب اپنے بدعی توسل کے بارے میں لکھتے ہیں:

أَمَّا التَّوَسُّلُ بِأَسْمَاءِ الصَّالِحِينَ كَمَا هُوَ الْمُتَعَارَفُ فِي زَمَانِنَا، بِحَيْثُ لَا يَكُونُ لِلْمَتَوَسِّلِينَ بِهِمْ عِلْمٌ بِتَوَسُّلِنَا، بَلْ لَا تُشْتَرَطُ فِيهِ حَيَاتُهُمْ أَيْضًا، وَإِنَّمَا يَتَوَسَّلُ بِذِكْرِ أَسْمَائِهِمْ فَحَسْبُ، زَعَمًا مِنْهُمْ أَنَّ لَهُمْ وَجَاهَةً عِنْدَ اللَّهِ وَقَبُولًا، فَلَا يُضَيِّعُهُمْ بِذِكْرِ

أَسْمَائِهِمْ، فَذَلِكَ أَمْرٌ لَا أَحِبُّ أَنْ أَقْتَحِمَ فِيهِ، فَلَا أَدْعِي ثُبُوتَهُ عَنِ السَّلَفِ وَلَا أَنْكُرُ.

”سلف صالحین کے ناموں کا وسیلہ دینا، جیسا کہ ہمارے زمانے میں رائج ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جن نیک لوگوں کا وسیلہ ہم دے رہے ہوتے ہیں، ان کو ہمارے اس عمل کا علم تک نہیں ہوتا، بلکہ ان کا زندہ ہونا بھی ضروری نہیں ہوتا۔ صرف ان کے نام کا وسیلہ دیا جاتا ہے اور عقیدہ یہ رکھا جاتا ہے کہ ان نیک لوگوں کو اللہ کے ہاں ایک مقام اور قبولیت حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ ان نیک لوگوں کا نام لینے پر انہیں نامراد نہیں کرے گا۔ یہ ایسا معاملہ ہے کہ میں اس میں ٹانگ اڑانا پسند نہیں کرتا۔ نہ میں اس وسیلے سے انکار کرتا ہوں نہ سلف سے اس کے ثابت ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔“ (فیض الباری: 424/3)

یعنی کشمیری صاحب کو اعتراف ہے کہ فوت شدہ بزرگوں کے وسیلے سے دُعا کرنا سلف صالحین سے ثابت نہیں۔ لیکن ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ جو وسیلہ سلف سے ثابت نہیں، میں اس کا انکار بھی نہیں کرتا۔ کتنی حیرانی کی بات ہے کہ سلف سے عدم ثبوت کا اقرار کرنے کے باوجود کشمیری صاحب متاخرین متکلمین کا وضع کردہ بدعی وسیلہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنی مکمل بے بسی کا اظہار بھی کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو قبول کرنے اور باطل کو ترک کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔

صحیح بخاری میں مذکور صحابہ کرام کی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے توسل والی حدیث کی شرح میں کشمیری صاحب لکھتے ہیں:

قُلْتُ: وَهَذَا تَوَسَّلُ فِعْلِي، لِأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ لَهُ بَعْدَ ذَلِكَ: قُمْ يَا عَبَّاسُ! فَاسْتَسْقِ، فَكَانَ يَسْتَسْقِي لَهُمْ، فَلَمْ يَثْبُتْ مِنْهُ التَّوَسُّلُ الْقَوْلِيُّ، أَيْ الْإِسْتِسْقَاءُ بِأَسْمَاءِ الصَّالِحِينَ فَقَطُّ، بَدُونِ شِرْكَتِهِمْ، أَقُولُ: وَعِنْدَ التِّرْمِذِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَ أَعْرَابِيًّا هَذِهِ الْكَلِمَاتِ، وَكَانَ أَعْمَى: اللَّهُمَّ! إِنِّي أَتُوجَّهُ إِلَيْكَ
بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ إِلَى قَوْلِهِ: اللَّهُمَّ! فَشَفِّعْهُ فِيَّ، فَفَبِتَ مِنْهُ
التَّوَسُّلَ الْقَوْلِيِّ أَيْضًا، وَحِينَئِذٍ انْكَارُ الْحَافِظِ ابْنِ تَيْمِيَّةَ تَطَاوُلٌ.

”میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں مذکورہ وسیلہ، فعلی وسیلہ ہے، کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کے
بعد سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کرتے: اے عباس! کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دُعا
فرمائیے۔ اس حدیث سے قولی وسیلہ ثابت نہیں ہوتا، یعنی نیک لوگوں کی دُعا میں شریک ہوئے
بغیر صرف ان کے نام کا وسیلہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ میں کہتا
ہوں کہ امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک نابینا اعرابی صحابی کو یہ کلمات
سکھائے: اے اللہ! میں تیری طرف تیرے نبی رحمت کے وسیلے سے توجہ کرتا ہوں۔۔۔ اے
اللہ! اپنے نبی کی سفارش میرے بارے میں قبول فرما۔۔۔ اس حدیث سے قولی توسل بھی ثابت
ہو گیا ہے، لہذا حافظ ابن تیمیہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس کا انکار تکلف ہے۔“ (فیض الباری: 4/68)

جناب کشمیری صاحب کی پریشانی کا اندازہ کریں کہ وہ ایک طرف اس بات کے اقراری
بھی ہیں کہ سلف صالحین سے نیک لوگوں کے ناموں کا وسیلہ ثابت نہیں، لیکن دوسری طرف
حدیث کو تروڑ مروڑ کر اس وسیلے کو ثابت کرنے پر بھی تلمے ہوئے ہیں۔ کتاب و سنت کی کوئی ایسی
نص نہیں جس پر سلف صالحین نے عمل نہ کیا ہو۔ اگر کسی حدیث سے دُعا میں اللہ تعالیٰ کو فوت شدہ
نیک بزرگوں کے ناموں کا وسیلہ دینا ثابت ہوتا تو سلف صالحین اسی طرح بھرپور انداز سے اس
پر عمل کرتے جس طرح وسیلے کی جائز صورتوں پر ان کا عمل کرنا ثابت ہے۔

رہی بات جامع ترمذی والی حدیث سے کشمیری صاحب کے استنباط کی، تو عرض ہے کہ اس
حدیث سے فوت شدہ نیک لوگوں کے ناموں کا واسطہ دینا ثابت نہیں ہوتا۔ اس حدیث کے الفاظ
ہی اس کی نفی کر رہے ہیں۔ اس حدیث میں صاف مذکور ہے کہ دعا کے وقت اللہ کے نبی ﷺ اس
اعرابی صحابی کے پاس موجود تھے اور آپ ﷺ نے صحابی کے لیے دُعا بھی کی تھی۔ اسی لیے تو آپ

نے اسے دُعا کے یہ الفاظ بھی سکھائے کہ اے اللہ! میرے بارے میں اپنے نبی کی سفارش قبول فرما۔ اگر آپ ﷺ نے اس صحابی کے لیے دُعا کی ہی نہیں تھی تو ان الفاظ کا کیا معنی؟ معلوم ہوا کہ اس حدیث سے بھی زندہ نیک شخص کی دُعا کا وسیلہ ہی ثابت ہوتا ہے۔ کشمیری صاحب اور ان کے ہمنوا حدیث کے معنی میں گڑبڑ کر کے اپنے بدعی وسیلے کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اسی لیے انہیں یہ ماننا پڑتا ہے کہ سلف سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ملے بھی کیسے کہ سلف تو کتاب و سنت پر عمل کرنے والے تھے۔

کیا اب بھی ثابت نہیں ہوا کہ اہل حدیث سلف صالحین کے عقیدہ و منہج پر قائم ہیں؟ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ مقلدین حضرات اپنے لیے عبادات کے نئے نئے طریقے ایجاد کرتے ہیں اور دعویٰ تقلید کے باوجود ان بدعی طریقوں کے ثبوت پر قرآن و حدیث سے دلائل تراشنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ سلف کے پیروکار تھے، اسی لیے انہوں نے نیک لوگوں کے ناموں کے وسیلے کو ناجائز قرار دیا۔ اس میں ان کا کیا قصور؟ انہوں نے تو لکھا ہے کہ:

وَحَدِيثُ الْأَعْمَى، لَا حُجَّةَ لَهُمْ فِيهِ، فَإِنَّهُ صَرِيحٌ فِي أَنَّهُ إِنَّمَا تَوَسَّلَ بِدُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَفَاعَتِهِ.

”ناپینا صحابی والی حدیث میں ان لوگوں کے حق میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ یہ حدیث صاف صاف بتا رہی ہے کہ صحابی نے نبی اکرم ﷺ کی دُعا اور شفاعت کا وسیلہ اختیار کیا تھا۔“

(قاعدة جليلية في التوسل، ص: 64)

یہ تو بات تھی ناپینا صحابی والی روایت کی، جبکہ صحیح بخاری کی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے توسل والی حدیث کے بارے میں کشمیری صاحب نے خود اقرار کیا ہے کہ اس سے ان کا موجودہ طریقہ توسل ثابت نہیں ہوتا۔ ان کی ایک مزید عبارت ملاحظہ فرمائیں:

قَوْلُهُ: اللَّهُمَّ! إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَيْسَ فِيهِ

التَّوَسُّلُ الْمَعْهُودُ الَّذِي يَكُونُ بِالْغَائِبِ حَتَّى قَدْ لَا يَكُونُ بِهِ شُعُورٌ أَصْلًا، بَلْ فِيهِ تَوَسُّلُ السَّلَفِ، وَهُوَ أَنْ يُقَدَّمَ رَجُلًا ذَا وَجَاهَةٍ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى وَيَأْمُرُهُ أَنْ يَدْعُو لَهُمْ، ثُمَّ يُحِيلُ عَلَيْهِ فِي دُعَائِهِ، كَمَا فَعَلَ بِالْعَبَّاسِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَمَّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَوْ كَانَ فِيهِ تَوَسُّلُ الْمُتَأَخِّرِينَ لَمَا احتاجُوا إِلَى إِذْهَابِ الْعَبَّاسِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَعَهُمْ، وَلَكَفَى لَهُمْ التَّوَسُّلُ بِنَبِيِّهِمْ بَعْدَ وَفَاتِهِ أَيضًا، أَوْ بِالْعَبَّاسِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَعَ عَدَمِ شُهُودِهِ مَعَهُمْ، وَهَذَا النَّحْوُ جَائِزٌ عِنْدَ الْمُتَأَخِّرِينَ، وَمَنْعَ مِنْهُ الْحَافِظُ ابْنُ تَيْمِيَّةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى، وَإِنِّي مُتَرَدِّدٌ فِيهِ، لِأَنَّهُ أَتَى بِعِبَارَةٍ عَنِ الْإِمَامِ مِنْ ((تَجْرِيدِ الْقُدُورِيِّ)) أَنَّ الْإِقْسَامَ عَلَى اللَّهِ بِغَيْرِ أَسْمَائِهِ لَا يَجُوزُ، فَتَمَسَّكَ بِنَفْيِ الْإِقْسَامِ عَلَى نَفْيِ التَّوَسُّلِ، فَإِنْ كَانَ التَّوَسُّلُ إِقْسَامًا فَالْمَسْأَلَةُ فِيهِ كَمَا ذَهَبَ إِلَيْهَا ابْنُ تَيْمِيَّةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ إِقْسَامًا يَبْقَى جَائِزًا.

”سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بارش کے موقع پر دُعا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہم پہلے تجھے اپنے نبی کا وسیلہ پیش کرتے تھے۔۔۔ ان الفاظ میں اس راجح طریقہ توسل کا ذکر نہیں جس میں کسی غائب شخص کا وسیلہ دیا جاتا ہے جسے اس بات کا شعور بھی نہیں ہوتا کہ کوئی اس کا وسیلہ پکڑ رہا ہے۔ اس حدیث میں تو سلف صالحین کے طریقہ توسل کا اثبات ہے۔ سلف کا طریقہ یہ تھا کہ وہ کسی مقرب الہی شخص کو آگے کرتے اور عرض کرتے کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں۔ پھر وہ اس سفارش کا حوالہ دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے۔ جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔ اگر اس حدیث میں بعد والے لوگوں کے وضع کردہ طریقہ توسل کا ذکر ہوتا تو پھر صحابہ کرام کو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے جانے کی ضرورت نہ پڑتی اور ان کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ ہی کا وسیلہ کافی ہوتا یا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ۔

کی عدم موجودگی میں ان کے نام کا وسیلہ دے دیا جاتا۔ (بعض) متاخرین کے نزدیک کسی نیک بزرگ کی ذات کا وسیلہ دینا جائز ہے لیکن حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نفی کی ہے۔ میں اس بارے میں تردد کا شکار ہوں کیونکہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے 'تجرید القدروی' سے امام صاحب کی ایک عبارت ذکر کی ہے کہ اللہ کے ناموں کے علاوہ کسی اور نام سے اللہ پر اقسام جائز نہیں۔ یعنی انہوں نے اقسام کی نفی سے توسل کی نفی کی دلیل لی ہے۔ اگر توسل اور اقسام ایک ہی چیز ہیں تو پھر ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی بات حق ہے اور اگر توسل و اقسام میں تفاوت ہے تو پھر توسل جائز رہے گا۔“

(فیض الباری: 2/379)

یعنی صحابہ و تابعین اور ائمہ دین میں سے کسی نے کبھی بھی اللہ تعالیٰ کو نیک لوگوں کی ذات یا ان کے ناموں کا وسیلہ نہیں دیا۔ یہ طریقہ کار تو بعد والوں کی ایجاد ہے۔ اب رہی اقسام علی اللہ بغیر اسماء کی بات کہ امام ابوحنیفہ نے اس کی نفی کی ہے اور اس نفی سے ذات کے توسل کی نفی ہوتی ہے، تو اس بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ حق بجانب ہیں۔ البتہ اس بحث کو سمجھنا اقسام علی اللہ کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ آئیے ایک نظر اس پر بھی کریں۔

اقسام علی اللہ اور توسل

عالم عرب کے مشہور عالم، محمد بن صالح عثیمین رحمۃ اللہ علیہ (1347-1421ھ) فرماتے ہیں:

وَإِلْقِسَامٍ عَلَى اللَّهِ أَنْ تَحْلِفَ عَلَى اللَّهِ أَنْ يَفْعَلَ، أَوْ تَحْلِفَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَفْعَلَ، مِثْلُ: وَاللَّهِ! لَيَفْعَلَنَّ اللَّهُ كَذَا، أَوْ وَاللَّهِ! لَا يَفْعَلُ اللَّهُ كَذَا، وَالْقَسَمُ عَلَى اللَّهِ يَنْقَسِمُ إِلَى أَقْسَامٍ: الْأَوَّلُ: أَنْ يَقْسِمَ بِمَا أَحْبَبَ اللَّهُ بِهِ وَرَسُولُهُ مِنْ نَفْيٍ أَوْ إِثْبَاتٍ، فَهَذَا لَا بَأْسَ بِهِ، وَهَذَا دَلِيلٌ عَلَى يَقِينِهِ بِمَا أَحْبَبَ اللَّهُ بِهِ وَرَسُولُهُ، مِثْلُ: وَاللَّهِ! لَيَشْفَعَنَّ اللَّهُ نَبِيَّهُ فِي الْحَلْقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمِثْلُ: وَاللَّهِ! لَا يَعْفُرُ اللَّهُ لِمَنْ أَشْرَكَ بِهِ، الثَّانِي: أَنْ يَقْسِمَ عَلَى رَبِّهِ لِقَوَّةٍ رَجَائِهِ وَحُسْنِ الظَّنِّ بِرَبِّهِ، فَهَذَا جَائِزٌ لِإِقْرَارِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَلِكَ فِي قِصَّةِ الرَّبِيعِ بِنْتِ النَّضْرِ عَمَّةِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، حِينَمَا كَسَرَتْ ثِيَّةَ جَارِيَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَاحْتَكَمُوا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْقِصَاصِ، فَعَرَّضُوا عَلَيْهِمُ الصُّلْحَ، فَأَبَوْا، فَقَامَ أَنَسُ بْنُ النَّضْرِ، فَقَالَ: أَتُكْسِرُ ثِيَّةَ الرَّبِيعِ؟ وَاللَّهِ! يَا رَسُولَ اللَّهِ، لَا تُكْسِرُ ثِيَّةَ الرَّبِيعِ، وَهُوَ لَا يُرِيدُ بِهِ رُدَّ الْحُكْمِ الشَّرْعِيِّ، فَقَالَ الرَّسُولُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَنَسُ! كِتَابُ اللَّهِ الْقِصَاصُ، يَعْنِي التَّسَنُّ بِالسِّنِّ، قَالَ: وَاللَّهِ! لَا تُكْسِرُ ثِيَّةَ الرَّبِيعِ، وَعَرَّضَهُ بِذَلِكَ أَنَّهُ لِقُوَّةِ مَا عِنْدَهُ مِنَ التَّصْمِيمِ عَلَى أَنْ لَا تُكْسَرَ، وَلَوْ بَدَلَ كُلِّ غَالٍ وَرَخِيصٍ، أَفْسَمَ عَلَى ذَلِكَ، فَلَمَّا عَرَفُوا أَنَّهُ مُصَيِّمٌ أَلْقَى اللَّهُ فِي قُلُوبِ الْأَنْصَارِ الْعَفْوَ، فَعَفَوْا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ مَنْ لَوْ أَفْسَمَ عَلَى اللَّهِ لِأَبْرَهُ، فَهُوَ لِقُوَّةِ رَجَائِهِ بِاللَّهِ وَحُسْنِ ظَنِّهِ أَفْسَمَ عَلَى اللَّهِ أَنْ لَا تُكْسَرَ ثِيَّةَ الرَّبِيعِ، فَأَلْقَى اللَّهُ الْعَفْوَ فِي قُلُوبِ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ صَمَّمُوا أَمَامَ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْقِصَاصِ، فَعَفَوْا وَأَخَذُوا الْأَرْضَ، فَشَاءَ الرَّسُولُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ شَهَادَةً بِأَنَّ الرَّجُلَ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ، وَأَنَّ اللَّهَ أَبْرَقَ سَمَهُ وَلَيْسَ لَهُ هَذِهِ الْقُلُوبُ، وَكَيْفَ لَا، وَهُوَ الَّذِي قَالَ: إِنَّهُ يَجِدُ رِيحَ الْجَنَّةِ دُونَ أَحَدٍ، وَلَمَّا اسْتَشْهَدُوا جَدَّ بِهِ بَضْعٌ وَثَمَانُونَ مَا بَيْنَ ضَرْبَةِ بِسِيفٍ أَوْ طَعْنَةِ بِرُمْحٍ، وَلَمْ يَعْرِفْهُ إِلَّا أُخْتُهُ بِنَانِهِ، وَهِيَ الرَّبِيعُ هَذِهِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْجَمِيعِ وَعَنَّا مَعَهُمْ، وَيَدُلُّ أَيْضًا لِهَذَا الْقِسْمِ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رُبَّ أَشْعَثَ مَدْفُوعٍ بِالْأَبْوَابِ، لَوْ أَفْسَمَ عَلَى اللَّهِ لِأَبْرَهُ (صحيح مسلم: 2662)، الْقِسْمُ الثَّلَاثُ: أَنْ يَكُونَ الْحَامِلُ لَهُ هُوَ

الإِعْجَابُ بِالنَّفْسِ، وَتَحَجُّرُ فَضْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَسُوءُ الظَّنِّ بِهِ تَعَالَى، فَهَذَا مُحَرَّمٌ، وَهُوَ وَشَيْكَ بِأَنْ يَحْبَطَ اللَّهُ عَمَلَ هَذَا الْمُتَقَسِمِ .

”اقسام علی اللہ کا معنی یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بارے میں قسم اٹھائیں کہ وہ یہ کام کرے گا یا نہیں کرے گا، مثلاً اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ ضرور ایسا کرے گا، یا اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں قسم کی کئی قسمیں ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ آدمی اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے دی گئی کسی خبر پر قسم اٹھائے جو نفی یا اثبات پر مبنی ہو۔ اس میں کوئی حرج والی بات نہیں۔ اس سے تو معلوم ہوگا کہ اس شخص کو اللہ اور اس کے رسول کی بیان کردہ خبر پر پورا یقین ہے، مثلاً اللہ کی قسم، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ضرور مخلوق کے بارے میں اپنے نبی کی سفارش قبول کرے گا اور مثلاً اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ شرک کرنے والے کو معاف نہیں فرمائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ انسان مضبوط امید اور اپنے رب پر حسن ظن کی بنا پر قسم اٹھائے تو یہ بھی جائز ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ربیع بنت نضر کے واقعہ میں اس قسم پر رضامندی کا اظہار کیا تھا۔ ہوا یوں کہ ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا نے ایک انصاری لڑکی کا دانت توڑ دیا تھا۔ انصار اس کے فیصلے کے لیے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے قصاص، یعنی دانت کے بدلے میں دانت توڑنے کا حکم صادر فرمایا۔ ربیع بنت نضر رضی اللہ عنہا کے گھر والوں نے دیت کی پیش کش کی لیکن انصار نے اسے مسترد کر دیا۔ اس پر انس بن نضر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: کیا ربیع کا دانت توڑا جائے گا؟ یا رسول اللہ! اللہ کی قسم، ربیع کا دانت نہیں توڑا جائے گا۔ انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا مقصد قصاص کے شرعی حکم کو ٹھکرانا ہرگز نہیں تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: انس! (انصار کے دیت پر راضی نہ ہونے کی بنا پر) اللہ تعالیٰ کی طرف سے قصاص فرض ہو گیا ہے۔ اس پر سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم، ربیع کا دانت نہیں توڑا جائے گا (صحیح البخاری: 2703)۔ مراد یہ تھی کہ ان کا پختہ عزم ہے کہ وہ ربیع کا دانت نہیں ٹوٹنے دیں گے، خواہ اس کے لیے کتنی بھی دولت (بطور دیت) صرف کرنا پڑے۔ اسی بنا پر

انہوں نے قسم اٹھالی۔ جب انصار کو معلوم ہو گیا کہ ان کا ارادہ بہت پختہ ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں معافی ڈال دی اور انہوں نے معاف کر دیا۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پورا کر دیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ سیدنا انس بن نصر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ پر اپنی مضبوط امید اور حسن ظن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھائی کہ ربیع کا دانت نہیں ٹوٹے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں کے دل میں درگزر ڈال دی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے قصاص لینے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے معاف کر دیا اور دیت قبول کر لی۔ اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے انس بن نصر رضی اللہ عنہ کے اس عمل کی تعریف، اس بات کی گواہی تھی کہ انس بن نصر رضی اللہ عنہ اللہ کے مقرب بندے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم کو پورا کرتے ہوئے ان کے لیے انصار کے دلوں کو نرم فرما دیا۔ ایسا کیوں نہ ہوتا؟ یہ وہی شخص تھے جنہوں نے فرمایا تھا کہ انہیں اُحد کے پار سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ اور جب وہ شہید ہوئے تو ان کے جسم پر تلواروں اور نیزوں کے اسی سے زائد زخم تھے۔ ان کو کوئی پہچان نہ پایا اور صرف ان کی اسی بہن ربیع نے انہیں پہچانا۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے اور ان کے ساتھ ہم سے بھی راضی ہو جائے۔ اس قسم کے جائز ہونے پر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی دلالت کرتا ہے کہ کتنے ہی پراگندہ اور دروازوں سے دھکے مار کر دُور کیے جانے والے لوگ ہیں جو اللہ پر قسم اٹھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے پورا کر دیتا ہے (صحیح مسلم: 2662)۔ اقسام علی اللہ کی تیسری صورت یہ ہے کہ آدمی کو تکبر، اللہ تعالیٰ کے فضل کو محدود کرنے کی خواہش اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدظنی ایسی قسم اٹھانے پر آمادہ کرے۔ یہ قسم حرام ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا کرنے والے کے اعمال کو غارت کر دے۔۔۔“

(القول المفید علی کتاب التوحید، ص: 562-563)

علامہ ابن ابی العزحفی رضی اللہ عنہ (731-792ھ) اقسام علی اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَأَمَّا إِلاَّ سْتَشْفَعُ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِ فِي الدُّنْيَا إِلَى اللَّهِ تَعَالَى

فِي الدَّعَاءِ، فَفِيهِ تَفْصِيلٌ: فَإِنَّ الدَّاعِيَ تَارَةً يَقُولُ: بِحَقِّ نَبِيِّكَ أَوْ بِحَقِّ فُلَانٍ، يُقَسِّمُ عَلَى اللَّهِ بِأَحَدٍ مِّنْ مَّخْلُوقَاتِهِ، فَهَذَا مَحْذُورٌ مِّنْ وَجْهَيْنِ: أَحَدُهُمَا: أَنَّهُ أَقْسَمَ بِغَيْرِ اللَّهِ، وَالثَّانِي: اعْتِقَادُهُ أَنَّ لِأَحَدٍ عَلَى اللَّهِ حَقًّا، وَلَا يَجُوزُ الْحَلْفُ بِغَيْرِ اللَّهِ، وَلَيْسَ لِأَحَدٍ عَلَى اللَّهِ حَقٌّ إِلَّا مَا أَحَقَّهُ عَلَى نَفْسِهِ، كَقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الروم: 47). وَكَذَلِكَ مَا ثَبَتَ فِي الصَّحِيحَيْنِ مِنْ قَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمُعَاذِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَهُوَ رَدِيْفُهُ: يَا مُعَاذُ! أَتَدْرِي مَا حَقُّ اللَّهِ عَلَى عِبَادِهِ؟ قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: حَقُّهُ عَلَيْهِمْ أَنْ يَعْبُدُوهُ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، أَتَدْرِي مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَى اللَّهِ إِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ؟ قُلْتُ: اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: حَقُّهُمْ عَلَيْهِ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ. فَهَذَا حَقٌّ وَجَبَ بِكَلِمَاتِهِ التَّامَّةِ وَوَعْدِهِ الصَّادِقِ، لَا أَنَّ الْعَبْدَ نَفْسَهُ مُسْتَحَقٌّ عَلَى اللَّهِ شَيْئًا كَمَا يَكُونُ لِلْمَخْلُوقِ عَلَى الْمَخْلُوقِ، فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُنْعَمُ عَلَى الْعِبَادِ بِكُلِّ خَيْرٍ، وَحَقُّهُمْ الْوَاجِبُ بِوَعْدِهِ هُوَ أَنْ لَا يُعَذِّبَهُمْ، وَتَرْكُ تَعَذِّبِهِمْ مَعْنَى لَا يَصْلُحُ أَنْ يُقَسِّمَ بِهِ، وَلَا أَنْ يُسْأَلَ بِسَبَبِهِ وَيَتَوَسَّلَ بِهِ، لِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ مَا نَصَبَهُ اللَّهُ سَبَبًا. وَكَذَلِكَ الْحَدِيثُ الَّذِي فِي الْمُسْنَدِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِي قَوْلِ الْمَاشِي إِلَى الصَّلَاةِ: أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مَمَشَايَ هَذَا، وَبِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ، فَهَذَا حَقُّ السَّائِلِينَ، هُوَ أَوْ جَبَهُ عَلَى نَفْسِهِ، فَهُوَ الَّذِي أَحَقَّ لِلْسَّائِلِينَ أَنْ يُجِيبَهُمْ، وَلِلْعَابِدِينَ أَنْ يُشِيبَهُمْ، وَلَقَدْ أَحْسَنَ الْقَائِلُ:

مَالِ الْعِبَادِ عَلَيْهِ حَقٌّ وَاجِبٌ كَلًّا، وَلَا سَعْيَ لَدَيْهِ ضَاعٌ

إِنَّ عَذِّبُوا فِعْدَلِهِ، أَوْ نَعْمُوا فَبِفَضْلِهِ، وَهُوَ الْكَرِيمُ السَّمِيعُ
 فَإِنْ قِيلَ: فَأَيُّ فَرْقٍ بَيْنَ قَوْلِ الدَّاعِي: بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ، وَبَيْنَ قَوْلِهِ:
 بِحَقِّ نَبِيِّكَ، أَوْ نَحْوِ ذَلِكَ؟ فَالْجَوَابُ: أَنَّ مَعْنَى قَوْلِهِ: بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ،
 أَنْتَ وَعَدَّتِ السَّائِلِينَ بِالْإِجَابَةِ، وَأَنَا مِنْ جُمْلَةِ السَّائِلِينَ، فَأَجِبْ دُعَائِي،
 بِخِلَافِ قَوْلِهِ: بِحَقِّ فُلَانٍ، فَإِنَّ فُلَانًا وَإِنْ كَانَ لَهُ حَقٌّ عَلَى اللَّهِ بِوَعْدِهِ الصَّادِقِ،
 فَلَا مُنَاسَبَةَ بَيْنَ ذَلِكَ وَبَيْنَ إِجَابَةِ دُعَاءِ هَذَا السَّائِلِ، فَكَأَنَّهُ يَقُولُ: لَكُونِ فُلَانٍ مِنْ
 عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ أَجِبْ دُعَائِي! وَأَيُّ مُنَاسَبَةٍ فِي هَذَا وَأَيُّ مَلَازِمَةٍ؟ وَإِنَّمَا هَذَا
 مِنَ الْإِعْتِدَاءِ فِي الدُّعَاءِ! وَقَدْ قَالَ تَعَالَى: ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا
 يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ (الأعراف: 55). وَهَذَا وَنَحْوُهُ مِنَ الْأَدْعِيَةِ الْمُتَبَدِّعَةِ، وَلَمْ يُتَقَلَّ
 عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا عَنِ الصَّحَابَةِ، وَلَا عَنِ التَّابِعِينَ، وَلَا عَنِ أَحَدٍ
 مِنَ الْأَيِّمَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، وَإِنَّمَا يُوجَدُ مِثْلُ هَذَا فِي الْحُرُوزِ وَالْهَيَاكِلِ الَّتِي
 يَكْتُبُ بِهَا الْجُهَّالُ وَالطُّرُقِيَّةُ. وَالِدُّعَاءُ مِنْ أَفْضَلِ الْعِبَادَاتِ، وَالْعِبَادَاتُ مَبْنَاهَا
 عَلَى السُّنَّةِ وَالِاتِّبَاعِ، لَا عَلَى الْهَوَى وَالِابْتِدَاعِ، وَإِنْ كَانَ مُرَادُهُ الْإِقْسَامُ عَلَى
 اللَّهِ بِحَقِّ فُلَانٍ، فَذَلِكَ مَحْدُورٌ أَيْضًا، لِأَنَّ الْإِقْسَامَ بِالْمَخْلُوقِ لَا يَجُوزُ، فَكَيْفَ
 عَلَى الْخَالِقِ؟ وَقَدْ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ،
 وَلِهَذَا قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ وَصَاحِبَاهُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ: يُكْرَهُ أَنْ يَقُولَ الدَّاعِي: أَسْأَلُكَ
 بِحَقِّ فُلَانٍ، أَوْ بِحَقِّ أَنْبِيَائِكَ وَرُسُلِكَ، وَبِحَقِّ الْبَيْتِ الْحَرَامِ، وَالْمَشْعَرِ
 الْحَرَامِ، وَنَحْوِ ذَلِكَ حَتَّى كَرِهَ أَبُو حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٌ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنْ يَقُولَ

الرَّجُلُ: اللَّهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ، وَلَمْ يَكْرَهُهُ أَبُو يُوسُفَ
رَحِمَهُ اللَّهُ لَمَّا بَلَغَهُ الْأَثَرُ فِيهِ، وَتَارَةً يَقُولُ: بِجَاهِ فُلَانٍ عِنْدَكَ، يَقُولُ: نَتَوَسَّلُ
إِلَيْكَ بِأَنْبِيَائِكَ وَرُسُلِكَ وَأَوْلِيَائِكَ. وَمُرَادُهُ أَنَّ فُلَانًا عِنْدَكَ ذُو وَجَاهَةٍ
وَشَرَفٍ وَمَنْزِلَةٍ فَاجِبُ دُعَائِنَا، وَهَذَا أَيْضًا مَحْدُورٌ، فَإِنَّهُ لَوْ كَانَ هَذَا هُوَ التَّوَسُّلُ
الَّذِي كَانَ الصَّحَابَةُ يَفْعَلُونَهُ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَفَعَلُوهُ بَعْدَ مَوْتِهِ،
وَإِنَّمَا كَانُوا يَتَوَسَّلُونَ فِي حَيَاتِهِ بِدُعَائِهِ، يَطْلُبُونَ مِنْهُ أَنْ يَدْعُوَ لَهُمْ، وَهُمْ يُؤَمِّنُونَ
عَلَى دُعَائِهِ، كَمَا فِي الْإِسْتِسْقَاءِ وَغَيْرِهِ، فَلَمَّا مَاتَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُمَرُ
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمَّا خَرَجُوا يَسْتَسْقُونَ: اللَّهُمَّ! إِنَّا كُنَّا إِذَا أَجَدَبْنَا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا
فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا. مَعْنَاهُ بِدُعَائِهِ هُوَ رَبُّهُ، وَشَفَاعَتِهِ وَسُؤَالِهِ،
لَيْسَ الْمُرَادُ أَنَّا نُنْقِصُكَ عَلَيْكَ (بِهِ)، أَوْ نَسْأَلُكَ بِجَاهِهِ عِنْدَكَ، إِذْ لَوْ كَانَ ذَلِكَ
مُرَادًا لَكَانَ جَاهُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْظَمَ وَأَعْظَمُ مِنْ جَاهِ الْعَبَّاسِ. وَتَارَةً
يَقُولُ: بِأَتْبَاعِي لِرَسُولِكَ وَمَحَبَّتِي لَهُ وَإِيمَانِي بِهِ وَسَائِرِ أَنْبِيَائِكَ وَرُسُلِكَ
وَتَصَدِيقِي لَهُمْ، وَنَحْوِ ذَلِكَ. فَهَذَا مِنْ أَحْسَنِ مَا يَكُونُ فِي الدُّعَاءِ وَالتَّوَسُّلِ
وَالْإِسْتِسْقَاءِ. فَلَفْظُ التَّوَسُّلِ بِالشَّخْصِ وَالتَّوَجُّهُ بِهِ فِيهِ إِجْمَالٌ، غَلِطَ بِسَبَبِهِ مَنْ
لَمْ يَفْهَمْ مَعْنَاهُ: فَإِنْ أُرِيدَ بِهِ التَّسَبُّبُ بِهِ لِكُونِهِ دَاعِيًا وَشَافِعًا، وَهَذَا فِي حَيَاتِهِ
يَكُونُ، أَوْ لِكُونِ الدَّاعِي مُحِبًّا لَهُ، مُطِيعًا لِأَمْرِهِ، مُقْتَدِيًا بِهِ، وَذَلِكَ أَهْلٌ لِلْمَحَبَّةِ
وَالتَّوَسُّلِ وَالتَّوَسُّلِ إِذَا بَدِعَ الوَسِيلَةَ وَشَفَاعَتِهِ، وَإِنَّمَا بِمَحَبَّةِ
السَّائِلِ وَاتِّبَاعِهِ، أَوْ يُرَادُ بِهِ الْإِقْسَامُ بِهِ وَالتَّوَسُّلُ بِدَاتِهِ، فَهَذَا الثَّانِي هُوَ الَّذِي

كَرَهُهُ وَنَهَوُ اعْنَهُ، وَكَذَلِكَ السُّؤَالُ بِالشَّيْءِ، قَدْ يُرَادُ بِهِ التَّسْبُبُ بِهِ، لِكُونِهِ سَبَبًا فِي حُصُولِ الْمَطْلُوبِ، وَقَدْ يُرَادُ (بِهِ) الْإِقْسَامُ بِهِ.

”دنیا میں دُعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو نبی اکرم ﷺ یا کسی اور مخلوق کا واسطہ اور وسیلہ دینے کا مسئلہ تفصیل کا متقاضی ہے۔ دعا کرنے والا شخص بسا اوقات کہتا ہے کہ اے اللہ! اپنے نبی یا فلاں شخص کے طفیل میری دعا قبول کر لے، یعنی وہ کسی مخلوق کی قسم اللہ تعالیٰ پر ڈالتا ہے۔ یہ کام دو وجہ سے ممنوع ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی۔ دوسرے اس بنا پر کہ اس نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق بھی ہے۔ حالانکہ نہ غیر اللہ کی قسم جائز ہے نہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق ہے، سوائے اس حق کے جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لازم کیا۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الروم: 47) (ہمارے اوپر مؤمنوں کی مدد لازم ہے)۔ اسی طرح صحیح بخاری و مسلم میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے جو آپ کے پیچھے سوار تھے، فرمایا: اے معاذ! کیا آپ جانتے ہیں کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق کیا ہے؟ معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی کو بہتر معلوم ہے۔ آپ نے فرمایا: بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ پھر فرمایا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ جب بندے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور شرک نہ کریں تو اللہ تعالیٰ پر ان بندوں کا کیا حق ہے؟ میں نے پھر عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پر بندوں کا یہ حق ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ کرے۔۔۔ (قرآن و حدیث سے اللہ تعالیٰ پر بندوں کا حق تو ثابت ہو گیا) لیکن یہ ایسا حق ہے جو اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات اور سچے وعدے کی بنا پر لازم ہوا ہے۔ ایسا نہیں کہ کوئی بندہ بذاتِ خود اس کا حقدار ہوا ہو جیسا کہ مخلوق کا مخلوق پر حق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بندوں کو تمام بھلائیوں سے نوازنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی نے ان سے وعدہ کر کے انہیں عذاب نہ دینے کا حق اپنے اوپر لازم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے مؤحد بندوں کو عذاب نہ کرنا ایسی بات نہیں کہ اس کی قسم اٹھائی

جائے اور اس کے طفیل دعا کی جائے اور اس کا وسیلہ پکڑا جائے، کیونکہ دعا کی قبولیت کا سبب تو وہی چیز بنے گی جسے اللہ تعالیٰ نے سبب بنایا ہے۔۔۔ اسی طرح سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی مسند احمد والی (3/21، سنن ابن ماجہ: 778-779) یاد رہے کہ یہ روایت عطیہ عوفی کی وجہ سے ضعیف ہے۔) وہ حدیث ہے جس میں نماز کے لیے پیدل چلنے والے شخص کی دعایوں ذکر کی گئی ہے کہ اے اللہ! میں اپنے اس پیدل چلنے کے صدقے اور سوالیوں کے تجھ پر موجود حق کے طفیل سوال کرتا ہوں۔۔۔ تو اس سے مراد سوالیوں کا وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لازم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود سوالیوں کی دعا کو قبول کرنے اور عبادت گزاروں کو ثواب عطا فرمانے کا حق تسلیم کیا ہے۔ کسی عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بندوں کا ہرگز کوئی لازم حق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی کاوش رائیگاں نہیں ہوتی۔ اگر اللہ بندوں کو عذاب دے تو یہ اس کا عدل ہے اور اگر وہ انہیں نعمتوں سے نوازے تو یہ اس کا فضل ہے۔ وہ کریم اور سمیع ہے۔۔۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ سوالیوں کے حق کے طفیل دعا کرنے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صالحین کے طفیل دعا کرنے میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ کے الفاظ سے دعا کرنے والا کہتا ہے کہ اے اللہ! تو نے مانگنے والوں سے دعا کی قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے۔ میں بھی سوالی ہوں لہذا تو میری دعا قبول فرمالے۔ بِحَقِّ فُلَانٍ کے الفاظ اس کے برعکس ہیں۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے سچے وعدے کے مطابق بندوں کے لیے (نصرت وغیرہ کا) حق ہوتا ہے لیکن اس حق کا کسی بندے کی دعا کی قبولیت سے کیا تعلق؟ گویا یہ کہا جاتا ہے کہ اے اللہ! فلاں شخص تیرا نیک بندہ ہے، لہذا میری دعا قبول فرمالے۔ بھلا ان دونوں باتوں کی آپس میں کیا مناسبت ہے؟ دعا میں ایسا کرنا بے ڈھنگا پن اور زیادتی ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ (الأعراف: 55) (تم اپنے رب سے گڑگڑا کر اور مخفی انداز میں دعا کرو۔ بلاشبہ وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا)۔ یعنی یہ اور اس طرح کے دیگر دعائیہ الفاظ بدعیہ ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام، تابعین

عظام اور ائمہ دین میں سے کسی سے بھی ایسی کوئی دعا منقول نہیں۔ اس طرح کے الفاظ تو ان تعویذ گنڈوں میں موجود ہوتے ہیں جنہیں جاہل قسم کے دم جھاڑا کرنے والے لوگ لکھتے ہیں۔ دعائے افضل عبادت ہے اور عبادات کی بنیاد سنت اور اتباع رسول پر ہوتی ہے، خواہشات نفس اور بدعات پر نہیں ہوتی۔ اگر ایسا کرنے والے شخص کی مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کے طفیل قسم ڈالی جائے تو یہ بھی ممنوع ہے، کیونکہ مخلوق کی قسم تو ویسے بھی جائز نہیں، خالق پر کیسے جائز ہوگی؟ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی، اس نے شرک کا ارتکاب کیا۔ اسی لیے امام ابوحنیفہ اور ان کے دونوں شاگردوں (قاضی ابو یوسف اور محمد بن حسن شیبانی) رضی اللہ عنہم نے انبیاء و رسل، بیت اللہ، مشعر حرام وغیرہ کے طفیل دُعایا مانگنے کو ناپسند کیا ہے۔ حتیٰ کہ امام ابوحنیفہ اور محمد بن حسن نے تو عرش کو پیدا کرنے والی قدرت کے واسطے سے دعا کرنا بھی مکروہ قرار دیا ہے، جبکہ ابو یوسف نے اسے مکروہ نہیں جانا کیونکہ انہیں اس بارے میں ایک روایت پہنچ گئی تھی [الدعوات الکبیر للبیہقی: 443]۔ یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ اس میں ایک تو عمر بن ہارون با تفاق محدثین متروک و کذاب ہے، دوسرے عامر بن خدش کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس میں کمزوری ہے (تاریخ الإسلام: 96/5)۔ تیسرے اس میں ابن جریج مدلس ہیں۔ چوتھے اس کے بارے میں حافظ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے من گھڑت ہونے میں کوئی شبہ نہیں (نصب الرایة للزیلعی الحنفی: 273/4)۔ بسا اوقات دعا کرنے والا کہتا ہے کہ فلاں شخص کے تیرے دربار میں مقام و مرتبہ کے طفیل۔ ہم تجھے تیرے انبیاء، رسل اور اولیاء کا وسیلہ دیتے ہیں۔۔۔ اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں شخص تیرے ہاں مقام و مرتبہ اور شرف رکھتا ہے، لہذا ہماری دُعا قبول فرما۔ یہ بھی ممنوع ہے، کیونکہ اگر وسیلے کا یہ طریقہ وہی ہوتا جو صحابہ کرام، نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں اختیار کرتے تھے تو وہ اسے آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی اختیار کرتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں آپ کی دُعا کا وسیلہ اختیار کرتے تھے، یعنی آپ سے دُعا کی درخواست کرتے تھے اور آپ کی دُعا پر آمین کہتے تھے۔ استسقاء (بارش طلبی کی دعا) وغیرہ میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ لیکن جب آپ ﷺ وفات پا گئے تو بارش طلب کرنے کے لیے باہر نکل کر سیدنا

عمر رضی اللہ عنہ نے یوں کہا: اے اللہ! پہلے ہم جب خشک سالی میں مبتلا ہوتے تو اپنے نبی کا وسیلہ اختیار کرتے تھے۔ اب ہم تیری طرف اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لے کر آئے ہیں۔ یعنی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ تجھ سے ہمارے لیے دُعا و سفارش کریں گے۔ آپ کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا اللہ تعالیٰ کو سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی قسم دی جائے یا ان کے مقام و مرتبے کے وسیلے سے مانگا جائے۔ اگر یہ طریقہ جائز ہوتا تو پھر نبی اکرم ﷺ کی شان و منزلت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی شان و منزلت سے بہت بہت زیادہ تھی۔۔۔ بسا اوقات دعا کرنے والا کہتا ہے کہ اے اللہ! میں تیرے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہوں، آپ ﷺ اور دیگر تمام انبیاء و رسل پر ایمان لاتا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا ہوں، اس بنا پر تو میری دُعا قبول کر لے۔۔۔ تو یہ دعا اور وسیلے کا بہترین طریقہ ہے۔ رہی بات کسی شخص کے وسیلے یا اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کی تو یہ تفصیل طلب مسئلہ ہے۔ اس کا صحیح معنی نہ سمجھ سکنے کی بنا پر بعض لوگوں نے غلطی کھائی ہے۔ اگر اس سے اس شخص کی دعا و سفارش کو وسیلہ بنانا مراد ہے تو وہ ایسے نیک شخص کی زندگی ہی میں ممکن ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہو سکتی ہے کہ دُعا کرنے والا شخص جس نیک ہستی کا وسیلہ دے رہا ہے، اس سے محبت کرتا ہے اور اس کا مطیع و فرمانبردار ہے بشرطیکہ وہ نیک ہستی محبت، اطاعت اور فرمانبرداری کی مستحق بھی ہو (یعنی نبی ﷺ ہوں)۔ مذکورہ صورتوں میں یہ تو نیک شخص کی دعا و سفارش کا ہوگا یا دُعا کرنے والے کی محبت و اطاعت (جو کہ اس کا نیک عمل ہے) کا ہوگا۔ اس تو نیک شخص کی دعا و سفارش کی دوسری قسم یہ ہو سکتی ہے کہ وسیلہ دینے والے کی مراد یہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کو کسی نیک ہستی کی قسم ڈالے یا اس کی ذات کا وسیلہ اختیار کرے۔ یہی دوسری قسم ائمہ کرام کے ہاں مکروہ اور ممنوع ہے۔۔۔“

(شرح العقیدة الطحاویة، ص: 236-238)

علامہ بروکی حنفی (م 981ھ) دعا میں ممنوع تو نیک کے بارے میں اپنا اور اپنے ائمہ کا

نظر یہ یوں بیان کرتے ہیں:

وَالْمَقْصُودُ أَنَّ الشَّيْطَانَ يُلَطِّفُ كَيْدَهُ لِلْإِنْسَانِ بِتَحْسِينِ الدُّعَاءِ لَهُ عِنْدَ

الْقَبْرِ وَجَعَلَهُ أَرْجَحَ مِنْهُ فِي بَيْتِهِ وَمَسْجِدِهِ وَأَوْقَاتِ الْأَسْحَارِ. فَإِذَا قَرَّرَ ذَلِكَ عِنْدَهُ نَقَلَهُ دَرَجَةً أُخْرَى مِنَ الدَّعَاءِ عِنْدَهُ إِلَى الدَّعَاءِ بِصَاحِبِ الْقَبْرِ وَالْإِقْسَامِ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى بِهِ، وَهَذَا أَعْظَمُ مِنَ الَّذِي قَبْلَهُ، فَإِنَّ شَأْنَهُ تَعَالَى أَعْظَمُ مِنْ أَنْ يُقْسَمَ عَلَيْهِ بِأَحَدٍ مِنْ خَلْقِهِ أَوْ يُسْأَلَ بِأَحَدٍ مِنْ خَلْقِهِ. وَقَدْ أَنْكَرَ أَيْمَةُ الْإِسْلَامِ ذَلِكَ، فَقَالَ أَبُو الْحَسَنِ الْقُدُورِيُّ فِي (شَرْحِ كِتَابِ الْكَرْحِيِّ)، قَالَ بِشْرُ بْنُ الْوَلِيدِ: سَمِعْتُ أَبَا يُوسُفَ يَقُولُ: قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: لَا يَتَّبِعِي لِأَحَدٍ أَنْ يَدْعُوَ اللَّهَ تَعَالَى إِلَّا بِهِ، قَالَ: وَأَكْرَهُ أَنْ يَقُولَ: أَسْأَلُكَ بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ، وَأَكْرَهُ أَنْ يَقُولَ: بِحَقِّ فُلَانٍ وَبِحَقِّ أَنْبِيَائِكَ وَرُسُلِكَ وَبِحَقِّ الْبَيْتِ الْحَرَامِ. قَالَ أَبُو الْحَسَنِ: أَمَّا الْمَسْأَلَةُ بِغَيْرِ اللَّهِ فَمُنْكَرَةٌ فِي قَوْلِهِمْ، لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِغَيْرِ اللَّهِ عَلَيْهِ، وَإِنَّمَا الْحَقُّ لِلَّهِ تَعَالَى عَلَى خَلْقِهِ. قَالَ ابْنُ بُلْدَجِيٍّ فِي (شَرْحِ الْمُحْتَارِ): وَيَكْرَهُ أَنْ يَدْعُوَ اللَّهَ تَعَالَى إِلَّا بِهِ، فَلَا يَقُولُ: أَسْأَلُكَ بِفُلَانٍ أَوْ بِمَلَائِكَتِكَ أَوْ أَنْبِيَائِكَ أَوْ نَحْوِ ذَلِكَ، لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لِلْمَخْلُوقِ عَلَى خَالِقِهِ، أَوْ يَقُولُ فِي دُعَائِهِ: أَسْأَلُكَ بِمَعْقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِكَ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ جَوَّازُهُ لِمَا رَوَى أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَعَا بِذَلِكَ، وَلِأَنَّ مَعْقِدَ الْعِزِّ مِنَ الْعَرْشِ إِنَّمَا يُرَادُ بِهِ الْقُدْرَةُ الَّتِي خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى بِهَا الْعَرْشَ مَعَ عَظَمَتِهِ، فَكَانَتْهُ سُبُلًا بِأَوْصَافِهِ. وَمَا قَالَ فِيهِ أَبُو حَنِيفَةَ وَأَصْحَابُهُ: أَكْرَهُ كَذَا، فَهُوَ عِنْدَ مُحَمَّدٍ حَرَامٌ وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ هُوَ إِلَى الْحَرَامِ أَقْرَبُ وَجَانِبُ التَّحْرِيمِ عَلَيْهِ أَغْلَبُ. فَإِذَا قَرَّرَ الشَّيْطَانُ عِنْدَهُ أَنَّ الْإِقْسَامَ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى بِهِ وَالدَّعَاءَ بِهِ أَجْلَبُ فِي تَعْظِيمِهِ وَاحْتِرَامِهِ وَأَنْجَعُ فِي قَضَائِهِ حَاجَتِهِ، نَقَلَهُ دَرَجَةً أُخْرَى إِلَى دُعَائِهِ نَفْسِهِ

مِنْ دُونَ اللَّهِ وَالنَّذْرِ لَهُ، ثُمَّ يَنْقُلُهُ بَعْدَ ذَلِكَ دَرَجَةً أُخْرَى إِلَى أَنْ يَتَّخِذَ قَبْرَهُ وَثَنًا يُعَكِّفُ عَلَيْهِ، وَيُوقِدَ عَلَيْهِ الْقِنْدِيلَ وَالشَّمْعَ، وَيُعَلِّقُ عَلَيْهِ الشُّتُونَ، وَيَبْنِي عَلَيْهِ الْمَسْجِدَ، وَيَعْبُدُهُ بِالسُّجُودِ لَهُ وَالطَّوَافِ بِهِ وَتَقْيِيلِهِ وَاسْتِلامِهِ وَالْحَجِّ إِلَيْهِ وَالذَّبْحِ عِنْدَهُ، ثُمَّ يَنْقُلُهُ دَرَجَةً أُخْرَى إِلَى دُعَاءِ النَّاسِ إِلَى عِبَادَتِهِ وَاتِّخَاذِهِ عَيْدًا وَمَنْسَكًا، وَأَنَّ ذَلِكَ أَنْفَعُ لَهُمْ فِي دُنْيَاهُمْ وَآخِرَتِهِمْ.

”حاصل کلام یہ ہے کہ شیطان انسان کے خلاف بڑی خفیہ تدبیر کرتا ہے، وہ اسے یہ باور کراتا ہے کہ قبر کے پاس دعا کرنا مستحسن امر ہے، بلکہ وہ اس کے ذہن میں ڈال دیتا ہے کہ قبر کے پاس دعا کرنا گھر، مسجد اور سحری کے اوقات میں دعا کرنے سے افضل ہے۔ جب انسان کے ذہن میں یہ بات راسخ ہو جاتی ہے تو شیطان اسے ایک درجہ اوپر لے جاتا ہے اور اسے یہ باور کراتا ہے کہ صاحب قبر سے دعا کرنا اور اللہ تعالیٰ کو اس کی قسم دینا بھی مستحسن ہے۔ اس کی یہ تدبیر، پہلی سے بھی بڑھ کر گھمبیر ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اس کو کسی مخلوق کی قسم دی جائے یا اس سے کسی مخلوق کے واسطے سے مانگا جائے۔ ائمہ اسلام نے اس طریقے کو سخت بُرا جانا ہے۔ ابوالحسن قدوری، علامہ کرنی کی کتاب کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: بشر بن ولید کا بیان ہے کہ میں نے ابو یوسف سے سنا کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا: کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ غیر اللہ کے واسطے اللہ تعالیٰ کو پکارے۔ میں یہ بھی مکروہ سمجھتا ہوں کہ کوئی اللہ تعالیٰ کو اس کی عرش کو پیدا کرنے والی قدرت کا وسیلہ دے، نیز انبیاء و رسل اور بیت اللہ کے وسیلے سے دعا کرنا بھی مکروہ ہے۔۔۔ ابوالحسن (قدوری) کا کہنا ہے کہ ائمہ احناف کے نزدیک غیر اللہ کے واسطے سے دعا کرنا باطل ہے کیونکہ غیر اللہ کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق نہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر حق ہے۔۔۔ ابن بلجی نے شرح المختار میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے غیر اللہ کا واسطہ دے کر دعا کرنا مکروہ ہے۔ یہ کہنا جائز نہیں کہ اے اللہ! میں تجھ سے تیرے فرشتوں یا

تیرے انبیاء وغیرہ کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں، کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں۔ یہ بھی درست نہیں کہ کوئی کہے: اے اللہ! میں تیری عرش کو پیدا کرنے والی قدرت کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں۔ البتہ امام ابو یوسف سے اس کا جواز منقول ہے، کیونکہ رسول اکرم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے اس طرح دعا فرمائی تھی [الدعوات الکبیر للبیہقی: 443]۔ یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ اس میں ایک تو عمر بن ہارون باقراقی محدثین متروک و کذاب ہے، دوسرے عامر بن خدش کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ اس میں کمزوری ہے (تاریخ الإسلام: 5/96)۔ تیسرے اس میں ابن جریج مدلس ہیں۔ چوتھے اس کے بارے میں حافظ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے من گھڑت ہونے میں کوئی شبہ نہیں (نصب الرایة للزلیعی الحنفی: 4/273)۔ نیز ان الفاظ کے استعمال سے تو انسان اوصاف باری تعالیٰ کا وسیلہ اختیار کرتا ہے (اور وہ جائز ہے)۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے جن چیزوں کو مکروہ قرار دیا ہے، وہ محمد بن حسن کے نزدیک حرام ہیں اور امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک حرام کے زیادہ قریب ہیں اور ان میں حرمت کا پہلو غالب ہے۔۔۔ جب شیطان انسان کو یہ بات بھی باور کرا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو غیر اللہ کی قسم دی جاسکتی ہے اور اس طرح دعا زیادہ تعظیم و احترام والی ہوتی ہے، نیز اس طریقے سے حاجت جلد پوری ہوتی ہے۔۔۔ تو اس کے بعد وہ انسان کو ایک اور درجہ اوپر لے جاتا ہے کہ غیر اللہ سے بھی دعا کی جائے اور اس کے لیے نذر و نیاز کا اہتمام کیا جائے۔ پھر اس کے بعد ایک اور درجہ اوپر لے جا کر اسے بزرگوں کی قبروں پر جھکنے، ان پر قندیلیں اور شمعیں روشن کرنے، ان پر چادریں چڑھانے اور ان پر مسجدیں بنانے پر آمادہ کرتا ہے، نیز ان قبروں کے لیے سجود و طواف کر کے اور ان کو چوم کر اور ان کا حج کر کے اور ان کے پاس جانور ذبح کر کے ان کی عبادت کراتا ہے۔ پھر اس سے ایک اور درجہ اوپر لے جا کر اس کو آمادہ کرتا ہے کہ وہ لوگوں کو ان قبروں کی عبادت کرنے اور ان کو میلہ گاہ بنانے کی دعوت دے اور انہیں بتائے کہ ان کے لیے دنیا و آخرت میں بڑے فائدے کا کام ہے۔“ (زیارة القبور، ص: 47-48)

ان ساری عبارات اور حنفی ائمہ کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ جس طرح غیر اللہ کی قسم اٹھانا

ناجائز، حرام اور شرک ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو غیر اللہ کا واسطہ دینا یا اللہ تعالیٰ کو غیر اللہ کی قسم دینا بھی حرام ہے۔ نیز امام ابوحنیفہ سمیت تمام متقدمین ائمہ احناف اللہ تعالیٰ پر غیر اللہ کی قسم ڈالنے اور اللہ تعالیٰ کو غیر اللہ کا وسیلہ دینے کو مترادف خیال کرتے تھے اور دونوں کے ممنوع ہونے پر متفق تھے۔ لہذا جناب انور شاہ کشمیری صاحب کا اس سلسلے میں متردد ہونا اپنے ائمہ کی تعلیمات سے ناواقفیت کا نتیجہ تھا۔ ان کے معتقدین کو چاہیے کہ وہ ان تصریحات کی روشنی میں تردد سے چھٹکارا حاصل کرتے ہوئے ممنوع تو سئل سے توبہ کر لیں۔

ہل حدیثوں کو مبارک ہو کہ وہ سلف کے منہج پر ہیں۔ عقیدہ و عمل میں ان سے سرمو مخرف نہیں۔ اسی وجہ سے ان کو مطعون کیا جاتا ہے۔ مخالفین ان کو ستاتے ہیں، ان کو طرح طرح کے نام دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تاقیامت اس طائفہ منصورہ کو حق کے ساتھ غالب رکھے گا اور ان کے معاندین کو منہ کی کھانی پڑے گی۔ ان شاء اللہ!

وللہ الحمد والمنة، وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم تسلیماً



وسیلے کی ممنوع اقسام کے دلائل کا تحقیقی جائزہ

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

یہ تو بیان ہو چکا ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں تین قسم کا وسیلہ جائز ہے، اس کے علاوہ ہر قسم کا وسیلہ، مثلاً کسی مخلوق کی ذات یا فوت شدگان کا وسیلہ ناجائز و حرام ہے۔ بعض حضرات ناجائز وسیلے پر مبنی اپنے خود ساختہ عقائد کو ثابت کرنے کے لیے من گھڑت، جعلی، بناوٹی اور ضعیف روایات پیش کرتے ہیں۔ آئیے ان روایات کا اصولِ محدثین کی روشنی میں تفصیلی تجزیہ کرتے ہیں:

دلیل نمبر ①: عَنْ مَالِكِ الدَّارِ قَالَ: وَكَانَ خَازِنَ عُمَرَ عَلَى

الطَّعَامِ، قَالَ: أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَنِ عُمَرَ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! اسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ، فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا، فَأَتَيْتِ الرَّجُلَ فِي الْمَنَامِ، فَقِيلَ لَهُ: أَنْتَ عُمَرُ فَأَقْرِئَهُ السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مُسْتَقِيمُونَ، وَقُلْ لَهُ: عَلَيْكَ الْكَيْسُ، عَلَيْكَ الْكَيْسُ، فَأَتَيْتِ عُمَرَ فَأَخْبِرْهُ، فَبَكَى عُمَرُ، ثُمَّ قَالَ: يَا رَبِّ! لَا أَلُو إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ.

”مالک الدار جو کہ غلے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے خزانچی مقرر تھے، ان سے روایت ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے۔ ایک صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر حاضر ہوئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ (اللہ تعالیٰ سے) اپنی امت کے لیے بارش طلب فرمائیں، کیونکہ وہ (قحط سالی کے باعث) تباہ ہو گئی ہے۔ پھر خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس صحابی کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: عمر کے پاس جا کر میرا سلام کہو اور انہیں بتاؤ کہ تم سیراب کیے جاؤ گے اور عمر سے (یہ بھی) کہہ دو کہ عقلمندی سے کام لیں۔ وہ صحابی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انہیں خبر دی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا: اے اللہ! میں کوتاہی نہیں کرتا، مگر یہ

کہ عاجز آ جاؤں۔“

(مصنف ابن ابي شيبة: 356/6، تاريخ ابن ابي خيثمة: 70/2، الرقم: 1818، دلائل النبوة للبيهقي: 47/7، الاستيعاب لابن عبد البر: 1149/3، تاريخ دمشق لابن عساكر: 345/44، 489/56)

تبصرہ: اس کی سند ”ضعیف“ ہے، کیونکہ:

① اس میں (سليمان بن مهران) الأعمش ”مُدَّس“ ہیں اور ”عن“ سے روایت کر رہے ہیں، سماع کی تصریح نہیں مل سکی۔
امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا تَقْبَلُ مِنْ مُدَّسٍ حَدِيثًا حَتَّى يَقُولَ فِيهِ: حَدَّثَنِي أَوْ سَمِعْتُ.....

”ہم کسی مُدَّس سے کوئی بھی حدیث اس وقت تک قبول نہیں کرتے جب تک وہ اس میں

سماع کی تصریح نہ کر دے۔“ (الرسالة للإمام الشافعي، ص: 380)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا يَكُونُ حُجَّةً فِيمَا دَلَّسَ.

”مُدَّسِ رَاوِي كِي تَدْلِيْسِ وَالِي رَاوِيْت قَابِلِحْت نِهِيْسِ هَوْتِي.“

(الكامل لابن عدي: 34/1، وسندة حسن)

حافظ سخاوی رحمہ اللہ (831-902 ھ) کہتے ہیں:

وَمِمَّنْ ذَهَبَ إِلَى هَذَا التَّفْصِيلِ الشَّافِعِيُّ وَابْنُ مَعِينٍ وَابْنُ الْمَدِينِيِّ.

”جو ائمہ کرام اس موقف کے حامل ہیں، ان میں امام شافعی، امام ابن معین اور امام ابن

مدینی کے نام شامل ہیں۔“ (فتح المغیث: 182/1)

حافظ علائی (694-761 ھ) اسی کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الصَّحِيحُ الَّذِي عَلَيْهِ جُمُهُورُ أُمَّةِ الْحَدِيثِ وَالْفَقْهِ وَالْأُصُولِ.

”یہی وہ صحیح مذہب ہے جس پر جمہور ائمہ حدیث و فقہ و اصول قائم ہیں۔“

(جامع التحصيل، ص: 111)

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (368-463 ھ) فرماتے ہیں:

وَقَالُوا: لَا يُقْبَلُ تَدْلِيْسُ الْأَعْمَشِ .

”اہل علم کہتے ہیں کہ اعمش کی تدلیس قبول نہیں ہوتی۔“ (التمہید: 1/30)

علامہ عینی حنفی (762-855 ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ الْأَعْمَشَ مُدَلِّسٌ، وَعَنْعَنْهُ الْمُدَلِّسُ لَا تُعْتَبَرُ إِلَّا إِذَا عُلِمَ سَمَاعُهُ .

”بلاشبہ (سلیمان بن مہران) اعمش مدلس ہیں اور مدلس راوی کی عن والی روایت اسی وقت

قابل اعتبار ہوتی ہے جب اس کے سماع کی تصریح مل جائے۔“

(عمدة القاري شرح صحيح البخاري، تحت الحديث: 219)

اس روایت کی صحت کے مدعی پر سماع کی تصریح لازم ہے۔

② مالک الدار ”مجهول الحال“ ہے۔ سوائے امام ابن حبان رحمہ اللہ (384/5)

کے کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔ اس کے بارے میں حافظ منذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا أَعْرِفُهُ . ”میں اسے نہیں جانتا۔“ (الترغيب والترهيب: 2/29)

حافظ بیہقی فرماتے ہیں: لَمْ أَعْرِفُهُ . ”میں اسے نہیں پہچان سکا۔“

(مجمع الزوائد: 3/123)

اس کے صحابی ہونے پر کوئی دلیل نہیں، لہذا بعض بعد والوں کا اسے صحابہ کرام میں ذکر کرنا

صحیح نہیں۔

نیز حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (البداية والنهاية: 5/167) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (الاصابة:

3/484) کا اس روایت کی سند کو ”صحیح“ قرار دینا ان کا علمی تسامح ہے۔ ان کی یہ بات اصول

حدیث کے مطابق درست نہیں۔ صرف حافظ ابن کثیر اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا اسے صحیح کہنا بعض

لوگوں کی دلیل نہیں بن سکتا، کیونکہ بہت سی ایسی روایات کو یہ لوگ بھی صحیح تسلیم نہیں کرتے

جنہیں ان دنوں حفاظ نے صحیح کہا ہوا ہے اور بہت سی ایسی روایات کو یہ لوگ بھی ضعیف تسلیم نہیں

کرتے جنہیں ان دونوں حفاظ نے ضعیف کہا ہوا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ خود سلیمان بن مہران اعمش کی تالیس کی مضرت کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَعِنْدِي أَنَّ إِسْنَادَ الْحَدِيثِ الَّذِي صَحَّحَهُ ابْنُ الْقَطَّانِ مَعْلُولٌ، لِأَنَّهُ لَا يَلْزَمُ مِنْ كَوْنِ رِجَالِهِ ثِقَاتٍ أَنْ يَكُونَ صَحِيحًا، لِأَنَّ الْأَعْمَشَ مُدَلِّسٌ، وَلَمْ يَذْكَرْ سَمَاعَهُ مِنْ عَطَاءٍ، وَعَطَاءٌ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ هُوَ عَطَاءُ الْخُرَّاسَانِيِّ، فَيَكُونُ فِيهِ تَدْلِيْسُ التَّسْوِيَةِ بِإِسْقَاطِ نَافِعِ بَيْنَ عَطَاءٍ وَابْنِ عُمَرَ .

”میرے خیال کے مطابق جس حدیث کو ابن القطان نے صحیح کہا ہے، وہ معلول (ضعیف) ہے، کیونکہ راویوں کے ثقہ ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔ اس میں اعمش مدلس ہیں اور انہوں نے عطاء سے اپنے سماع کا ذکر نہیں کیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سند میں مذکور عطاء، خراسانی ہوں، یوں اعمش کی تالیس تسویہ بن جائے گی، کیونکہ اس صورت میں انہوں نے عطاء اور سیدنا ابن عمر کے درمیان نافع کا واسطہ بھی گرا دیا ہے۔“

(التلخیص الحبیر: 19/3)

حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ (368-463ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ: قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ: قَالَ سُفْيَانُ وَشُعْبَةُ: لَمْ يَسْمَعْ الْأَعْمَشُ هَذَا الْحَدِيثَ مِنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ، قَالَ أَبُو عُمَرَ: هَذِهِ شَهَادَةُ عَدْلَيْنِ إِمَامَيْنِ عَلَى الْأَعْمَشِ بِالتَّدْلِيْسِ، وَأَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ عَنْ مَنْ لَقِيَهُ بِمَا لَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ، وَرُبَّمَا كَانَ بَيْنَهُمَا رَجُلٌ أَوْ رَجُلَانِ، فَلِمِثْلِ هَذَا وَشِبْهِهِ قَالَ ابْنُ مَعِينٍ وَغَيْرُهُ فِي الْأَعْمَشِ: إِنَّهُ مُدَلِّسٌ .

”امام علی بن مدینی نے امام یحییٰ بن سعید قطان سے نقل کیا ہے کہ امام شعبہ اور سفیان نے فرمایا کہ اعمش نے یہ حدیث ابراہیم تیمی سے نہیں سنی۔ میں (ابن عبدالبر) کہتا ہوں کہ اعمش کے

مدلس ہونے پر یہ دو عادل اماموں کی گواہی ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمش ان لوگوں سے ان سنی روایات بیان کرتے تھے، جن سے ان کی ملاقات ہوئی ہوتی تھی۔ بسا اوقات ایسے لوگوں سے اعمش دو واسطے گرا کر بھی روایت کر لیتے تھے۔ اسی طرح کے حقائق کی بنا پر امام ابن معین وغیرہ نے اعمش کو مدلس قرار دیا ہے۔“

(التمهيد لمافي الموطأ من المعاني والأسانيد: 32/1)

تنبیہ: تاریخ طبری (98/4) اور حافظ ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ (71/7)

میں ہے: حَتَّى أَقْبَلَ بِلَالُ بْنُ الْحَارِثِ الْمُزَنِّيَّ، فَاسْتَأْذَنَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: أَنَا رَسُولُ رَسُولِ اللَّهِ إِلَيْكَ، يَقُولُ لَكَ رَسُولُ اللَّهِ.

”بلال بن حارث مزنی آئے، انہوں نے اجازت طلب کی اور کہا: میں آپ کی طرف رسول اللہ ﷺ کا اپنی ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ آپ سے فرماتے ہیں۔۔۔“

یہ روایت بھی جھوٹ کا پلندہ ہے، کیونکہ:

① شعیب بن ابراہیم رفاعی کوفی ”مجهول“ راوی ہے، اس کے بارے میں امام

ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَشُعَيْبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ هَذَا، لَهُ أَحَادِيثٌ وَأَخْبَارٌ، وَهُوَ لَيْسَ بِذَلِكَ الْمَعْرُوفِ، وَمَقْدَارُ مَا يَرَوِي مِنَ الْحَدِيثِ وَالْأَخْبَارِ لَيْسَتْ بِالْكَثِيرَةِ، وَفِيهِ بَعْضُ النُّكْرَةِ، لِأَنَّ فِي أَخْبَارِهِ وَأَحَادِيثِهِ مَا فِيهِ تَحَامُلٌ عَلَى السَّلَفِ.

”اس شعیب بن ابراہیم نے کئی احادیث اور روایات بیان کی ہیں۔ یہ فن حدیث میں معروف نہیں۔ اس کی بیان کردہ احادیث و روایات زیادہ نہیں، پھر بھی ان میں کچھ نکارت موجود ہے، کیونکہ ان میں سلف صالحین کی اہانت ہے۔“ (الکامل في ضعفاء الرجال: 7/5)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فِيهِ جَهَالَةٌ.

”اس میں جہالت ہے۔“ (میزان الاعتدال: 2/275)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَفِي ثَقَاتِ ابْنِ حَبَّانَ (309/8): شُعَيْبُ بْنُ اِبْرَاهِيمَ مِنْ اَهْلِ الْكُوفَةِ، يَرْوِي عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبَانَ الْبَلْخِيِّ (الْجُعْفِيِّ)، رَوَى عَنْهُ يَعْقُوبُ بْنُ سُفْيَانَ، (قُلْتُ:): فَيَحْتَمِلُ اَنْ يَكُونَ هُوَ، وَالظَّاهِرُ اَنَّهُ غَيْرُهُ.

”ثقات ابن حبان میں ہے کہ: شعیب بن ابراہیم کوفی، محمد بن ابان بلخی سے روایت کرتا ہے اور اس سے یعقوب بن سفیان سے روایت کیا ہے۔ (میں کہتا ہوں) ممکن ہے کہ یہ راوی وہی ہو، لیکن ظاہر یہی کوئی اور راوی لگتا ہے۔“ (لسان المیزان: 3/145)

② سیف بن عمر راوی باتفاق محدثین ”ضعیف، متروک، وضاع“ ہے۔ اس کی روایت کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں۔

③ اس کا استاذ سہل بن یوسف بن سہل بن مالک انصاری بھی ”مجهول“ ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: مَجْهُولُ الْحَالِ.

”یہ مجهول الحال راوی ہے۔“ (لسان المیزان: 3/122)

حافظ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ اس کی ایک روایت کو ”موضوع و منکر“ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: لَا يُعْرَفُ. ”یہ مجهول الحال راوی ہے۔“

(الاستيعاب في معرفة الأصحاب: 2/667)

ثابت ہوا کہ بعض الناس کا یہ کہنا کہ مذکورہ روایت میں خواب دیکھنے والا شخص، صحابی رسول سیدنا بلال بن حارث مزنی ہے، بالکل بے بنیاد ہے۔

دلیل نمبر ②: عبد اللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَتَمَثَّلُ بِشَعْرِ أَبِي طَالِبٍ:

وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْعَمَامُ بِوَجْهِهِ ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرْامِلِ
 ”سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو میں نے ابو طالب کا یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا: وہ گورے
 رنگ والے، جن کے چہرے کے وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے، یتیموں کے والی، بیواؤں
 کے سہارا ہیں۔“ (صحیح البخاری: 1/137، ح: 1008)

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ حَمْزَةَ، حَدَّثَنَا سَالِمٌ، عَنْ أَبِيهِ، رُبَّمَا ذَكَرْتُ قَوْلَ الشَّاعِرِ، وَأَنَا
 أَنْظُرُ إِلَى وَجْهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَسْقِي، فَمَا يَنْزِلُ حَتَّى يَجِيشَ كُلُّ
 مِيزَابٍ.

وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْعَمَامُ بِوَجْهِهِ ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلْأَرْامِلِ
 ”عمر بن حمزہ کہتے ہیں کہ سالم بن عبداللہ بن عمر نے اپنے والد سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے
 روایت کی کہ کبھی میں شاعر کی اس بات کو یاد کرتا اور ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس کو تکتا کہ
 آپ کے سفید رنگ کے رُخِ زیبا کے ذریعے بارش طلب کی جاتی ہے، آپ یتیموں کے والی، بیواؤں
 کے سہارا ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (منبر سے) اترنے بھی نہ پاتے کہ سارے پرنا لے بہنے لگتے۔“
 (صحیح البخاری: 1/137، ح: 1009، تعلیقاً، سنن ابن ماجہ: 1272، مسند الإمام أحمد: 2/93، ح: 5673، السنن الكبرى للبيهقي: 3/352، تغليق التعليق لابن حجر: 2/389، وسنده حسن)

تبصرہ: یہاں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا وسیلہ مراد ہے، جو کہ مشروع اور
 جائز ہے۔

شرح بخاری، علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ (م: 449ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
 قَوْلُ عُمَرَ: اللَّهُمَّ! إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا، وَهُوَ مَعْنَى قَوْلِ أَبِي طَالِبٍ:
 وَأَبْيَضُ يُسْتَسْقَى الْعَمَامُ بِوَجْهِهِ.....

”سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: اے اللہ! ہم تیری طرف تیرے نبی (کی دعا) کا وسیلہ

لاتے تھے۔ ابوطالب کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ وہ سفید رنگ والے جن کے چہرے کے ذریعے بارش طلب کی جاتی ہے۔۔۔“ (شرح صحیح البخاری: 3/9)

یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث اور اس حدیث کا معنی و مفہوم ایک ہی ہے۔ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں وسیلے سے مراد دعا والا وسیلہ ہی ہے، لہذا اس حدیث سے بھی بالکل یہی مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس روایت میں واضح الفاظ موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار سے دعا کرتے رہتے اور جب تک بارش شروع نہ ہو جاتی، دعا ختم نہ فرماتے۔ بھلا اس سے ذات کا وسیلہ کیسے ثابت ہوا؟

شارح بخاری، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (773-852ھ) لکھتے ہیں:

وَأَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَشَارَ إِلَى قِصَّةٍ وَقَعَتْ فِي الْإِسْلَامِ حَضَرَهَا هُوَ، لَا مُجَرَّدُ مَا دَلَّ عَلَيْهِ شِعْرُ أَبِي طَالِبٍ، وَقَدْ عَلِمَ مِنْ بَقِيَّةِ الْأَحَادِيثِ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا اسْتَسْقَى إِجَابَةً لِسُؤَالٍ مَنْ سَأَلَهُ فِي ذَلِكَ.

”اس حدیث میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا دور اسلام میں انہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا۔ انہوں نے صرف ابوطالب کے شعر کے مفہوم پر اعتماد کرتے ہوئے یہ بات نہیں کہہ دی۔ باقی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے لیے یہ دعا کچھ لوگوں کے مطالبے پر فرمائی تھی۔“ (فتح الباری: 2/495)

علامہ محمد بشیر سہسوانی ہندی رحمۃ اللہ علیہ (1252-1326ھ) فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَرِدْ فِي حَدِيثِ ضَعِيفٍ، فَضْلًا عَنِ الْحَسَنِ أَوْ الصَّحِيحِ، أَنَّ النَّاسَ طَلَبُوا الشُّقْيَا مِنَ اللَّهِ فِي حَيَاتِهِ مُتَوَسِّلِينَ بِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَفْعَلَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَفْعَلُ فِي الْاسْتِسْقَاءِ الْمَشْرُوعِ، مِنْ طَلَبِ الشُّقْيَا وَالِدُعَاءِ وَالصَّلَاةِ وَغَيْرِهِمَا، مِمَّا ثَبَتَ بِالْأَحَادِيثِ الصَّحِيحَةِ، وَمَنْ يَدَّعِي وُزُودَهُ فَعَلَيْهِ

الإثبات.

”کسی حسن یا صحیح حدیث میں تو کجا، کسی ضعیف حدیث میں بھی یہ بات مذکور نہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ میں لوگوں نے آپ ﷺ کا وسیلہ اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کی ہو اور آپ ﷺ نے صحیح احادیث سے ثابت بارش طلب کرنے کے مشروع طریقے، یعنی دعا اور نماز وغیرہ کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کیا ہو۔ جو شخص ایسا دعویٰ کرتا ہے، اس کی دلیل اسی کے ذمے ہے۔“ (صیانة الإنسان عن وسوسة الشيخ دحلان، ص: 213)

تنبیہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے مذکورہ شعر پڑھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت ایک فیصلہ فرما رہے تھے۔ آپ نے یہ شعر سن کر فرمایا: اللہ کی قسم! اس سے مراد نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ ہے۔ (مسند الإمام أحمد: 7/1، مصنف ابن أبي شيبة: 20/12، طبقات ابن سعد: 3/198، مسند أبي بكر للمروزي: 1/91)

لیکن اس کی سند ”ضعیف“ ہے کیونکہ اس کا راوی علی بن زید بن جدعان جمہور محدثین کرام کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔ نیز یہ ”مختلط“ بھی ہے۔ حافظ بیہقی (م: 807ھ) کہتے ہیں:

وَ ضَعَّفَهُ الْجُمُهُورُ.

”اسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔“ (مجمع الزوائد: 8/206، 209)

حافظ ابن عراقی رحمہ اللہ (762-826ھ) بھی کہتے ہیں:

ضَعَّفَهُ الْجُمُهُورُ. (طرح التثريب: 1/82)

علامہ بویری (م: 840ھ) لکھتے ہیں: وَالْجُمُهُورُ عَلَى تَضْعِيفِهِ.

”جمہور محدثین کرام اسے ضعیف کہتے ہیں۔“ (مصباح الزجاجة: 84)

حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (م: 826ھ) کہتے ہیں:

وَ ادَّعى عَبْدُ الْحَقِّ أَنَّ الْأَكْثَرَ عَلَى تَضْعِيفِ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ.

”اور عبدالحق نے دعویٰ کیا ہے کہ اکثر محدثین علی بن زید کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔“

(البدر المنیر: 4/434)

ابوالحسن ابراہیم بن عمر بقاعی رحمۃ اللہ علیہ (م 885ھ) فرماتے ہیں: ضَعْفُهُ الْجُمْهُورُ .

”اسے جمہور محدثین نے ضعیف کہا ہے۔“ (نظم اللہ رحمۃ اللہ علیہ فی تناسب الآیات والسور: 12/181)

علی بن زید بن جدعان کو امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، امام ابن عدی (الکامل:

4/413)، امام ابو حاتم رازی اور ابو زرعد رازی (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 6/187) رحمۃ اللہ علیہ وغیر ہم نے ”ضعیف، لیس بالقوی“ کہا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ”ضعیف“ ہی قرار دیا ہے۔ (تقریب التهذیب: 4734)

دلیل نمبر ③: امیہ بن عبد اللہ بن خالد بن اسید بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِكِ الْمُهَاجِرِينَ .
”رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تنگ دست مہاجرین کے وسیلے سے فتح کی دعا کیا کرتے تھے۔“

(المعجم الكبير للطبراني: 1/292)

تبصرہ: اس کی سند ”ضعیف“ ہے، کیونکہ:

① اس کی سند متصل نہیں۔ امیہ بن عبد اللہ تابعی ہے اور ڈائریکٹ رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر رہا ہے، جیسا کہ امام ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

لَا تَصِحُّ عِنْدِي صُحْبَتُهُ، وَالْحَدِيثُ مُرْسَلٌ .

”میرے نزدیک اس کا صحابی ہونا ثابت نہیں، لہذا یہ روایت مرسل (منقطع)

ہے۔“ (الاستيعاب في معرفة الأصحاب: 1/38)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لَيْسَتْ لَهُ صُحْبَةٌ وَلَا رِوَايَةٌ .

”اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات اور روایت نہیں کی۔“ (الإصابة: 1/133)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ (200-279 ھ) فرماتے ہیں:

وَالْحَدِيثُ إِذَا كَانَ مُرْسَلًا، فَإِنَّهُ لَا يَصِحُّ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْحَدِيثِ، قَدْ ضَعَّفَهُ

غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْهُمْ.

”مرسل حدیث اکثر محدثین کرام کے نزدیک صحیح نہیں ہوتی۔ بہت سے محدثین نے مرسل

کو ضعیف قرار دیا ہے۔“ (العلل الصغیر فی آخر الجامع، ص: 896، 897، طبع دار السلام)

④ اس میں ابواسحاق سبعی کی ”تدلیس“ بھی موجود ہے۔ سماع کی تصریح نہ مل سکنے کی بنا

پر یہ روایت ”مدلس“ بھی ہے، لہذا یہ دو وجہوں سے ”ضعیف“ ہے۔

دلیل نمبر ④: سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((أَبْعُونِي فِي ضَعْفَاءِكُمْ، فَإِنَّكُمْ إِنَّمَا تَرْزُقُونَ وَتُنْصَرُونَ بِضَعْفَائِكُمْ))

”مجھے اپنے کمزور لوگوں میں تلاش کرو۔ بلاشبہ تمہیں اپنے کمزوروں کی وجہ سے رزق دیا

جاتا ہے اور ان ہی کی وجہ سے تمہاری مدد کی جاتی ہے۔“

(مسند الإمام أحمد: 5/198، سنن أبي داود: 2594، سنن النسائي: 3181، سنن الترمذي: 1702،

وسندہ صحیح)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ”حسن صحیح“، امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ”صحیح“ اور امام

حاکم رحمۃ اللہ علیہ (2/104، 105) نے ”صحیح الاسناد“ کہا ہے۔

تبصرہ: معاشرہ کے کمزور اور نادار لوگ جو صالحین ہوں، ان کی نیکی اور دعا کی

وجہ سے معاشرہ میں آسودگی آتی ہے، ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((إِنَّمَا يَنْصُرُ اللَّهُ هَذِهِ الْأُمَّةَ بِضَعْفِيفِهَا، بِدَعْوَتِهِمْ وَصَلَاتِهِمْ وَإِخْلَاصِهِمْ))

”اللہ تعالیٰ اس امت کی مدد ان کمزور لوگوں کی دعا، نماز اور ان کے اخلاص کی وجہ سے کرتا

ہے۔“ (سنن النسائي: 3180، حلية الأولياء لأبي نعيم الأصبهاني: 5/26، وسندة صحیح) اس روایت گزشتہ ”ضعیف“ روایت کا معنی بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ اتنی وضاحت کے بعد بھی اگر کوئی شخص اس حدیث سے فوت شدگان کا توسل ثابت کرے تو اس کا یہ عمل دیانت علمی کے خلاف ہے۔ اس سے فوت شدگان کے توسل کا جواز ثابت کرنا شرعی نصوص کی تحریف ہے۔ اس سے تو زندہ لوگوں کی دعا کا وسیلہ ثابت ہوتا ہے اور اسے اہل سنت و الجماعت اہل الحدیث جائز اور مشروع ہی سمجھتے ہیں۔

دلیل نمبر ⑤: نبی کریم ﷺ طائف سے واپسی پر حجرہ انہ تشریف لائے۔ اس وقت قبیلہ ہوازن کے بچوں اور عورتوں میں سے چھ ہزار قیدی آپ کے ہمراہ تھے۔ اونٹوں اور بکریوں کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ ہوازن کا ایک وفد مشرف بہ اسلام ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے درخواست کی کہ ہم پر احسان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: قیدیوں اور اموال میں سے ایک چیز پسند کر لو۔ انہوں نے عرض کیا: ہمیں قیدی محبوب ہیں۔ آپ نے فرمایا: جو قیدی میرے ہیں یا بنو عبدالمطلب کے ہیں، وہ تمہارے ہیں۔ باقی جو تقسیم ہو چکے ہیں، ان کے لیے یہ طریقہ اختیار کرو:

وَإِذَا مَا أَنَا صَلَّيْتُ الظُّهْرَ بِالنَّاسِ فَتَقُومُوا، فَقُولُوا: إِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِرَسُولِ اللَّهِ إِلَى الْمُسْلِمِينَ، وَبِالْمُسْلِمِينَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ فِي أَثْنَائِنَا وَنَسَائِنَا، فَسَاعُطِيكُمْ عِنْدَ ذَلِكَ وَأَسْأَلُ لَكُمْ.

”جب میں لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھا دوں تو تم کھڑے ہو کر کہنا: ہم اللہ کے رسول ﷺ سے درخواست کرتے ہیں کہ مسلمانوں سے ہماری شفاعت (سفارش) فرمائیں اور مسلمان ہماری شفاعت رسول اللہ ﷺ سے کریں، ہمارے بیٹوں اور عورتوں کے حق میں، تو میں تمہیں اس وقت عطا کر دوں گا اور تمہاری سفارش کروں گا۔“

انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اکثر صحابہ نے عرض کی: جو کچھ ہمارے پاس ہے، وہ آپ کا ہے۔ باقی صحابہ سے آپ نے وعدہ فرمایا کہ ہر قیدی کے بدلے مالِ غنیمت سے چھ اونٹنیاں دی جائیں گی۔ اس طرح ہوازن کو تمام قیدی واپس مل گئے۔

(سیرة ابن ہشام مع الروض الأنف: 2/306، وسندہ حسن)

تبصرہ: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ زندہ انسان سے سفارش کروائی جا سکتی ہے، سو اس سے اہل سنت والجماعت انکاری نہیں۔ اس سے فوت شدگان کی شخصیات کا تو سئل کیسے ثابت ہوا؟ یہ تو ہماری دلیل ہے جو نادان دوست خود ہی پیش کیے جاتے ہیں۔

دلیل نمبر ⑥: سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا

صحابی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض گزار ہوئے: آقا! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے شفا دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر آپ چاہیں تو دعا کر دیتا ہوں اور اگر چاہیں تو صبر کر لیں، وہ آپ کے لیے بہتر ہوگا۔ انہوں نے عرض کیا: آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا ہی کر دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اچھی طرح سنوار کر وضو کرنے اور پھر دو رکعتیں پڑھ کر یہ دعا کرنے کا حکم دیا:

«اللَّهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ نَبِيَّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ! إِنِّي أَتَوَجَّهُ إِلَى رَبِّي بِكَ أَنْ يَكْشِفَ لِي عَنْ بَصَرِي، اللَّهُمَّ! شَفِّعْهُ فِيَّ وَشَفِّعْنِي فِي نَفْسِي»

”اے اللہ! بے شک میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ میں اپنے نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تیری طرف (دعا کے لیے) متوجہ کرتا ہوں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کو اپنے رب کی طرف (دعا کے لیے) متوجہ کرتا ہوں کہ وہ میری نظر لوٹا دے۔ اے اللہ! تو میرے بارے میں اپنے نبی کی اور میری اپنی سفارش قبول فرما۔ جب وہ واپس لوٹے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا دی تھی۔“

(مسند الإمام أحمد: 4/138، سنن الترمذی: 3578، عمل اليوم والليلة للنسائي: 659، واللفظ له،

سنن ابن ماجه: 1385، مسند عبد بن حميد: 379، وسنده حسن)

تبصره: اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ”حسن صحیح غریب“ اور امام ابن

خزیمہ (1219) نے ”صحیح“ کہا ہے۔ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: ابو اسحاق نے کہا ہے کہ یہ

حدیث ”صحیح“ ہے۔ امام حاکم (1/313) نے اس حدیث کو ”صحیح علی شرط الشیخین“ قرار دیا

ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ (دلائل النبوة: 6/167) نے اس

کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے۔

بعض لوگوں نے اس حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے وسیلہ کا جواز ثابت

کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا یہ استدلال باطل، بلکہ ابطال الابطال ہے کیونکہ حدیث میں

مذکور ہے کہ اس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی تھی۔ جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو میں دعا کر دیتا ہے، اگر دعانہ کرائیں اور بیماری پر صبر کریں تو بہتر ہے،

لیکن صحابی مذکور نے آپ کی دعا کو ترجیح دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا و سفارش فرما

دی۔ اس کو اچھی طرح وضو کرنے کا حکم دیا، پھر دو رکعت نماز ادا کرنے کو کہا اور انہیں دعا کے الفاظ

بھی سکھا دیئے، انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ اپنے حق میں دعا بھی کر دی اور کہا:

”اے اللہ! تو میرے بارے میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور خود میری دعا و سفارش قبول فرما۔“

اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے وسیلہ کا ذکر تک نہیں بلکہ آپ کی حیات

طیبہ میں آپ کی دعا و سفارش کا وسیلہ پیش کرنے کا ذکر ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَحَدِيثُ الْأَعْمَى لَا حُجَّةَ لَهُمْ فِيهِ، فَإِنَّهُ صَرِيحٌ فِي أَنَّهُ إِنَّمَا تَوَسَّلَ بِدُعَاءِ

النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَفَاعَتِهِ.

”ناپینا صحابی والی حدیث میں ان لوگوں کی کوئی دلیل نہیں، کیونکہ اس میں یہ بات بڑی

واضح ہے کہ صحابی نے نبی اکرم ﷺ کی دعا اور سفارش کا وسیلہ اختیار کیا تھا۔“

(قاعدة جلیلة فی التوسل والوسيلة، ص: 64)

نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں یا وفات کے بعد کسی صحابی یا تابعی سے آپ کی ذات کا وسیلہ پیش کرنا قطعاً ثابت نہیں۔ اس طرح کے کام کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اس عمل پر کتاب و سنت سے دلیل پیش کریں۔

فائدہ: ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے نابینا صحابی کو یہ دُعا سکھائی:

«اللَّهُمَّ! فَشَفِّعْنِي فِي نَفْسِي، وَشَفِّعْ نَبِيِّي فِي رَدِّ بَصَرِي»

”اے اللہ! میری بصارت واپس کرنے کے حوالے سے میری اور میرے نبی کی سفارش

قبول فرمائے۔“

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: **وَإِنْ كَانَتْ حَاجَةً، فَافْعَلْ مِثْلَ ذَلِكَ.**

”اگر کوئی اور حاجت ہو تو اسی طرح کریں۔“ (تاریخ ابن ابي خيثمة (قاعدة جلیلة فی التوسل

والوسيلة لابن تيمية، ص: 102)، مسند الإمام أحمد: 4/138، مختصراً، وسنده حسن؟)

یہ روایت بالکل صریح ہے کہ نابینا صحابی کو نبی اکرم ﷺ نے اپنی دعا و سفارش کا وسیلہ اختیار کرنے کی ہدایت کی تھی، نہ کہ اپنی ذات کا۔ مراد یہ تھی کہ اگر کوئی اور پریشانی ہو تو میرے پاس آئیں اور دعا کرانے کے بعد اللہ تعالیٰ کو میری دعا کا وسیلہ دیں۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا۔ یہ سلسلہ نبی اکرم ﷺ کی زندگی تک محدود تھا، کیونکہ آپ زندگی میں ہی حاجت مندوں کے لیے دعا فرماتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ کو آپ کا وسیلہ پیش نہیں کیا۔

دلیل نمبر ⑦: ایک شخص سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی

ضرورت میں آیا کرتا تھا اور عثمان رضی اللہ عنہ (مشغولیت کی وجہ سے) اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے اور اس

کی ضرورت میں غور نہ فرماتے۔ وہ سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے شکایت کی۔ سیدنا



عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: لو نالاول، وضو کرو، پھر مسجد جا کر دو رکعت نماز پڑھو، پھر کہو:

اللَّهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ، وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَا مُحَمَّدُ! إِنِّي أَتَوَجَّهُ إِلَى رَبِّي، فَيَقْضِي حَاجَتِي .

(اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اپنے نبی رحمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تیری طرف متوجہ کرتا ہوں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ کو اپنے رب کی طرف (دعا کے لیے) متوجہ کرتا ہوں کہ وہ میری ضرورت کو پورا کر دے)۔ پھر اپنی ضرورت کو اللہ کے سامنے رکھ دو، پھر میرے پاس آ جاؤ تاکہ میں تمہارے ساتھ چلوں۔ اس شخص کی ضرورت پوری ہوئی۔ سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ یہی دعا ایک نابینا کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی تو اس کی بینائی لوٹ آئی۔

(التاریخ الكبير للبخاري: 6/210، العليل لابن أبي حاتم الرازي: 2/190، المعجم الكبير للطبراني: 9/30، 31، ح: 8311، المعجم الصغير للطبراني: 1/183، 184، الدعاء للطبراني: 2/1287، 1288، ح: 1050، معرفة الصحابة لأبي نعيم الأصبهاني: 4/1959، 1960، ح: 4928)

تبصرہ: اس کی سند ”ضعیف“ ہے، کیونکہ عبد اللہ بن وہب مصری یہ روایت اپنے استاذ شیب بن سعید حبلی (ثقفہ) سے کر رہے ہیں اور خود شیب بن سعید اپنے استاذ روح بن القاسم سے روایت کر رہے ہیں۔ امام الجرح والتعديل ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلَشَيْبِ بْنِ سَعِيدٍ، نُسَخَتْ الزُّهْرِيُّ عِنْدَهُ، عَنْ يُونُسَ عَنِ الزُّهْرِيِّ، وَهِيَ أَحَادِيثُ مُسْتَقِيمَةٌ، وَحَدَّثَ عَنْهُ ابْنُ وَهْبٍ بِأَحَادِيثَ مَنَاقِيرَ .

”شیب بن سعید کے پاس امام زہری رحمہ اللہ کی روایات پر مشتمل ایک نسخہ ہے جو وہ یونس کے واسطے سے زہری سے بیان کرتے ہیں اور وہ مستقیم احادیث ہیں۔ تاہم ابن وہب نے اس سے منکر احادیث بیان کی ہیں۔“ (الکامل لابن عدی: 4/31)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا بَأْسَ بِحَدِيثِهِ مِنْ رِوَايَةِ ابْنِهِ أَحْمَدَ عَنْهُ، لَا مِنْ رِوَايَةِ ابْنِ وَهْبٍ.

”اس کی جو روایات اس کے بیٹے سے مروی ہیں، ان میں کوئی خرابی نہیں، البتہ ابن وہب

سے اس کی جو روایات مروی ہیں، ان میں خرابی ہے۔“ (تقریب التہذیب: 2739)

نیز فرماتے ہیں:

وَرَوَى عَنْهُ ابْنُ وَهْبٍ أَحَادِيثَ مَنَاجِيرَ، فَكَانَتْ لَهَا قَدَمٌ مِصْرَ، حَدَّثَ مِنْ

حِفْظِهِ، فَعَلِطَ.

”اس سے ابن وہب نے منکر احادیث بیان کی ہیں، گویا کہ جب یہ مصر آیا تو اس نے

اپنے حافظے سے روایات بیان کیں اور غلطیاں کیں۔“ (ہدی الساری، ص: 409)

یہ روایت بھی شیبیب بن سعید سے عبد اللہ بن وہب مصری بیان کر رہے ہیں۔ یہ جرح

مفسر ہے، لہذا یہ روایت ”ضعیف“ اور ”منکر“ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ شیبیب بن سعید جب

مصر میں گیا تو وہاں اس نے اپنے حافظے سے احادیث بیان کیں، جن میں سے وہ غلطی اور وہم

کا شکار ہو گیا۔

اعتراض: شیبیب بن سعید ابو سعید البصری کی روایت صحیح بخاری میں بھی ہے۔

جواب: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) لکھتے ہیں:

أَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ مِنْ رِوَايَةِ ابْنِهِ (أَحْمَدَ) عَنْ يُونُسَ (بْنِ يَزِيدِ الْأَيْلِيِّ)

أَحَادِيثَ، لَمْ يَخْرُجْ مِنْ رِوَايَتِهِ عَنْ غَيْرِ يُونُسَ، وَلَا مِنْ رِوَايَةِ ابْنِ وَهْبٍ عَنْهُ

شَيْئًا...

”امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کے بیٹے سے وہ روایات لی ہیں جو وہ اپنے والد سے یونس بن

یزید ایللی کے واسطے سے بیان کرتا ہے۔ امام صاحب نے شیبیب کی وہ روایات بیان نہیں کیں جو

وہ یونس کے علاوہ کسی اور سے بیان کرتا ہے، نہ ہی ابن وہب سے ان کی کوئی روایت بخاری میں ہے۔“ (ہُدَى الساری، ص: 409)

حاصل کلام یہ ہے کہ شیبیب بن سعید سے ان کے شاگرد عبد اللہ بن وہب مصری بیان کریں تو روایت ”منکر“ اور ”ضعیف“ ہوتی ہے۔ زیر بحث روایت بھی عبد اللہ بن وہب المصری بیان کر رہے ہیں، اس لیے یہ ”منکر“ اور ”ضعیف“ ہے، لہذا امام طبرانی رحمہ اللہ کا اس کو ”صحیح“ کہنا صحیح نہ ہوا۔

تنبیہ ① : عون بن عمارہ بصری نے شیبیب بن سعید کی متابعت کر رکھی ہے۔ (المستدرک للحاکم 1/ 526، معرفة الصحابة لأبى نعيم الأصبهاني: 4929) لیکن عون بن عمارہ بصری خود ”ضعیف“ راوی ہے۔

(تقریب التہذیب لابن حجر: 5224)

لہذا یہ متابعت مفید نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ عون بن عمارہ والی روایت میں زیر بحث الفاظ بھی موجود نہیں۔

تنبیہ ② : دلائل النبوة بیہقی (6/ 167) میں عبد اللہ بن وہب مصری کی متابعت احمد بن شیبیب نے کر رکھی ہے لیکن اس کی سند میں ابو محمد بن عبد العزیز بن عبد الرحمن ریالی نامی راوی موجود ہے جس کے حالات نہیں مل سکے۔ لہذا یہ متابعت مفید نہیں۔ اسی طرح دلائل النبوة بیہقی (6/ 167) کی ایک اور روایت میں اسماعیل بن شیبیب کی متابعت موجود ہے لیکن وہ خود ”مجہول“ ہے۔ یوں یہ متابعت بھی کسی کام کی نہیں۔

دلیل نمبر ⑧ : سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی اطلاع ملی تو روتے ہوئے آئے اور چہرہ انور سے کپڑا اٹھا کر عرض کیا:

وَلَوْلَا أَنَّ مَوْتَكِ كَانَ اخْتِيَارًا مِّنْكَ، لَجَدْنَا لِحُزْنِكَ بِالنَّفُوسِ، اذْكَرْنَا يَا

مُحَمَّدٌ! عِنْدَ رَبِّكَ، وَلَنُكُنُّ مِنْ بَالِكَ.

”(اے اللہ کے رسول!) اگر آپ کی موت آپ کی اپنی صوابدید پر واقع نہ ہوئی ہوتی تو ہم آپ کی جدائی کے غم میں اپنی جانیں کھودیتے۔ اے محمد (ﷺ)! ہمیں اپنے رب کے ہاں یاد کیجیے گا اور ہمارا خیال رکھیے گا۔“ (تخریج أحادیث الإحياء للعراقی: 1/1855)

ہم اس کی سند پر مطلع نہیں ہو سکے، البتہ حافظ عراقی نے اس کو امام ابن ابی الدنیا کی کتاب ”العزاء“ کی طرف منسوب کر کے اس کی سند کو ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔

امام یحییٰ بن سعید قطان رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

أَنْظُرُوا إِلَيَّ الْإِسْنَادِ، فَإِنْ صَحَّ الْإِسْنَادُ، وَإِلَّا فَلَا تَغْتَرَّ بِالْحَدِيثِ إِذَا لَمْ يَصَحَّ الْإِسْنَادُ.

”تم سند کو دیکھو۔ اگر سند صحیح ہو بہتر، بصورت دیگر حدیث کو دیکھ کر خوش نہیں ہونا چاہیے۔“
(الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطيب البغدادي: 2/102، رقم: 1301، وسنده صحيح)

دلیل نمبر ⑨: سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا:

إِذَا انْقَلَبَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُمْ بِأَرْضِ فَلَاةٍ فَلْيُنَادِ: يَا عِبَادَ اللَّهِ! احْبِسُوا عَلَيَّ، يَا عِبَادَ اللَّهِ! احْبِسُوا عَلَيَّ، فَإِنَّ لِلَّهِ فِي الْأَرْضِ حَاضِرًا، سَيَحْبِسُهُ عَلَيْنَا.

”جب تم میں سے کسی کی سواری جنگل بیابان میں چھوٹ جائے تو اس شخص کو یوں پکارنا چاہیے: اے اللہ کے بندو! میری سواری کو پکڑ دو، اے اللہ کے بندو! میری سواری کو پکڑ دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندے (فرشتے) اس زمین میں ہوتے ہیں، وہ تمہیں (تمہاری سواری) پکڑ دیں گے۔“ (المعجم الكبير للطبراني: 10/217، ح: 10518، واللفظة، مسند أبي

يعلى: 9/177، ح: 5269، عمل اليوم والليلة لابن السني: 509)

تبصرہ:

اس کی سند کئی وجوہ سے سخت ترین ”ضعیف“ ہے:

① معروف بن حسان ”غیر معروف“ اور ”مجہول“ ہے، امام ابو حاتم الرازی رحمۃ اللہ علیہ

نے اسے ”مجہول“ قرار دیا ہے۔ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 8/323)

امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس راوی کو ”منکر الحدیث“ کہا ہے۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال: 6/325)

حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ (مجمع الزوائد: 10/132)

اس کی توثیق میں ادنیٰ کلمہ بھی ثابت نہیں۔

② اس میں قتادہ بن دعامہ تابعی ”مدلس“ ہیں جو کہ ”عن“ سے بیان کر رہے

ہیں، سماع کی تصریح ثابت نہیں۔

ان کے بارے میں حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (673-748ھ) فرماتے ہیں:

وَهُوَ حُجْبَةٌ بِالْإِجْمَاعِ إِذَا بَيَّنَّ السَّمَاعَ، فَإِنَّهُ مُدْلَسٌ مَّعْرُوفٌ بِذَلِكَ.

”قتادہ جب سماع کی صراحت کریں تو بالا جماع حجت ہیں۔ وہ معروف مدلس ہیں۔“

(سير أعلام النبلاء: 5/270)

③ سعید بن ابی عروبہ بھی ”مدلس“ اور ”مختلط“ ہیں۔

④ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حَدِيثُ غَرِيبٌ أَخْرَجَهُ ابْنُ السَّنَنِ وَالطَّبْرَانِيُّ، وَفِي السَّنَنِ انْقِطَاعٌ بَيْنَ ابْنِ

بُرَيْدَةَ وَابْنِ مَسْعُودٍ.

”یہ غریب حدیث ہے جسے ابن السننی اور طبرانی نے بیان کیا ہے، اس کی سند میں ابن

بریدہ اور سیدنا ابن مسعود کے درمیان انقطاع ہے۔“ (شرح الاذکار لابن علان: 5/150)

ابن السننی کی سند میں ابن بریدہ اور سیدنا ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان عن ابیہ کا واسطہ

ہے، یہ نسخ کی غلطی ہے، کیونکہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سند کو ”منقطع“ قرار دیا ہے، دوسری

بات یہ ہے کہ یہی سند ابو یعلیٰ کی بھی ہے، لیکن مسند ابی یعلیٰ میں بھی یہ واسطہ مذکور نہیں، لہذا اس کا ”منقطع“ ہونا واضح ہے۔

علامہ بوسری اس کے بارے میں کہتے ہیں:

وَسَنَدُهُ ضَعِيفٌ لِّضَعْفِ مَعْرُوفِ ابْنِ حَسَّانٍ .

”اس کی سند معروف بن حسان کے ضعیف ہونے کی بنا پر ضعیف ہے۔“

(اتحاف الخيرة المهرة: 500/7)

حافظ سخاوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَسَنَدُهُ ضَعِيفٌ، لَكِنْ قَالَ التَّوْرِيُّ: إِنَّهُ جَرَّبَهُ هُوَ وَبَعْضُ أَكْبَرِ شُيُوخِهِ .

”اس کی سند تو ضعیف ہے، لیکن حافظ نووی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ انہوں نے اور ان کے بعض

اکابر شیوخ نے اس کا تجربہ کیا ہے۔“ (الابتهاج بأذکار المسافر والحاج للسخاوی، ص: 39)

اس کے تعاقب میں ناصر السنہ، محدث العصر، علامہ البانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الْعِبَادَاتُ لَا تُؤْخَذُ مِنَ التَّجَارِبِ، سَيِّمًا مَا كَانَ مِنْهَا فِي أَمْرِ غَيْبِي كَهَذَا الْحَدِيثِ، فَلَا يَجُوزُ الْمَيْلُ إِلَى تَصْحِيحِهِ، كَيْفَ وَقَدْ تَمَسَّكَ بِهِ بَعْضُهُمْ فِي جَوَازِ الْإِسْتِعَانَةِ بِالْمَوْتَى عِنْدَ الشَّدَائِدِ، وَهُوَ شَرُّ خَالِصٍ، وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ!

”عبادات تجربوں سے اخذ نہیں کی جاسکتیں، خصوصاً ایسی عبادات جو کسی غیبی امر کے بارے میں ہوں، جیسا کہ یہ حدیث ہے، لہذا تجربے کو بنیاد بنا کر اس کو صحیح قرار دینے کی طرف میلان ظاہر کرنا جائز نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے، جبکہ بعض لوگوں نے اس سے مصیبتوں کے وقت مردوں سے مدد مانگنے پر بھی استدلال کیا ہے۔ یہ خالص شرک ہے، اللہ محفوظ فرمائے!“

(سلسلة الأحاديث الضعيفة: 2/108, 109، ح: 655)

مذکورہ روایت کا ایک شاہد بھی ہے۔ اس میں ابان بن صالح بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا نَفَرْتُ ذَابَّةُ أَحَدِكُمْ أَوْ بَعِيرُهُ بِفُلَاةٍ مِّنَ الْأَرْضِ، لَا يَزِي بِهَا أَحَدٌ، فَلْيُثَلِّ: أَعَيْتُونِي عِبَادَ اللَّهِ! فَإِنَّهُ يُسْتَعَانُ.

”جب تم میں سے کسی کا جانور یا اونٹ صحرا میں بھاگ جائے اور وہ دکھائی نہ دے پارہا ہو تو اس شخص کو کہنا چاہیے: اے اللہ بندو! میری مدد کرو۔ یوں اس کی مدد کی جائے گی۔“

(مصنف ابن ابی شیبہ: 132/7)

لیکن اس کی سند بھی ”ضعیف“ ہے، کیونکہ:

① یہ منقطع بلکہ ”معضل“ (سخت منقطع) روایت ہے۔ ایسی روایت قابل اعتبار نہیں ہوتی۔

② محمد بن اسحاق راوی ”مذلس“ ہے، سماع کی تصریح نہیں مل سکی۔

تنبیہ: مصنف ابن ابی شیبہ (6/103) کی سند میں محمد بن اسحاق ”مذلس“ ہیں، سماع کی تصریح کہیں نہیں مل سکی۔ نیز ابان بن صالح صغارتا بعین میں سے ہیں اور ڈائریکٹ نبی اکرم ﷺ سے بیان کر رہے ہیں، لہذا یہ سند ”مرسل“ ہونے کی بنا پر بھی ”ضعیف“ ہے۔

دلیل نمبر ⑩: عتبہ بن غزو ان نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ أَحَدُكُمْ عَوْنًا، وَهُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أُنَيْسٌ، فَلْيُثَلِّ: يَا عِبَادَ اللَّهِ أَعَيْتُونِي، يَا عِبَادَ اللَّهِ عِبَادًا لَا نَرَاهُمْ، وَقَدْ جُرِّبَ ذَلِكَ.

”جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا تم میں سے کسی کو مدد چاہیے ہو اور وہ ایسی جگہ میں ہو جہاں اس کا کوئی مددگار نہ ہو، تو اسے یہ کہنا چاہیے: اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جنہیں ہم دیکھ نہیں سکتے اور یہ تجربہ

شدہ بات ہے۔“ (المعجم الكبير للطبرانی: 17/118، 117)

تبصرہ: یہ روایت ”ضعیف“ ہے۔ کیونکہ:

① حافظ پیشمی لکھتے ہیں: **إِنَّ زَيْدَ بْنَ عَلِيٍّ لَمْ يُدْرِكْ عُثْبَةَ.**

”یقیناً زید بن علی نے عتبہ کا زمانہ نہیں پایا۔“ (مجمع الزوائد: 10/132)

② حافظ مناوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **سَنَدُهُ مُنْقَطِعٌ.**

”اس کی سند منقطع ہے۔“ (فیض القدير: 1/307)

③ اس کی سند میں شریک بن عبد اللہ قاضی کی ”تدلیس“ اور اس کا ”اختلاط“ بھی

ہے۔ ان کے بیٹے عبد الرحمن بن شریک کا ان سے ”اختلاط“ سے پہلے احادیث روایت کرنا ثابت نہیں۔

تنبیہ: مذکورہ دونوں احادیث بلحاظ سند ”ضعیف“ ہیں۔ البتہ اگر ان میں مذکور

”عباد اللہ“ سے مراد فرشتے لیے جائیں تو صحیح حدیث سے ان کی تائید ہو جائے گی، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ سِوَى الْحَفَظَةِ، يَكْتُبُونَ مَا سَقَطَ مِنْ وَرَقِ

الشَّجَرِ، فَإِذَا أَصَابَ أَحَدَكُمْ عَرَجَةٌ بِأَرْضِ فَلَاةٍ، فَلْيُنَادِ: أَعْيُنُوا عِبَادَ اللَّهِ.

”زمین میں حفاظت والے فرشتوں کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہوتے ہیں جو درختوں کے گرنے والے پتوں کو لکھتے ہیں۔ جب تم میں سے کسی کو ویرانے میں چلتے ہوئے پاؤں میں موج آجائے تو وہ کہے: اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔“

(كشف الأستار عن زوائد البزار: 1/3128، وسندہ حسن)

علامہ پیشمی فرماتے ہیں: **رِجَالُهُ ثِقَاتٌ.** ”اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔“

(مجمع الزوائد: 10/32)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ إِسْنَادٍ، غَرِيبٌ جِدًّا.
”اس کی سند حسن ہے لیکن یہ انوکھی روایت ہے۔“

(مختصر زوائد البزار: 2/120، شرح ابن علان علی الأذکار: 5/151)

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّمَا هُمْ الْمَلَائِكَةُ، فَلَا يَجُوزُ أَنْ يُلْحَقَ بِهِمُ الْمُسْلِمُونَ مِنَ الْجِنِّ أَوْ الْإِنْسِ
مِمَّنْ يُسْمَوْنَهُمْ بِرِجَالِ الْغَيْبِ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ، سَوَاءً كَانُوا أَحْيَاءً أَوْ
أَمْوَاتًا، فَإِنَّ الْإِسْتِغَاثَةَ بِهِمْ وَطَلَبَ الْعَوْنِ مِنْهُمْ شَرٌّ كَبِيرٌ لِأَنََّّهُمْ لَا يَسْمَعُونَ
الدُّعَاءَ، وَلَوْ سَمِعُوا لَمَا اسْتَطَاعُوا الْإِسْتِجَابَةَ وَتَحْقِيقَ الرَّغْبَةِ، وَهَذَا صَرِيحٌ فِي
آيَاتٍ كَثِيرَةٍ، مِنْهَا قَوْلُهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: ﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا
يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ* إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا
اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ﴾
(فاطر 13-14)

”اس حدیث میں اللہ کے بندوں سے مراد صرف فرشتے ہیں۔ ان کے ساتھ مسلمان جنوں اور
ان اولیاء اور صالحین کو ملانا جنہیں نبی لوگ کہا جاتا ہے، جائز نہیں، خواہ وہ زندہ ہوں یا فوت ہو گئے
ہوں۔ ان جنوں اور انسانوں سے مدد طلب کرنا واضح شرک ہے کیونکہ وہ پکارنے والے کی پکار کو سن نہیں
سکتے۔ اگر وہ سن بھی لیں تو اس کا جواب دینے یا حاجت روائی کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ قرآن کریم
کی بہت سی آیات اس پر شاہد ہیں۔ ایک مقام پر فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ
مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ* إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ
سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ

مِثْلُ خَبِيرٍ﴾ (فاطر 13-14) (اور جن لوگوں کو یہ مشرکین اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کھجور کی گٹھلی کے باریک غلاف کے برابر بھی کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ اگر تم ان کو پکارتو تو وہ تمہاری پکار کو سن نہیں سکتے اور اگر وہ سن بھی لیں تو تمہاری مراد پوری نہیں کر سکتے اور قیامت کے روز یہ لوگ تمہارے شرک سے لاعلمی کا اظہار کریں گے اور آپ کو (اللہ) خبیر کی طرح کوئی خبر نہیں دے سکتا۔“

(سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيئ في الأمة: 2/111، ح: 655)

یعنی اس حدیث میں ماتحت الاسباب مدد مانگنے کا بیان ہے، کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے خود بیان فرما دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے وہاں ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نیک بندوں کی اعانت پر مامور کر رکھا ہے۔ قرآن و سنت کی روشنی میں اہل سنت والجماعت اس پکار کو شرک کہتے ہیں جس میں کسی غائب یا فوت شدہ کو پکارا جائے یا کسی زندہ سے وہ چیز مانگی جائے جس پر وہ سرے سے قدرت ہی نہیں رکھتا۔ اسے مافوق الاسباب استعانت کہا جاتا ہے جو کہ ممنوع و حرام اور شرک ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَضَلَّلْتُ الطَّرِيقَ فِي حَجَّةٍ وَكُنْتُ مَا شِئْتُ، فَجَعَلْتُ أَقْوُلُ: يَا عِبَادَ اللَّهِ! ذَلُّوْنَا عَلَى الطَّرِيقِ، فَلَمْ أَزَلْ أَقْوُلْ ذَلِكَ، حَتَّى وَقَعْتُ الطَّرِيقَ.

”ایک حج کے سفر میں مجھے راستہ بھول گیا۔ میں پیدل تھا، میں نے یہ کہنا شروع کیا: اللہ کے بندو! مجھے راستہ بتاؤ۔ میں مسلسل کہتا رہا حتیٰ کہ صبح راستے پر آ گیا۔“

(مسائل الإمام أحمد لابن عبد الله، ص: 245)

علامہ نووی رحمہ اللہ نے اپنے بعض اکابر شیوخ کا ”عباد اللہ“ کے بارے میں جو تجربہ بیان کیا ہے، ظن غالب ہے کہ وہ فرشتوں ہی کے بارے میں ہوگا۔

دلیل نمبر ⑪: سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

”رسول اللہ ﷺ نے وضو خانے میں تین مرتبہ لَبَّيْكَ کہا اور تین مرتبہ نُصِرْتَ (تیری

مدد کی گئی) کہا۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کو تین مرتبہ لَبَّيْكَ اور تین مرتبہ نَصْرَتَ فرماتے ہوئے سنا ہے، گویا آپ کسی انسان سے گفتگو کر رہے ہوں۔ کیا وضو خانے میں کوئی آپ کے ساتھ تھا؟ آپ نے فرمایا: یہ بنو کعب کا رجز خواں مجھے پکار رہا تھا اور اس کا کہنا ہے کہ قریش نے ان کے خلاف بنو بکر کی مدد کی ہے۔ تین دن کے بعد آپ نے صحابہ کرام کو صبح کی نماز پڑھائی تو میں نے سنا کہ رجز خواں یہ اشعار پیش کر رہا تھا۔۔۔“

(المعجم الكبير للطبراني: 23/433، 434، ح: 1052، المعجم الصغير للطبراني: 2/167،

ح: 968، الْمُخَلَّصَاتُ: 1331، دلائل النبوة لأبي القاسم الأصبهاني: 59)

تبصرہ:

اس کی سند ”ضعیف“ ہے، کیونکہ:

① اس کے ایک راوی محمد بن نضلہ کے حالات نہیں مل سکے۔

امام شافعی رحمہ اللہ (150-204ھ) فرماتے ہیں:

لَا نَقْبَلُ خَبَرَ مَنْ جَهَلْنَا، وَكَذَلِكَ لَا نَقْبَلُ خَبَرَ مَنْ لَمْ نَعْرِفْهُ بِالصِّدْقِ
وَعَمَلِ الْخَيْرِ.

”ہم مجہول (العین) راوی کی روایت قبول نہیں کرتے۔ اسی طرح اس (مجہول الحال)

راوی کی روایت بھی ہمارے ہاں ناقابل قبول ہے، جس کی سچائی اور نیکی ہمیں معلوم نہیں۔“

(اختلاف الحدیث، ص: 45)

تنبیہ: حافظ بیہقی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس روایت میں بیہقی بن سلیمان بن نضلہ راوی

”ضعیف“ ہے۔ (مجمع الزوائد: 6/164)

لیکن راجح یہی ہے کہ بیہقی بن سلیمان بن نضلہ راوی ”حسن الحدیث“ ہے، البتہ اس کے

حفظ میں کلام ضرور ہے۔ واللہ اعلم!

دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت میں وسیلہ بالذوات والاموات کا کوئی ذکر نہیں۔

دلیل نمبر (12): سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت ۱۸ ہجری میں قحط

سالی واقع ہوئی۔ اس سال کو عام الرمادہ کہتے ہیں۔ بنومزینہ نے اپنے ایک آدمی (بلال) سے کہا کہ ہم مرے جا رہے ہیں، کوئی بکری ذبح کیجیے۔ اس نے کہا: بکریوں میں کچھ نہیں رہا۔ اصرار بڑھا تو انہوں نے بکری ذبح کر دی۔ جب اس کی کھال اتاری تو نیچے سے سرخ ہڈی نکلی۔ یہ دیکھ کر اس آدمی نے یا مَحَمَّدَا کہا۔ رات ہوئی تو اس نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے فرما رہے ہیں: تمہیں زندگی مبارک ہو۔ عمر کے پاس جاؤ، اسے میری طرف سے سلام کہو اور یہ بھی کہو کہ اے عمر! تم تو وعدوں کو خوب نبھانے والے ہو، میرا وعدہ یاد کرو۔ عمر! انائی سے کام لو۔ قبیلہ بنومزینہ کا یہ شخص بیدار ہونے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر آیا اور دربان سے کہا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کرو۔ دربان نے آ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی تو وہ گھبرا گئے اور فرمایا: اسے میرے پاس لاؤ۔ جب اس شخص کو اندر بلایا گیا تو اس نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں اعلان کرایا، منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا: تمہیں اس ذات کی قسم جس نے تمہیں اسلام کی توفیق بخشی! کیا تم نے مجھ میں کوئی کوتاہی دیکھی ہے؟ لوگ کہنے لگے: نہیں، لیکن ہوا کیا؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بلال کے خواب والا واقعہ سنایا۔ لوگ سمجھ گئے لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نہ سمجھ سکے۔ لوگوں نے انہیں بتایا کہ آپ نے نماز استسقاء کی ادائیگی میں تاخیر کی ہے۔ ہمارے ساتھ نماز استسقاء ادا کریں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان سے لوگوں کو جمع کیا، کھڑے ہو کر مختصر خطبہ دیا، پھر مختصر دو رکعتیں ادا کیں، پھر بارش کے لیے دُعا فرمائی۔۔۔“

(تاریخ الطبری: 4/99، البدایة والنہایة لابن کثیر: 7/91)

تبصرہ: یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے، کیونکہ:

① سیف بن عمر الکوفی راوی بالاتفاق ”ضعیف و متروک“ ہے۔

② اس کا استاذ مبشر بن فضیل ”مجہول“ ہے۔

امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مَجْهُولٌ بِالنَّقْلِ، إِسْنَادُهُ لَا يَصِحُّ.

’یہ شخص روایت حدیث میں مجہول ہے، اس حدیث کی سند صحیح نہیں۔‘

(الضعفاء الكبير: 4/236)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لَا يُدْرِي مَنْ هُوَ؟ ”نہ معلوم یہ کون ہے؟“

(میزان الاعتدال: 3/434)

③ اس کے راوی جبر بن صخر کی توثیق مطلوب ہے۔

④ شعیب بن ابراہیم کو فی ”مجہول“ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت کو اکثر حنفی حضرات ہی اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں،

حالانکہ ان کی پیش کردہ اس من گھڑت روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

کو نماز استسقاء پڑھنے کا حکم دیا گیا بلکہ اسے دانائی و حکمت بتایا گیا، پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس حکم

نبوی کے مطابق باجماعت نماز استسقاء کی ادائیگی بھی کی۔ جبکہ حنفی حضرات کے مقلد امام ابوحنیفہ

نماز استسقاء کو مسنون نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ فقہ حنفی کی معتبر کتاب ”ہدایہ“ میں امام ابوحنیفہ کا قول

یوں نقل کیا گیا ہے:

لَيْسَ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ صَلَاةٌ مَّسْنُونَةٌ فِي جَمَاعَةٍ..... وَرَسُولُ اللَّهِ اسْتَسْقَى،

وَلَمْ تُزَوَّعْ عَنْهُ الصَّلَاةُ.

’استسقاء میں باجماعت نماز پڑھنا سنت نبوی نہیں۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش طلب

کی تھی لیکن آپ سے اس موقع پر نماز پڑھنا مروی نہیں۔‘

(الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الصلاة، باب الاستسقاء: 1/176)

حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باجماعت نماز استسقاء ادا کرنے کے بارے میں احادیث

معروف ہیں۔ کتب حدیث میں کثرت کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز استسقاء اور اس کے

طریقے کے بارے میں احادیث موجود ہیں۔ صرف صحاح ستہ سے چند حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

صحیح البخاری: 1012، صحیح مسلم: 894، سنن أبي داود: 1161، سنن الترمذی: 556، سنن النسائی: 1505، سنن ابن ماجه: 1266.

فوت شدگان سے توسل والے من گھڑت عقیدے پر ایک من گھڑت روایت نے حنفی بھائیوں کو بھلا کیا فائدہ دیا؟ صرف یہ کہ باجماعت نماز استسقاء ان کے گلے پڑ گئی!!!

دلیل نمبر ⑬: جنگ یمامہ میں مسلمہ کذاب کے ساتھ فوج کی تعداد

ساتھ ہزار تھی، جبکہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی۔ مقابلہ بہت شدید تھا۔ ایک وقت نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مسلمان مجاہدین کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سپہ سالار تھے۔ انہوں نے یہ حالت دیکھی تو:

وَنَادَى بِشَعَارِهِمْ يَوْمَئِذٍ، وَكَانَ شَعَارُهُمْ يَوْمَئِذٍ: يَا مُحَمَّدَا!

”انہوں نے مسلمانوں کا نعرہ بلند کیا۔ اس دن مسلمانوں کا نعرہ يَا مُحَمَّدَا تھا۔“

(تاریخ الطبری: 2/181، البدایة والنہایة لابن کثیر: 6/324)

تبصرہ: یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے، کیونکہ:

① اس میں سیف بن عمر کوئی راوی بالاتفاق ”ضعیف و متروک“ موجود ہے۔

② شعیب بن ابراہیم کوئی ”مجہول“ ہے۔ کما مّر

③ ضحاک بن یربوع کی توثیق نہیں ملی۔

④ اس کا باپ یربوع کیسا ہے؟ معلوم نہیں ہو سکا۔

⑤ رجل من سحیم کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔

دلیل نمبر ⑭: سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے سیدنا کعب بن ضمیرہ رضی اللہ عنہ

کو ایک ہزار افراد کے ہمراہ حلب کا جائزہ لینے کے لیے روانہ کیا۔ جب وہ حلب کے قریب پہنچے تو یوقنا پانچ ہزار افراد کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ مسلمان جم کر لڑنے لگے۔ اتنے میں پیچھے چھپے ہوئے

پانچ ہزار افراد کے لشکر نے حملہ کر دیا۔ اس خطرناک صورتِ حال نے مسلمانوں کو بے حد پریشان کر دیا۔ کعب بن زمرہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھامے ہوئے بلند آواز سے پکارا:

يَا مُحَمَّدُ، يَا مُحَمَّدُ، يَا نَصْرَ اللَّهِ، انْزِلْ!
 ”اے محمد! اے محمد! اے اللہ کی مدد، اتر آ۔“

(فتوح الشام لمحمد بن عمر الواقدي: 1/196، طبع مصر: 1394)

تبصرہ: یہ روایت سخت ترین ”ضعیف“ ہے، اس کا راوی محمد بن عمر الواقدي

جمہور کے نزدیک ”ضعیف، متروک اور کذاب“ ہے۔ اس کے بارے میں:

حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ضَعْفُهُ الْجُمْهُورُ .

”اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (مجمع الزوائد: 3/255)

علامہ ابنِ ملقن رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وَقَدْ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

”اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔“

(البدر المنير في تخريج الأحاديث والآثار الواقعة في الشرح الكبير: 5/324)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”متروک“ کہا ہے۔ (تقریب التہذیب: 6175)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: كُتِبَ الْوَأَقِدِي كِذْبًا .

”واقدي کی کتابیں جھوٹ کا پلندہ ہیں۔“

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 8/21، وسنده صحيح)

امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: إِنَّهُ عِنْدِي مِمَّنْ يَضَعُ الْحَدِيثَ .

”میرے نزدیک یہ جھوٹی احادیث گھڑنے والا ہے۔“

(الجرح والتعديل: 8/21، وسنده صحيح)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”کذاب“ قرار دیا ہے۔

(الضعفاء الكبير للعقيلي: 4/108، وسنده صحيح)

امام بخاری، امام ابو زرعة، امام نسائی اور امام عقیلی رضی اللہ عنہم نے اسے ”متروک الحدیث“ کہا ہے، امام یحییٰ بن معین اور جمہور نے ”ضعیف“ کہا ہے، امام ابن عدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

يُرْوَى أَحَادِيثَ غَيْرَ مَحْفُوظَةٍ وَ الْبَلَاءُ مِنْهُ، وَ مُثُونُ أَخْبَارِ الْوَأَقِدِيِّ غَيْرُ مَحْفُوظَةٍ، وَ هُوَ بَيْنَ الضَّعْفِ .

”یہ غیر محفوظ احادیث بیان کرتا ہے اور یہ مصیبت اسی کی طرف سے ہے۔ واقدی کی احادیث کے متون غیر محفوظ ہیں۔ اس کے ضعیف ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔“

(الکامل فی ضعفاء الرجال: 243/6)

امام خطیب بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَ الْوَأَقِدِيُّ عِنْدَ أَئِمَّةِ أَهْلِ النَّقْلِ ذَاهِبُ الْحَدِيثِ .

”واقدی ائمہ محدثین کے ہاں ضعیف راوی ہے۔“ (تاریخ بغداد: 37/1)

دلیل نمبر 15: سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بہن نے کہا: اے بہت ہی تعریف

کیے ہوئے! امداد، امداد۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے اور آسمانی فرشتے دور بھیجیں۔ حسین میدان میں ہیں، خون میں نہائے ہوئے، اعضاء کٹے ہوئے۔ یا محمد! امداد۔ آپ کی بیٹیاں حراست میں ہیں۔ آپ کی اولاد شہید کر دی گئی ہے۔ بادِ صبا ان پر مٹی اڑا رہی ہے۔

(البدایة والنہایة لابن کثیر: 193/8)

تبصرہ: اس کی سند باطل اور جھوٹی ہے، کیونکہ:

- ① اس میں سفیان ثوری کی تدلیس ہے۔ سماع کی تصریح نہیں ملی۔
- ② مخبر (سند میں خبر دینے والا) نامعلوم ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کسی مجہول اور کذاب رافضی کی کارستانی ہے، جو بعض لوگوں کے ہاتھ لگ گئی ہے اور وہ اسے دین بنائے بیٹھے ہیں۔

دلیل نمبر 16: پشم بن عدی کہتے ہیں کہ بنو عامر نے بصرہ میں اپنے

جانور کھیتی میں چرائے۔ انہیں طلب کرنے کے لیے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھیجے گئے۔ بنو عامر نے بلند آواز سے اپنی قوم آل عامر کو بلا یا تو نابغہ جعدی اپنے رشتہ داروں کی ایک جماعت کے ساتھ نکلے۔ انہیں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا۔ انہوں نے پوچھا: تم کیوں نکلے ہو؟ انہوں نے کہا: میں نے اپنی قوم کی پکار سنی تھی۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے انہیں تازیانے لگائے۔ اس پر نابغہ جعدی نے کہا:

فَإِنْ تَكُ لِابْنِ عَفَّانٍ أَمِينًا فَلَمْ يَبْعَثْ بِكَ الْبَرَّ الْأَمِينًا

وَيَا قَبْرِ النَّبِيِّ وَصَاحِبِيهِ أَلَا يَا عَوْثًا لَوْ تَسْمَعُونَا

”اگر تو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا امین ہے تو انہوں نے تجھے احسان کرنے والا امین بنا کر نہیں بھیجا۔ اے نبی اور آپ کے دو صاحبوں کی قبر! اے ہمارے فریادرس! کاش آپ ہماری فریاد سن لیں۔“ (الاستيعاب: 3/586)

تبصرہ: یہ روایت موضوع (جھوٹ کا پلندا) ہے۔ اس کا راوی پیشم بن عدی

بالاتفاق ”کذاب“ اور ”متروک الحدیث“ ہے۔

دلیل نمبر 17: عبد الرحمن بن سعد بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، فَحَدَرْتُ رِجْلَهُ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ! مَا لِرِجْلِكَ؟ قَالَ: اجْتَمَعَ عَصْبُهَا مِنْ هَاهُنَا، فَقُلْتُ: ادْعُ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْكَ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! فَأَنْبَسَطْتُ.

”میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا۔ آپ کا پاؤں سُن ہو گیا۔ میں نے عرض کی: اے ابو عبد الرحمن! آپ کے پاؤں کو کیا ہو گیا ہے؟ فرمایا: یہاں سے میرے پٹھے کھینچ گئے ہیں۔ میں نے عرض کی: تمام لوگوں میں سے جو ہستی آپ کو زیادہ محبوب ہے، اسے یاد کریں۔ آپ نے یا محمد! کہا۔ اسی وقت ان کے پٹھے کھل گئے۔“

الأدب المفرد للبخاري: 924، مسند علي بن الجعد: 2539، عمل اليوم والليلة لابن السني:

173، طبقات ابن سعد: 4/154، تاريخ ابن معين: (2953)

تبصرہ: اس کی سند ”ضعیف“ ہے۔ اس کی سند کا دار و مدار ابواسحاق سبیعی پر ہے جو کہ ”مدلس“ اور ”مختلط“ ہیں۔ مسلم اصول ہے کہ ثقہ مدلس جب بخاری و مسلم کے علاوہ ”عن“ یا ”قال“ سے بیان کرے تو روایت ”ضعیف“ ہوتی ہے، تا آنکہ وہ سماع کی تصریح نہ کرے۔ اس روایت کی صحت کے مدعی پر سماع کی تصریح پیش کرنا لازم ہے۔

الادب المفرد کی سند میں سفیان ثوری رضی اللہ عنہ ”مدلس“ ہیں، جو کہ ”عن“ سے بیان کر رہے ہیں۔ عمل اليوم والليلة (169) میں سفیان ثوری رضی اللہ عنہ کی ابو بکر بن عیاش (171)، اسرائیل بن یونس اور (173) زہیر بن معاویہ نے متابت کر رکھی ہے۔ لیکن کسی روایت میں ابواسحاق نے سماع کی تصریح نہیں کی۔ لہذا یہ روایت ابواسحاق سبیعی کی تدلیس کی وجہ سے ”ضعیف“ ہے۔ نہ معلوم عقیدہ میں خبر واحد کو حجت نہ ماننے والے اسے سینے سے کیوں لگائے بیٹھے ہیں؟

فائدہ: امام بریلویت احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

”حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نام پاک لے کر ندا کرنی ہمارے نزدیک بھی صحیح نہیں ہے۔“

(روحوں کی دنیا از احمد رضا خان، ص: 245)

نیز دیکھیں: (”جاء الحق“ از احمد یار خان نعیمی بریلوی: 1/173، شان حبیب الرحمن از نعیمی: 136) یوں یہ روایت بریلوی بھائیوں کے لیے چنداں مفید نہیں، کیونکہ اس سے صحیح ماننے سے لازم آئے گا کہ (معاذ اللہ) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک غلط کام کر رہے تھے!!!

دلیل نمبر ⑱: مجاہد رضی اللہ عنہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

خَدِرْتُ رَجُلًا رَجُلًا عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: اذْكُرْ أَحَبَّ النَّاسِ إِلَيْكَ، فَقَالَ: مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَهَبَ خَدِرُهُ.

”سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے کسی شخص کی ٹانگ سن ہوگئی تو انہوں نے اس سے فرمایا: لوگوں میں سے جو تمہیں زیادہ محبوب ہے، اسے یاد کرو۔ اس شخص نے کہا: محمد ﷺ۔ یہ کہنا تھا کہ اس کے پاؤں کاؤں ہو جانا جاتا رہا۔“

(عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی: 170)

تبصرہ: یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے۔ اس کی سند میں غیث بن ابراہیم نخعی بالاتفاق کذاب (پرلے درجے کا جھوٹا)، خبیث اور وضاع (جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا) ہے۔

دلیل نمبر 19: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: جو اپنے گھر سے نماز کے لیے نکلے اور یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ اپنے چہرے کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کے لیے ستر ہزار فرشتے دعائے مغفرت کرتے ہیں:

اللَّهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ، وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ مَمْسَايَ هَذَا.

”اے اللہ! میں دعا کرنے والوں کا جو آپ پر حق ہے، اس کے طفیل اور اپنے اس چلنے کے طفیل سوال کرتا ہوں۔“ (مسند أحمد: 3/21، سنن ابن ماجہ: 778)

تبصرہ: اس کی سند سخت ترین ”ضعیف“ ہے۔

حافظ منذری رحمہ اللہ (581-656ھ) فرماتے ہیں:

بِإِسْنَادٍ فِيهِ مَقَالٌ.

”اس کی سند میں کلام ہے۔“ (الترغیب والترہیب: 2487)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَهَذَا الْحَدِيثُ هُوَ مِنْ رِوَايَةِ الْعَوْفِيِّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَهُوَ ضَعِيفٌ

بِاجْتِمَاعِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَقَدْ رُوِيَ مِنْ طَرِيقٍ آخَرَ، وَهُوَ ضَعِيفٌ أَيْضًا.

”یہ حدیث عوفی نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے اور عطیہ باتفاق اہل علم

ضعیف ہے۔ اس کی ایک اور سند بھی موجود ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔“

(قاعدة جلیلة فی التوسل والوسيلة، ص: 215)

علامہ مغطائی حنفی (689-762ھ) کہتے ہیں:

هَذَا حَدِيثٌ إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ .

”اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔“ (شرح ابن ماجہ: 1/1294)

بوصیری (762-840ھ) کہتے ہیں:

هَذَا إِسْنَادٌ ضَعِيفٌ .

”اس کی سند ضعیف ہے۔“ (آتحاف الخیرة المہرۃ: 2/32، ح: 979)

لہذا حافظ عراقی (تخریج أحادیث الإحياء: 1/384) کا اس کی سند کو ”حسن“ کہنا اور بعض کا

اس حدیث کو ”حسن“ قرار دینا صحیح نہیں۔

اس کا راوی عطیہ بن سعد عوفی جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے، نیز ”مدلس“ بھی ہے،

حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ضَعِيفٌ عِنْدَ الْجُمْهُورِ . ”جمہور کے نزدیک یہ راوی ضعیف ہے۔“

(تہذیب الأسماء واللغات: 1/48)

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ضَعَفَهُ الْجُمْهُورُ .

”اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (طرح التثريب لابن العراقي: 3/42)

حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وَالْأَكْثَرُ عَلَى تَضْعِيفِهِ .

”اکثر محدثین کرام اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔“ (مجمع الزوائد: 10/412)

حافظ ابن الملقن رحمۃ اللہ علیہ اسے ”ضعیف“ قرار دے کر لکھتے ہیں:

وَالْجُمْهُورُ عَلَى تَضْعِيفِهِ . ”جمہور اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔“

(البدر المنير في تخریج الأحادیث والآثار الواقعة في الشرح الكبير: 7/463)

علامہ عینی حنفی (762-855ھ) لکھتے ہیں: ضَعْفَةُ الْجُمُهورِ.

”اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (عمدة القاري: 6/250)

علامہ شرف الحق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ (م بعد: 1310ھ) لکھتے ہیں:

عَطِيَّةٌ، ضَعْفَةُ الْجُمُهورِ. ”عطیہ کو جمہور نے ضعیف کہا ہے۔“

(عون المعبود علی سنن أبي داود: 3/336)

امام ہشیم بن بشیر واسطی کے بارے میں ہے: وَكَانَ هُشَيْمٌ يَتَكَلَّمُ فِيهِ.

”آپ عطیہ پر جرح کرتے تھے۔“ (التاريخ الصغير للبخاري: 1/303، وسنده صحيح)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ضَعِيفُ الْحَدِيثِ.

”اس کی بیان کردہ حدیث ضعیف ہوتی ہے۔“ (كتاب العلل ومعرفة الرجال: 1306)

امام ابو زرعة الرازی نے اسے ”لین“ کہا ہے اور امام ابو حاتم الرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفُ الْحَدِيثِ، يُكْتَبُ حَدِيثُهُ. ”ضعیف الحدیث ہے۔ اس کی حدیث

(متابعات وشواہد میں) لکھی جائے گی۔“ (الجرح والتعديل لابن ابی حاتم: 6/383)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ (سنن الدارقطني: 4/39)

نیز فرماتے ہیں کہ یہ ”مضطرب الحدیث“ ہے۔ (العلل للدارقطني: 4/291)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: كَانَ يَحْيَى يَتَكَلَّمُ فِي عَطِيَّةٍ.

”امام یحییٰ عطیہ پر جرح کرتے تھے۔“ (التاريخ الكبير للامام البخاري: 4/83)

نیز فرماتے ہیں: كَانَ يَحْيَى لَا يَرَوِي عَنْ عَطِيَّةٍ.

”امام یحییٰ عطیہ بن سعد عوفی سے روایت نہیں کرتے تھے۔“

(التاريخ الكبير للامام البخاري: 5/122)

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ضَعِيفٌ، إِلَّا أَنَّهُ يَكْتَبُ حَدِيثُهُ.

”یہ راوی ضعیف ہے، البتہ اس کی روایت (متابعات و شواہد) میں لکھی جائے گی۔“

(الکامل لابن عدی: 5/369، وسندہ حسن)

اس قول کے خلاف امام صاحب سے یہ بھی مروی ہے: لَيْسَ بِهِ بَأْسٌ .

”اس میں کوئی حرج نہیں۔“ (التاریخ لابن طہمان: 256)

جمہور کے موافق قول تضعیف والا ہے، لہذا اسے ہی قبول کیا جائے گا۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عطیہ کو ”ضعیف“ کہا ہے۔ (کتاب الضعفاء والمتروکین: 481)

حافظ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ جرح کی ہے:

لَا يَحِلُّ إِلَّا حَتَّ جَاجُجْ بِهِ، وَلَا كِتَابَةٌ حَدِيثُهُ، إِلَّا عَلَى جِهَةِ التَّعَجُّبِ .

”اس کی حدیث سے حجت لینا جائز نہیں، اسے صرف تعجب کے طور پر لکھنا درست ہے۔“

(کتاب المجروحین: 2/176)

حافظ جوزجانی نے اسے ”مائل“ قرار دیا ہے۔ (أحوال الرجال: 42)

یعنی ان کے نزدیک عطیہ غالی رافضی تھا۔

امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَهُوَ مَعَ ضَعْفِهِ يُكْتَبُ حَدِيثُهُ، وَكَانَ يُعَدُّ مِنْ شَيْعَةِ الْكُوفَةِ .

”ضعیف ہونے کے باوجود اس کی حدیث (متابعات و شواہد) میں لکھی جائے گی۔ اس کا

شمار کوفہ کے شیعوں میں ہوتا ہے۔“ (الکامل فی ضعفاء الرجال: 5/370)

حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔ (السنن الکبریٰ: 7/369)

حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ضَعِيفٌ جِدًّا . ”سخت ضعیف ہے۔“

(المحلی لابن حزم: 11/86)

حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ”ضعیف“ کہا ہے۔ (خلاصة الأحكام: 1/572)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

ضَعِيفُ الْحَدِيثِ، مَشْهُورٌ بِالتَّدْلِيسِ الْقَبِيحِ.

”یہ راوی ضعیف الحدیث اور بہت بُری تدلیس کے ساتھ مشہور ہے۔“

(طبقات المدلسین: 50)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ”ضعیف“ لکھا ہے۔ (میزان الاعتدال فی نقد الرجال: 80/3)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بھی ”ضعیف“ قرار دیتے ہیں۔

(تفسیر القرآن العظیم: 89/6، بتحقیق عبدالرزاق المہدی)

لہذا امام ابن سعد (الطبقات: 304/6) کا اسے ”ثقة“ کہنا جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ

سے ناقابل التفات ہے۔

پہلے اکثر محدثین ”ضعیف“ کہتے تھے، بعد میں عطیہ بن سعد عوفی کے ”ضعیف“ ہونے پر

اجماع ہو گیا تھا، جیسا کہ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مُتَّفَقٌ عَلَى ضَعْفِهِ.

”اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق و اجماع ہے۔“ (المحلی: 309/10)

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أَمَّا عَطِيَّةٌ، فَاجْتَمَعُوا عَلَى تَضْعِيفِهِ.

”عطیہ کے ضعیف ہونے پر محدثین کرام کا اجماع ہو گیا ہے۔“ (الموضوعات: 386/1)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهُوَ ضَعِيفٌ بِاجْتِمَاعِ أَهْلِ الْعِلْمِ.

”اس کے ضعیف ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے۔“ (قاعدة جليلية في التوسل، ص: 233)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مُجْمَعٌ عَلَى ضَعْفِهِ.

”اس کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے۔“ (المغني في الضعفاء: 62/2)

حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهُوَ ضَعِيفٌ بِاجْتِمَاعِهِمْ.

”عطیہ باجماع اہل علم ضعیف ہے۔“ (البدرا المنير: 313/5)

عطیہ عوفی ”مُدَّلس“ بھی تھا، بلکہ ”تدلیس“ کی بُری قسم میں ملوث تھا۔ یہ

نوٹ:

اپنے استاذ محمد بن سائب کلبی (متہم بالکذب) کا نام ذکر نہیں کرتا تھا اور اس کی کنیت ابوسعید ذکر کر کے باور کرانے کی کوشش کرتا تھا کہ اس سے مراد صحابی رسول ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفُ الْحَفْظِ، مَشْهُورٌ بِالتَّدْلِيسِ الْقَبِيحِ.

”اس کا حافظہ کمزور تھا اور یہ بڑی تدلیس کرنے میں معروف تھا۔“

(طبقات المدلسین، ص: 50)

تنبیہ ①: محمد زاہد کوثری حنفی جمعی (م 1371ھ) نے لکھا ہے:

وَلَمْ يَنْفَرِدْ عَطِيَّةٌ عَنِ الْخُدْرِيِّ، بَلْ تَابَعَهُ أَبُو الصِّدِّيقِ عَنْهُ فِي رِوَايَةِ عَبْدِ الْحَكَمِ بْنِ ذَكْوَانَ، وَهُوَ ثِقَةٌ عِنْدَ ابْنِ حَبَّانَ، وَإِنْ أَعْلَاهُ ابْنُ الْفَرَجِ فِي عِلَالِهِ.

”عطیہ عوفی، سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بیان کرنے میں اکیلا نہیں بلکہ اس کی متابعت ابوالصدیق نے عبدالحکم بن ذکوان کی روایت میں کی ہے اور وہ ثقہ راوی ہے۔ اسے امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ثقہ کہا ہے، اگرچہ ابن الفرّج نے اسے اپنی علل میں ذکر کیا ہے۔“

(مقالات الكوثری: 394)

لیکن:

① کوثری کی نقل کا کوئی اعتبار نہیں۔

② کوثری نے کوئی سند ذکر نہیں کی۔ ہمیں کہیں باسند یہ متابعت نہیں ملی۔

③ راوی عبدالحکم بن ذکوان نہیں بلکہ عبدالحکم بن عبد اللہ قسملی ہے کیونکہ ابوالصدیق

ناجی کے شاگردوں میں قسملی ہی ہے، ابن ذکوان نہیں۔ اگر ابن ذکوان بھی ہو تو وہ ”مجهول“ ہے۔

امام بیہقی بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا أَعْرِفُهُ. ”میں اسے نہیں جانتا۔“

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 36/6)

اگرچہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب الثقات (5/131) میں ذکر کیا ہے، لیکن

یہ ان کے تساہل پر مبنی ہے۔ ان کی منفرد توثیق قابل قبول نہیں ہوتی۔

یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے

اسے مقبول (مجہول الحال) ہی لکھا ہے۔ (تقریب التہذیب: 3748)

جہاں تک عبدالحکم بن عبداللہ قسملی کا تعلق ہے، تو وہ بھی جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لَا يُحْتَجُّ بِهِ. ”یہ قابل حجت نہیں۔“

(سنن الدارقطنی: 1/104)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”منکر الحدیث“ قرار دیا ہے۔ (التاریخ الکبیر: 2/168)

امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَعَامَّةُ أَحَادِيثِهِ مِمَّا لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ، وَبَعْضُ مُثُونٍ مَا يَزُوِيهِ مَشَاهِيرُ، إِلَّا أَنَّهُ

بِإِسْنَادِ الَّذِي يَذْكُرُهُ عَبْدُ الْحَكَمِ لَعَلَّهُ لَا يَزُوِي ذَاكَ.

”اس کی عام احادیث پر متابعت نہیں کی جاتی۔ اس کی روایت کردہ احادیث کے بعض

متون مشہور ہیں، لیکن وہ ان سندوں کے ساتھ ہیں، جنہیں عبدالحکم ذکر کرتا ہے۔ شاید اس نے وہ

روایت نہیں کیے۔“ (الکامل: 5/334)

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كَانَ مِمَّنْ يَزُوِي عَنْ أَنَسٍ مَّا لَيْسَ مِنْ حَدِيثِهِ، وَلَا أَعْلَمُ لَهُ مَعَهُ مُشَافَهَةٌ، لَا

يَحِلُّ كِتَابَتُهُ حَدِيثِهِ إِلَّا عَلَى جِهَةِ التَّعَجُّبِ.

”یہ ان لوگوں میں سے تھا جو سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے منسوب کر کے جھوٹی روایات بیان کرتے

تھے۔ اس کی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے بالمشافہ ملاقات مجھے معلوم نہیں۔ اس کی حدیث کو لکھنا جائز

نہیں، ہاں بطور تعجب (ونقد) لکھا جاسکتا ہے۔“ (المجروحین: 2/143)

امام ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: هُوَ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، ضَعِيفٌ

الْحَدِيثِ، قُلْتُ (الْقَائِلُ هُوَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ): يُكْتَبُ حَدِيثُهُ؟ قَالَ: رَحْمًا.

”وہ منکر الحدیث اور ضعیف الحدیث ہے۔ ابن ابی حاتم کہتے ہیں: میں نے ان سے پوچھا: کیا اس کی حدیث کو لکھا جائے؟ انہوں نے فرمایا: بطور مجبوری اس کی روایت پر تعجب کرتے ہوئے اسے لکھا جاسکتا ہے۔“ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 36, 35/6)

نیز امام ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو عبد الحکم بن ذکوان بہتر لگتا ہے یا عبد الحکم قسملی؟ تو انہوں نے فرمایا: هَذَا اَسْتَرُّ مِنْهُ.

”ابن ذکوان کے مقابلے میں اس کا ضعف و عیب اتنا واضح نہیں۔“

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 36/6)

امام ابو نعیم اصہبانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رَوَى عَنْ أَنَسٍ نُسْخَةً مُنْكَرَةً، لَا شَيْءَ.

”اس نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ایک منکر نسخہ روایت کیا ہے، یہ بالکل ناقابل اعتبار راوی ہے۔“ (الضعفاء: 34)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ (تقریب التهذیب: 3749)

لہذا عطیہ بن سعد عوفی کی کوئی معتبر متابعت ثابت نہیں۔ وہ اس کو بیان کرنے میں منفرد ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ زاہد الکوثری نے عطیہ کے استاذ ابو سعید کوصحابی رسول سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ قرار دیا ہے، حالانکہ یہ صریح جہالت یا تدلیس ہے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ عطیہ اپنے استاذ محمد بن سائب کلبی کذاب کو ابو سعید کے الفاظ سے ذکر کرتا تھا۔

تنبیہ ۲: عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی (85) میں جو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی

روایت ہے، اس کی سند سخت ترین ”ضعیف“ ہے۔ اس میں وازع بن نافع عقیلی راوی ”متروک، کذاب و وضاع“ ہے۔ حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (631-676ھ) اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَهُوَ مُتَّفَقٌ عَلَى ضَعْفِهِ، وَأَنَّهُ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ.

”اس کے ضعیف ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے اور یہ منکر الحدیث راوی ہے۔“

(الأذکار النافعة: 85)

علامہ محمد بن عبد البہادی سندھی حنفی (م: 1138ھ) کہتے ہیں:

قَوْلُهُ: بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ، أَيُّ مُتَوَسِّلًا إِلَيْكَ فِي قَضَاءِ الْحَاجَةِ وَإِمْضَاءِ الْمَسْأَلَةِ، بِمَا لِلْسَّائِلِينَ عِنْدَكَ مِنَ الْفَضْلِ الَّذِي يَسْتَحِقُّونَهُ عَلَيْكَ بِمُقْتَضَى فَضْلِكَ وَوَعْدِكَ وَجُودِكَ وَإِحْسَانِكَ، وَلَا يَلْزَمُ مِنْهُ الْوُجُوبُ الْمُتَنَازِعُ فِيهِ عَلَيْهِ تَعَالَى، لَكِنْ لِإِيْهَامِهِ الْوُجُوبَ بِالنَّظَرِ إِلَى الْأَفْهَامِ الْقَاصِرَةِ، يَحْتَرِزُ عَنْهُ عُلَمَاؤُنَا الْحَنْفِيُّهُ، وَيَرَوْنَ إِطْلَاقَهُ لَا يَحْلُو عَنْ كَرَاهَةٍ.

”اس روایت میں جو سوالیوں کے حق کا وسیلہ دینے کا ذکر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ! میں اپنی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے تجھے تیرے اس فضل کا واسطہ دیتا ہوں جس کا تو نے انہیں اپنے رحم و کرم اور احسان و وعدہ کے پیش نظر مستحق بنایا ہے۔ ان الفاظ سے اقسام علی اللہ کی متنازع صورت لازم نہیں آتی۔ البتہ کند ذہن لوگوں کو ان الفاظ میں اقسام علی اللہ مخلقہ کا وہم ہوتا ہے۔ اسی لیے علمائے احناف اس سے احتراز کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں ان الفاظ کا مطلق استعمال کراہت (تحریمی) سے خالی نہیں۔“

(حاشیة السندی علی سنن ابن ماجہ: 1/261, 262، تحت الحدیث: 778)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) اس بارے میں فرماتے ہیں:

فَإِنْ كَانَ مِنْ كَلَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَهُوَ مِنْ هَذَا الْبَابِ لِوَجْهَيْنِ: أَحَدُهُمَا: لِأَنَّ فِيهِ السُّؤَالَ لِلَّهِ تَعَالَى بِحَقِّ السَّائِلِينَ، وَبِحَقِّ الْمَاشِينَ فِي طَاعَتِهِ، وَحَقِّ السَّائِلِينَ أَنْ يُجِيبَهُمْ، وَحَقِّ الْمَاشِينَ أَنْ يُشِيبَهُمْ، وَهَذَا حَقٌّ أَوْ جَبَهُ اللَّهُ

تَعَالَى، وَ لَيْسَ لِلْمَخْلُوقِ أَنْ يُوجِبَ عَلَيَّ الْخَالِقِ تَعَالَى شَيْئًا.

”اگر یہ حدیث نبی اکرم ﷺ کی فرمودہ ہو تو اس سے مشروع وسیلہ ہی مراد ہے۔ ایک تو اس طرح کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے اس کے سوالیوں اور اس کی اطاعت میں چلنے والوں کے حق کے وسیلے سے سوال کرنے کا ذکر ہے۔ سوالیوں کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے مطالبات پورے کرے اور چلنے والوں کا حق یہ ہے کہ اللہ انہیں اجر و ثواب سے نوازے۔ یہ حق اللہ تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لازم کیا ہے۔ مخلوق اپنے خالق پر کوئی چیز لازم نہیں کر سکتی۔۔۔“

(قاعدة جلیلة في التوسل والوسيلة، ص: 215)

یعنی اس ”ضعیف“ روایت میں مذکور وسیلہ اپنے نیک اعمال اور اللہ تعالیٰ کے فضل کا وسیلہ ہے، جو کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک بھی مشروع اور جائز ہے۔ اس میں وسیلہ بالذوات والاموات کا کوئی ذکر نہیں۔

دلیل نمبر ②۰: نبی کریم ﷺ نے فاطمہ بنت اسد کی قبر پر یوں دعا کی:

بِحَقِّ نَبِيِّكَ وَالْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي. ”تیرے نبی (مجھ) اور مجھ سے پہلے انبیاء کے طفیل۔“

(المعجم الكبير للطبراني: 351/24، المعجم الأوسط: 191، حلية الأولياء لأبي نعيم: 121/3)

تبصرہ: یہ ”ضعیف“ اور ”منکر“ روایت ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی روح بن صلاح جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔

امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔ (الکامل في ضعفاء الرجال: 146/3)

امام دارقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں: كَانَ ضَعِيفًا فِي الْحَدِيثِ.

”حدیث میں کمزور تھا۔“ (المؤتلف والمختلف: 1377/3)

ابن ماکولا کہتے ہیں: ضَعْفُوهُ.

”جمہور (محمدین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (الإكمال: 15/5)

ابن یونس کہتے ہیں: رُوِيَ عَنْهُ مِنْ كَثِيرٍ.

”اس سے منکر روایات بیان کی گئی ہیں۔“ (لسان المیزان لابن حجر: 2/467)

حافظ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”ضعیف و متروک“ راویوں میں ذکر کیا ہے۔

(کتاب الضعفاء و المتروکین: 1/282)

حافظ پیشی کہتے ہیں: وَفِيهِ ضَعْفٌ. ”اس میں ضعف ہے۔“

(مجمع الزوائد: 9/257)

لہذا امام ابن حبان (الثقات: 8/244) اور امام حاکم (سوالات السجری: 98) کی توثیق تساہل پر محمول ہے۔

علامہ محمد بشیر سہسوانی ہندی رحمۃ اللہ علیہ (م: 1252ھ) اس راوی کے بارے میں فرماتے ہیں:

فَقَدْ عَلِمَ بِذَلِكَ أَنَّ فِي سَنَدِهِ رَوْحَ بْنَ صَلاَحِ الْمِصْرِيِّ، وَهُوَ ضَعِيفٌ
ضَعَّفَهُ ابْنُ عَدِيٍّ، وَهُوَ دَاخِلٌ فِي الْقِسْمِ الْمُعْتَدِلِ مِنْ أَقْسَامِ مَنْ تُكَلِّمُ فِي الرِّجَالِ،
كَمَا فِي فَتْحِ الْمُغِيثِ لِلْسَخَاوِيِّ، وَلَا اعْتِدَادَ بِذِكْرِ ابْنِ حَبَانَ لَهُ فِي الثَّقَاتِ، فَإِنَّ
قَاعِدَتَهُ مَعْرُوفَةٌ مِنَ الْإِحْتِجَاجِ بِمَنْ لَا يُعْرَفُ كَمَا فِي الْمِيزَانِ، وَقَدْ تَقَدَّمَ،
وَكَذَلِكَ لَا اعْتِدَادَ بِتَوْثِيقِ الْحَاكِمِ وَتَضْحِيحِهِ، فَإِنَّهُ دَاخِلٌ فِي الْقِسْمِ
الْمُتَسَمِّحِ.

”معلوم ہوا کہ اس کی سند میں رُوح بن صلاح مصری راوی ہے جو کہ ضعیف ہے۔ اس کو امام

ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ علامہ سخاوی کی فتح المغیث کے مطابق یہ درمیانے درجے کا

مجروح راوی ہے۔ امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے اسے ثقات میں ذکر کرنے کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ ان کا

غیر معروف راویوں کی توثیق کرنے کا قاعدہ معروف ہے جیسا کہ میزان الاعتدال کے حوالے سے

ذکر کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ کی (منفرد) توثیق و تصحیح بھی قابل اعتبار نہیں ہوتی۔ ان

کا شمار تساہلین میں ہوتا ہے۔“ (صیانة الإنسان عن وسوسة الشيخ دحلان، ص: 132)

② اس میں سفیان ثوری ”مدلس“ ہیں جو ”عن“ سے روایت کر رہے ہیں۔

بھلا منکر اور مدلس روایات سے عقیدے کے مسائل ثابت کرنا اہل سنت والجماعت کا طریقہ و مسلک ہے؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَذْكُرْ أَحَدٌ مِنَ الْعُلَمَاءِ أَنَّهُ يُشْرَعُ التَّوَسُّلُ بِالتَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا بِالرَّجُلِ الصَّالِحِ بَعْدَ مَوْتِهِ وَلَا فِي مَغِيبِهِ، وَلَا اسْتَحْبُوبِ ذَلِكَ فِي الاسْتِسْقَاءِ وَلَا فِي الاسْتِنْصَارِ وَلَا غَيْرِ ذَلِكَ مِنَ الْأَدْعِيَةِ، وَالِدُعَاءِ مُخِ الْعِبَادَةِ وَالْعِبَادَةِ مَبْنَاهَا عَلَى السُّنَّةِ وَالِاتِّبَاعِ، لَا عَلَى الْهَوَى وَالِاتِّدَاعِ.

”کسی ایک عالم نے بھی وفات کے بعد یا غیر موجودگی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی نیک شخص کے وسیلے کو مشروع قرار نہیں دیا، نہ اہل علم نے بارش و نصرت طلبی وغیرہ کی دعاؤں میں ایسا کرنا مستحب سمجھا۔ دُعا عبادات کا مغز ہے اور عبادت کی اساس سنت رسول اور اتباع شریعت پر ہوتی ہے، خواہشات نفس اور بدعت پر نہیں۔۔۔“ (مختصر الفتاویٰ المصریۃ، ص: 197، 196)

دلیل نمبر (21): سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام جو دعائیں پڑھتے تھے، ان میں یہ الفاظ بھی شامل تھے:

أَسْأَلُكَ بِنُورٍ وَجْهِكَ الَّذِي أَشْرَقَتْ لَهُ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ، بِكُلِّ حَقٍّ هُوَ لَكَ، وَبِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيْكَ، أَنْ تَقْبَلَنِي فِي هَذِهِ الْغَدَاةِ، أَوْ فِي هَذِهِ الْعَشِيَّةِ، وَأَنْ تُجِيبَنِي مِنَ النَّارِ بِقُدْرَتِكَ.

”اے اللہ! میں تجھ سے تیرے چہرے کے اس نور کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جس سے زمین و آسمان روشن ہو گئے ہیں۔ تیرے ہر حق کے واسطے سے سوال کرتا ہوں اور سوال کرنے والوں کا تجھ پر جو حق ہے، اس کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ تو اس صبح یا اس شام میری

دعا قبول فرمائے اور اپنی قدرت سے مجھے آگ سے بچالے۔“

(المعجم الكبير للطبراني: 8/264، كتاب الدعاء للطبراني: 2/941,940)

تبصرہ: اس کی سند باطل (جھوٹی) ہے۔ اس کے راوی ابوالمہند فضال

بن جبیر کے بارے میں حافظ بیہمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَهُوَ ضَعِيفٌ، مُجْمَعٌ عَلَى ضَعْفِهِ.

”یہ راوی باتفاق محدثین کرام ضعیف ہے۔“ (مجمع الزوائد: 10/117)

امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ اس کی بیان کردہ روایات کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَلِفَضَالٍ عَنِ أَبِي أَمَامَةَ قَدْ رُ عَشْرَةَ أَحَادِيثَ، كُلُّهَا غَيْرُ مَحْفُوظَةٍ.

”فضال، سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے تقریباً دس احادیث روایت کرتا ہے، یہ ساری کی ساری

منکر ہیں۔“ (الکامل في ضعفاء الرجال: 6/21)

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

يُرْوَى عَنْ أَبِي أَمَامَةَ مَا لَيْسَ مِنْ حَدِيثِهِ، لَا يَحِلُّ إِلَّا حَتَجًا مَجْبُوحًا بِهٖ بِحَالٍ.

”یہ راوی سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے منسوب کر کے ایسی روایات بیان کرتا ہے جو انہوں نے

بیان نہیں کیں۔ کسی بھی صورت میں اس کی روایت سے دلیل لینا جائز نہیں۔“

(المجروحين من المحدثين والضعفاء والمتروكين: 2/304)

نیز فرماتے ہیں کہ فضال کی سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ روایت جھوٹی ہوتی ہے۔

(كتاب المجروحين: 2/304)

فضال کی بیان کردہ مذکورہ روایت بھی چونکہ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے ہے، لہذا اس کے جھوٹی

اور باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس روایت کے راوی ہشام بن ہشام کوئی کی تو شیع بھی نہیں ملی۔

دلیل نمبر (22):

محمد بن سائب کلبی کہتا ہے:

اجْتَمَعَ الطَّرْمَاحُ وَهَشَامُ الْمُرَادِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْحَمِيرِيُّ عِنْدَ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، فَأَخْرَجَ بَدْرَةَ فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: يَا مَعْشَرَ شُعْرَاءِ الْعَرَبِ! قُولُوا قَوْلَكُمْ فِي عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، وَلَا تَقُولُوا إِلَّا الْحَقَّ، وَأَنَا نَفِيٌّ مِّنْ صَخْرٍ بَنِ حَزْبٍ إِنْ أُعْطِيَتْ هَذِهِ الْبَدْرَةُ إِلَّا مَنْ قَالَ الْحَقَّ فِي عَلِيٍّ، فَقَامَ الطَّرْمَاحُ، فَتَكَلَّمَ وَقَالَ فِي عَلِيٍّ وَوَقَعَ فِيهِ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: اجْلِسْ، فَقَدْ عَرَفَ اللَّهُ نَيْتَكَ وَرَأَى مَكَانَكَ، ثُمَّ قَامَ هَشَامُ الْمُرَادِيُّ، فَقَالَ أَيُّضًا وَوَقَعَ فِيهِ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: اجْلِسْ مَعَ صَاحِبِكَ، فَقَدْ عَرَفَ اللَّهُ مَكَانَكُمَا، فَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ لِمُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْحَمِيرِيِّ، وَكَانَ خَاصًّا بِهِ: تَكَلَّمْ وَلَا تُقَلِّ إِلَّا الْحَقَّ، ثُمَّ قَالَ: يَا مَعْشَرَ شُعْرَاءِ الْعَرَبِ! قُولُوا قَوْلَكُمْ فِي عَلِيٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ، أَنَا نَفِيٌّ مِّنْ صَخْرٍ بَنِ حَزْبٍ إِنْ أُعْطِيَتْهَا مِنْهُمْ إِلَّا مَنْ قَالَ الْحَقَّ فِي عَلِيٍّ، فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، فَتَكَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ: بِحَقِّ مُحَمَّدٍ، قُولُوا بِحَقِّ، فَإِنَّ الْإِفْكَ مِنْ شِيمِ اللَّئَامِ، أَبْعَدَ مُحَمَّدٌ بِأَبِي وَأُمِّي.

”طرماح، ہشام مرادی اور محمد بن عبد اللہ حمیری، معاویہ بن ابوسفیان کے پاس جمع ہوئے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہیرے جواہرات کی ایک تھیلی نکال کر ان کے سامنے رکھ دی، پھر کہا: اے شعراء عرب! تم علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں حق پر مبنی اشعار کہو۔ میں اپنے باپ صخر بن حرب کا بیٹا نہیں اگر یہ تھیلی اسے نہ دوں جو تم میں سے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حق بات کہے گا۔ طرماح کھڑا ہوا اور اشعار میں علی رضی اللہ عنہ کی توہین کی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، اللہ تمہاری نیت اور حیثیت کو جانتا ہے۔ پھر ہشام مرادی کھڑا ہوا، اس نے بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی

گستاخی میں اشعار کہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم بھی اپنے ساتھی کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ اللہ تم دونوں کی حیثیت کو جانتا ہے۔ پھر عمر بن عاص رضی اللہ عنہ نے محمد بن عبد اللہ حمیری سے، جو ان کے خاص آدمی تھے، کہا: بولو اور علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں صرف حق کہو۔ پھر فرمایا: معاویہ! کیا آپ نے قسم اٹھائی ہے کہ آپ یہ تھیلی صرف اسی شخص کو دیں گے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حق گوئی کرے گا؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، میں اپنے باپ صخر بن حرب کا بیٹا نہیں، اگر میں یہ تھیلی اس شخص کو نہ دوں جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں حق بات کہے۔ محمد بن عبد اللہ کھڑا ہوا اور اشعار پڑھے، پھر کہا: محمد کے واسطے، تم حق کہو، جھوٹ بولنا تو کمینوں کی عادت ہے۔۔۔۔۔“

(بحار الأنوار الجامعة لدرر أخبار الأئمة الأطهار لمحمد باقر بن محمد تقی بن المقصود علی

المجلسي الرافضي (م: 1111ھ): 33/259)

تبصرہ: یہ کائنات کا بدترین جھوٹ اور خالص ابلیسی کارروائی ہے۔ کیونکہ:

① محمد بن سائب کلبی کے بارے میں امام ابو حاتم رازی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

النَّاسُ مُجْتَمِعُونَ عَلَى تَرْكِ حَدِيثِهِ، لَا يُشْتَعَلُ بِهِ، هُوَ ذَاهِبُ الْحَدِيثِ.

”اہل علم کا اس کی حدیث کو ترک کرنے پر اجماع ہے۔ اس کی حدیث کی طرف التفات

نہیں کیا جائے گا۔ اس کی بیان کردہ حدیث کا کوئی اعتبار نہیں۔“

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 271/7)

قرہ بن خالد سدوسی کہتے ہیں:

كَانُوا يَرَوْنَ الْكَلْبِيَّ يَزُوفٌ، يَعْنِي يَكْذِبُ.

”محدثین کرام کہتے تھے کہ کلبی جھوٹ بولتا ہے۔“ (الجرح والتعديل: 271/7، وسندہ حسن)

سلیمان بن طرخان تیبی نے اسے ”کذاب“ قرار دیا ہے۔ (أَيْضًا: 270/7، وسندہ حسن)

② اس کے بیٹے اور شاگرد ہشام بن محمد کلبی کے بارے میں حافظ ذہبی رضی اللہ

لکھتے ہیں: تَرَكُوهُ، وَهُوَ أَحْبَابِيٌّ.

”محدثین نے اسے چھوڑ دیا تھا۔ یہ اخباری تھا۔“ (المغنی فی الضعفاء: 2/711)

③ محمد بن زکریا بن دینار غلابی کے بارے میں امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”یہ اپنی طرف سے حدیثیں گھڑ لیتا تھا۔“

(سوالات الحاکم للدارقطنی: 206)

حافظ ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”تکلم فیہ۔“ ”اس پر جرح کی گئی ہے۔“

(میزان الاعتدال للذہبی: 3/550)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”کذاب“ کہا ہے۔ (میزان الاعتدال: 3/166، ت: عمار بن عمر)

نیز فرماتے ہیں کہ یہ ”متمہم بالکذب“ راوی ہے۔ (أیضًا: 1/325، ت: بشر بن مهران)

حافظ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں کہتے ہیں:

كَانَ صَاحِبَ حِكَايَاتٍ وَ أَحْبَابٍ يُعْتَبَرُ حَدِيثُهُ إِذَا رَوَى عَنِ الثَّقَاتِ ، لِأَنَّهُ
فِي رَوَايَتِهِ عَنِ الْمَجَاهِيلِ بَعْضُ الْمَنَاقِبِ .

”یہ حکایات اور قصے کہانیاں بیان کرتا تھا۔ اس کی حدیث اس وقت معتبر ہوتی ہے جب وہ

ثقة راویوں سے بیان کرے، کیونکہ اس کی مجہول راویوں سے بیان کردہ روایات میں بعض

مناکیر ہیں۔“ (الثقات: 9/154)

④ اس کا استاذ عبد اللہ بن ضحاک مرادی نامعلوم و مجہول ہے، لہذا اس روایت پر

جرح مفسر ہو گئی ہے۔

اس میں مزید خرابیاں موجود ہیں۔ لہذا یہ چھوٹی روایت ہے۔

دلیل نمبر 23: ایک روایت یوں ہے:

تَوَسَّلُوا بِجَاهِي، فَإِنَّ جَاهِي عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ.

”تم میرے مقام و مرتبے کے وسیلے سے دعا کیا کرو، کیونکہ میرا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔“

ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں:

إِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ فَاسْأَلُوهُ بِجَاهِي، فَإِنَّ جَاهِي عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ.

”جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو تو میرے مقام و مرتبے کے وسیلے سے مانگا کرو، کیونکہ میرا

مقام و مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند ہے۔“

تبصرہ: یہ روایت بے اصل و بے ثبوت ہے۔ اس کے بارے میں شیخ

الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (م: 728ھ) فرماتے ہیں:

وَرَوَى بَعْضُ الْجُهَّالِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: إِذَا سَأَلْتُمُ اللَّهَ

فَاسْأَلُوهُ بِجَاهِي، فَإِنَّ جَاهِي عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ. وَهَذَا الْحَدِيثُ كَذِبٌ، لَيْسَ فِي

شَيْءٍ مِّنْ كُتُبِ الْمُسْلِمِينَ الَّتِي يَعْتَمِدُ عَلَيْهَا أَهْلُ الْحَدِيثِ، وَلَا ذَكَرَهُ أَحَدٌ مِّنْ

أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ، مَعَ أَنَّ جَاهَهُ عِنْدَ اللَّهِ تَعَالَى أَعْظَمُ مِنْ جَاهِ جَمِيعِ الْأَنْبِيَاءِ

وَالْمُرْسَلِينَ.

”بعض جاہل لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب یہ روایت بیان کرتے ہیں۔۔۔ یہ روایت

جھوٹی ہے۔ مسلمانوں کی کسی ایسی کتاب میں اس کا وجود نہیں جس پر محدثین کرام اعتماد کرتے

تھے۔ محدثین میں سے کسی نے اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔ یہ بات تو برحق ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و

مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تمام انبیاء و رسل سے بڑھ کر تھا (لیکن اس مقام و مرتبے کو وسیلہ بنانا

شریعت اسلامیہ میں مشروع نہیں)۔“ (قاعدة جلیلة فی التوسل والوسيلة، ص: 252)

علامہ محمد بشیر سہسوانی رحمۃ اللہ علیہ (م 1326ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَرَوْهُ أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَلَا هُوَ فِي شَيْءٍ مِّنْ كُتُبِ الْحَدِيثِ.

”اسے کسی اہل علم نے روایت نہیں کیا، نہ ہی کتب حدیث میں سے کسی کتاب میں اس کا

وجود ملتا ہے۔“ (صيانة الإنسان عن وسوسة الشيخ دحلان، ص: 189، 188)

دلیل نمبر ②4: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ قرآن کریم سیکھتے تھے، لیکن جلدی بھول جاتا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں یہ دُعا سکھائی:

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّكَ، وَابِرَاهِيمَ خَلِيلِكَ، وَمُوسَى نَجِيِّكَ، وَعِيسَى رُوحِكَ وَكَلِمَتِكَ، وَبِتُورَةَ مُوسَى، وَإِنجِيلَ عِيسَى، وَزُبُورَ دَاوُدَ، وَفُرْقَانَ مُحَمَّدٍ، وَبِكُلِّ وَحْيٍ أَوْ حَيْثَنَّهُ، وَقَضَاءِ قَضَيْتَهُ.

”اے اللہ! میں تجھ سے ان سب کے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔ تیرے نبی محمد ﷺ، تیرے خلیل ابراہیم علیہ السلام، تیری ہم کلامی کا شرف حاصل کرنے والے موسیٰ علیہ السلام، تیری روح و کلمہ عیسیٰ علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام کی تورات، عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل، داؤد علیہ السلام کی زبور، محمد ﷺ کے قرآن، تیری ہر وحی اور تیری تمام قضاء و قدر۔“

(جامع الأصول لابن الأثير: 302/4، ح: 2302، قاعدة جليلية لابن تيمية، ص: 164، 165،

اللاكي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة للسيوطي: 2/298، 299)

تبصرہ: یہ جھوٹ کا پلندہ ہے جو کہ عبد الملک بن ہارون نے ترتیب دیا ہے۔

اس کے بارے میں امام بیہقی بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ”کذاب“ ہے۔

(تاریخ یحییٰ بن معین: 2/376)

علامہ جوزجانی کہتے ہیں: دَجَّالٌ كَذَّابٌ.

”یہ بہت بڑا دھوکے باز اور سخت جھوٹا شخص ہے۔“ (أحوال الرجال، ص: 68)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ”منکر الحدیث“ قرار دیا ہے۔ (الضعفاء الصغیر: 218)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اسے ”ضعیف الحدیث“ فرماتے ہیں۔ (العلل ومعرفۃ الرجال: 2648)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَهُ أَحَادِيثُ غَرَائِبُ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ الصَّحَابَةِ، وَمِمَّا لَا يُتَابَعُهُ عَلَيْهِ أَحَدٌ.

”یہ اپنے باپ اور دادے کے واسطے سے صحابہ کرام سے منسوب منکر روایات بیان کرتا ہے۔ ان روایات پر کوئی ثقہ راوی اس کی موافقت نہیں کرتا۔“

(الکامل فی ضعف الرجال: 6/529)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ مِمَّنْ يَضَعُ الْحَدِيثَ، لَا يَحِلُّ كِتَابَةُ حَدِيثِهِ إِلَّا عَلَى جِهَةِ الْإِعْتِبَارِ .
”یہ ان لوگوں میں سے تھا جو جعلی احادیث گھڑتے تھے۔ اس کی حدیث کو صرف جانچ پرکھ کے طور پر لکھنا جائز ہے۔“ (کتاب المجروحین: 2/133)

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رَوَى عَنْ أَبِيهِ أَحَادِيثَ مَوْضُوعَةً .

”اس نے اپنے باپ سے جھوٹی روایات بیان کی ہیں۔“ (المدخل إلى كتاب الإكليل: 129)

علامہ ابن عراق کنانی رحمہ اللہ مذکورہ روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

رَوَاهُ أَبُو الشَّيْخِ فِي الثَّوَابِ مِنْ حَدِيثِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، مِنْ طَرِيقِ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ هَارُونَ الدَّجَّالِ .

”اس روایت کو ابوالشیخ نے کتاب الثواب میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل

کیا ہے۔ اس کی سند دجال (سخت جھوٹے) راوی عبد الملک بن ہارون نے بیان کی ہے۔“

(تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة: 2/322)

اس روایت کے بارے میں حافظ سیوطی کہتے ہیں:

عَبْدُ الْمَلِكِ دَجَّالٌ، مَعَ مَا فِي السَّنَدِ مِنَ الْإِعْضَالِ .

”عبد الملک سخت جھوٹا راوی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سند سخت منقطع بھی ہے۔“

(اللاکی المصنوعة في الأحاديث الموضوعة: 2/299)

حافظ عراقی رحمہ اللہ (725-806ھ) فرماتے ہیں:

وَهُوَ مُنْقَطِعٌ بَيْنَ هَارُونَ وَأَبِي بَكْرٍ .

”اس روایت کی سند میں ہارون اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہما کے درمیان انقطاع ہے۔“

(المغنی عن حمل الأسفار فی تخریج ما فی الإحیاء من الأخبار: 1/374)

دلیل نمبر (25): سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُوعِيَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ حِفْظَ الْقُرْآنِ وَحِفْظَ أَصْنَافِ الْعِلْمِ،
فَلْيَكْتُبْ هَذَا الدُّعَاءَ فِي إِنَاءٍ نَظِيفٍ أَوْ فِي صَحْفَةٍ قَوَارِيرٍ بِعَسَلٍ وَزَعْفَرَانٍ وَمَاءِ
مَطَرٍ، وَيَشْرِبُهُ عَلَى الرَّيْقِ، وَيَصُومُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَلْيَكُنْ إِفْطَارُهُ عَلَيْهِ، فَإِنَّهُ يَحْفَظُهَا
إِنْ شَاءَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ، وَيَدْعُو بِهِ فِي أَذْبَارِ صَلَوَاتِهِ الْمَكْتُوبَةِ: اللَّهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ
بِأَنَّكَ مَسْئُولٌ لَمْ يُسْأَلْ مِثْلَكَ وَلَا يُسْأَلُ، أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ رَسُولِكَ وَنَبِيِّكَ،
وَإِبْرَاهِيمَ خَلِيلِكَ وَصَفِيِّكَ، وَمُوسَى كَلِيمِكَ وَنَجِيِّكَ، وَعِيسَى كَلِمَتِكَ
وَرُوحِكَ، وَأَسْأَلُكَ بِصُحْفِ إِبْرَاهِيمَ، وَتَوْرَةِ مُوسَى، وَزَبُورِ دَاوُدَ، وَإِنْجِيلِ
عِيسَى، وَفُرْقَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَسْأَلُكَ بِكُلِّ وَحْيٍ أَوْ حَيْثَةٍ،
وَبِكُلِّ حَقِّ قَضِيَّتِهِ، وَبِكُلِّ سَائِلٍ أَعْطَيْتَهُ.

”جو شخص قرآن کریم اور علوم دینیہ کو یاد کرنا چاہے، وہ درج ذیل دُعا کو ایک صاف برتن یا چاندی کی پلیٹ میں شہد، زعفران اور بارش کے پانی سے لکھے۔ پھر تین دن اسے نہا منہ پیے۔ وہ فرض نمازوں کے بعد بھی اس دعا کو پڑھے۔ اِنْ شَاءَ اللَّهُ! اسے سب کچھ یاد رہے گا۔ دعایہ ہے: اے اللہ! میں تجھ سے اس لیے سوال کرتا ہوں کہ تیری جیسی کوئی ذات نہیں جس سے مانگا گیا ہو یا مانگا جائے گا۔ میں تجھ سے تیرے نبی اور رسول محمد ﷺ کے وسیلے، تیرے خلیل اور دوست ابراہیم علیہ السلام کے واسطے، تیرے کلیم موسیٰ علیہ السلام کے طفیل، تیرے کلمے اور روح عیسیٰ علیہ السلام کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں، نیز میں ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں، موسیٰ علیہ السلام کی تورات، داؤد علیہ السلام کی زبور،

عیسیٰ علیہ السلام کی انجیل، محمد ﷺ کے قرآن، تیری ہر وحی، تیری تمام قضاء و قدر اور ہر اس سائل کے وسیلے سے مانگتا ہوں جسے تو نے عطا کیا ہے۔۔۔“ (الدعاء للطبرانی: 3/1422، ح: 1334)

تبصرہ: یہ انتہائی جھوٹی روایت ہے۔ اس کو گھڑنے والا موسیٰ بن عبد الرحمن صنعانی راوی ہے۔ اس کے بارے میں:

① امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دَجَالٌ يَضَعُ الْحَدِيثَ، وَضَعَ عَلِيُّ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كِتَابًا فِي التَّفْسِيرِ.

”یہ سخت جھوٹا اور مکار انسان ہے۔ احادیث اپنی طرف سے گھڑنا اس کا مشغلہ تھا۔ اس نے عطاء عن ابن عباس کی سند سے تفسیر کی ایک کتاب خود گھڑ کر امام ابن جریج سے منسوب کی ہوئی تھی۔“ (کتاب المجروحین: 2/242)

امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ”منکر الحدیث“ راوی ہے۔ (الکامل: 6/349)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: هَالِكٌ. ”یہ سخت ضعیف راوی ہے۔“

(المغني في الضعفاء: 6507)

تنبیہ ①: یہ روایت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(الموضوعات لابن الجوزي: 3/131، اللآلی المصنوعة للسيوطي: 2/298)

لیکن یہ روایت بھی من گھڑت ہے۔ اس کو گھڑنے کا ارتکاب عمر بن صحیح نامی راوی نے کیا ہے۔ اس کو امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ”متروک الحدیث“ اور امام ابوحاتم رازی (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 6/117) و امام ابن عدی (الکامل: 5/24) رحمۃ اللہ علیہ نے ”منکر الحدیث“ قرار دیا ہے۔

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

كَانَ مِمَّنْ يَضَعُ الْحَدِيثَ عَلَى الثَّقَاتِ، لَا يَحِلُّ كِتَابَةُ حَدِيثِهِ إِلَّا عَلَى جِهَةٍ

التَّعَجُّبُ لِأَهْلِ الصَّنَاعَةِ فَقَطُّ.

”یہ شخص ثقہ راویوں سے منسوب کر کے اپنی طرف سے احادیث گھڑتا تھا۔ اس کی حدیث کو صرف ماہرین فن حدیث لکھ سکتے ہیں اور وہ بھی صرف اور صرف بطور تعجب۔“ (المجروحین: 2/88)

امام ابو نعیم اصہبانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

رَوَى عَنْ قَتَادَةَ وَمُقَاتِلِ الْمَوْضُوعَاتِ .

”اس نے قتادہ اور مقاتل کی طرف جھوٹی روایات منسوب کی ہیں۔“ (الضعفاء: 151)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

رَوَى عَنْ قَتَادَةَ وَمُقَاتِلِ بْنِ حَيَّانَ أَحَادِيثَ مَوْضُوعَةً .

”اس نے قتادہ اور مقاتل بن حیان کی طرف منسوب کر کے جھوٹی احادیث گھڑی ہوئی

ہیں۔“ (المدخل إلى الصحيح: 113)

حافظ ابن الجوزی اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

هَذَا حَدِيثٌ مَوْضُوعٌ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالْمُتَّهَمُ بِهِ

عُمَرُ بْنُ الصُّبْحِ .

”یہ حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی منسوب کی گئی ہے اور یہ کارروائی عمر بن صبح

نامی راوی کی ہے۔“ (الموضوعات: 3/831)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں: مَوْضُوعٌ، وَاتَّهَمَ بِهِ عُمَرُ بْنُ صُبْحٍ .

”یہ من گھڑت روایت عمر بن صبح کی گھڑنت ہے۔“ (اللاکھی المصنوعة: 2/298)

دوسری علت یہ ہے کہ یزید بن عمر بن عبدالعزیز کی توثیق بھی نہیں مل سکی۔

تنبیہ ۲: یہ روایت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک اور سند کے ساتھ بھی مروی

ہے۔ (الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب البغدادي: 2/261، ت: 1793، أخبار لحفظ

القرآن لابن عساكر: (3)

لیکن اس کی سند بھی سخت ترین ”ضعیف“ ہے۔ اس کے راوی موسیٰ بن ابراہیم مروزی کے بارے میں امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ ”متروک“ ہے۔

(تاریخ بغداد للخطیب البغدادی: 13/40، وسندہ حسن)

امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”منکر الحدیث“ قرار دیا ہے۔ (الضعفاء الکبیر: 4/166)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کے بارے میں فرمایا ہے: فَمِنْ بَلَايَاهُ.

”یہ موسیٰ بن ابراہیم کی ایک گھڑنت ہے۔“ (میزان الاعتدال: 4/199)

حافظ سیوطی نے اسے ”کذاب“ قرار دیا ہے۔ (اللاکھی المصنوعه: 2/298)

اس راوی کے بارے میں ادنیٰ کلمہ تو ثیق بھی ثابت نہیں۔

دلیل نمبر (26): ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَالَ دَاوُدُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَسْأَلُكَ بِحَقِّ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ، فَقَالَ: أَمَّا إِبْرَاهِيمُ، فَأَلْقَيْ فِي النَّارِ فَصَبَرَ مِنْ أَجْلِي، وَتَلَكَ بَلِيَّةٌ لَمْ تَنَلْكَ، وَأَمَّا إِسْحَاقُ، فَبَدَلَ نَفْسَهُ لِلذَّبْحِ فَصَبَرَ مِنْ أَجْلِي، وَتَلَكَ بَلِيَّةٌ لَمْ تَنَلْكَ، وَأَمَّا يَعْقُوبُ، فَعَابَ يُوسُفَ عَنْهُ، وَتَلَكَ بَلِيَّةٌ لَمْ تَنَلْكَ.

”داؤد عليه السلام نے کہا: اے اللہ! میں تجھ سے اپنے آبا و اجداد، یعنی ابراہیم، اسحاق اور یعقوب عليهم السلام کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابراہیم عليه السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے صبر کیا اور یہ شرف تجھے نہیں ملا۔ اسحاق عليه السلام نے اپنے آپ کو ذبح کے لیے پیش کر دیا اور میری خاطر صبر کیا اور یہ مصیبت تجھے نہیں پہنچی۔ یعقوب عليه السلام سے ان کے فرزند یوسف عليه السلام گم ہو گئے اور یہ تکلیف تجھے نہیں پہنچی۔“ (مسند البزار: 1307)

تبصرہ: یہ یہودیانہ کارروائی ہے، جس میں سیدنا اسماعیل کے بجائے سیدنا

اسحاق علیہ السلام کو ذبح قرار دیا گیا ہے، کیونکہ یہود کا ہی اس بات پر اصرار ہے کہ ذبح اللہ سیدنا اسحاق علیہ السلام تھے، جبکہ قرآن و سنت کی روشنی میں مسلمان سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو ذبح قرار دیتے ہیں۔ یہ تو بھی متن کی بات، رہی اس روایت کی سند تو وہ بھی کئی وجوہ سے سخت ترین ”ضعیف“ ہے۔

① اس کا راوی ابوسعید حسن بن دینار ”ضعیف و متروک“ ہے۔

اس کے بارے میں امام بیہقی بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَيْسَ بِشَيْءٍ .
 ”یہ بالکل قابل اعتبار نہیں۔“ (تاریخ ابن معین بروایة العباس الدوري: 4157)
 امام ابوخیثمہ اسے ”ضعیف الحدیث“ قرار دیتے ہیں۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 12/3، وسنده صحيح)

امام فلاس فرماتے ہیں:

وَاجْتَمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ مِنْ أَهْلِ الْحَدِيثِ أَنَّهُ لَا يُرْوَى عَنِ الْحَسَنِ بْنِ دِينَارٍ .
 ”محدثین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حسن بن دینار سے کوئی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔“ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 12/3، وسنده صحيح)

امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ مَتْرُوكٌ الْحَدِيثِ، كَذَّابٌ، وَتَرَكَ أَبُو زُرْعَةَ حَدِيثَ الْحَسَنِ بْنِ دِينَارٍ .

”یہ متروک الحدیث اور سخت جھوٹا شخص ہے۔ امام ابو زرعة رحمہ اللہ نے حسن بن دینار کی حدیث کو ترک کر دیا تھا۔“ (الجرح والتعديل: 12/3)

امام دارقطنی رحمہ اللہ بھی اسے ”متروک الحدیث“ قرار دیتے ہیں۔ (سنن الدارقطني: 162/1)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تَرَكَهُ ابْنُ الْمُبَارَكِ وَوَكَيْعٌ، وَأَمَّا أَحْمَدُ ابْنُ حَنْبَلٍ وَيَحْيَى بْنُ مَعِينٍ فَكَانَا

يُكَذِّبَانِهِ .

”امام عبداللہ بن مبارک اور امام کعب بن علقمہ نے اسے چھوڑ دیا تھا، جبکہ امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین نے اسے چھوٹا قرار دیا ہے۔“ (کتاب المجروحین: 1/226)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهُوَ إِلَى الضُّعْفِ أَقْرَبُ مِنْهُ إِلَى الصِّدْقِ .

”یہ شخص سچائی کی نسبت کمزوری سے زیادہ قریب تھا۔“ (الکامل فی ضعفاء الرجال: 2/303)

امام بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهُوَ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ فِي الْحَدِيثِ .

”یہ حدیث میں قوی نہیں۔“ (مسند البزار: 1307)

اس کے علاوہ بھی حسن بن دینار پر بہت سی جروح ثابت ہیں۔

② علی بن زید بن جدعان راوی جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔

علامہ بیہقی رحمہ اللہ (مجمع الزوائد: 8/209)، علامہ بوسیری (مصباح الزجاجة: 84)، حافظ

ابن العرّاقی (طرح الشریب: 7712)، حافظ ابن ملقن (البدْر المنیر: 4/434)، علامہ بقاعی (نظم

الدرر فی تناسب الآیات والسور: 4/525) نے اسے جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔

③ اس کی سند میں امام حسن بصری کی ”تدلیس“ بھی موجود ہے۔ سماع کی تصریح نہیں ملی۔

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَصِحَّ سَنَدُهُ، فَفِي إِسْنَادِهِ ضَعِيفَانِ، وَهُمَا الْحَسَنُ بْنُ دِينَارٍ الْبَصْرِيُّ

مَتْرُوكٌ، وَعَلِيُّ بْنُ زَيْدِ بْنِ جُدْعَانَ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ .

”اس روایت کی سند صحیح نہیں، کیونکہ اس میں دو راوی ضعیف ہیں۔ ایک حسن بن دینار

بصری ہے جو متروک الحدیث ہے اور دوسرا علی بن زید بن جدعان ہے جو منکر الحدیث ہے۔“

(تفسیر ابن کثیر: 5/355)

تنبیہ ①: احنف بن قیس، نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام

نے فرمایا:

أَيُّ رَبِّ! إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ يَسْأَلُونَكَ بِإِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ، فَاجْعَلْنِي يَا رَبِّ لَهُمْ رَابِعًا، فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ أَنْ يَا دَاوُدُ! إِنَّ إِبْرَاهِيمَ أَلْقِيَ فِي النَّارِ فِي سَنِي فَصْبَرَ، وَتِلْكَ بَلِيَّةٌ لَمْ تَنَلْكَ، وَإِنَّ إِسْحَاقَ بَدَلَ نَفْسَهُ لِيُذْبَحَ فَصَبَرَ مِنْ أَجْلِي، فَتِلْكَ بَلِيَّةٌ لَمْ تَنَلْكَ، وَإِنَّ يَعْقُوبَ أَخَذَتْ حَبِيبَهُ حَتَّى ابْتِصَّتْ عَيْنَاهُ فَصَبَرَ، وَتِلْكَ بَلِيَّةٌ لَمْ تَنَلْكَ.

”داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: اے میرے رب! بنی اسرائیل تجھ سے ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے وسیلے سے مانگتے ہیں۔ تو مجھے بھی ان تینوں کے ساتھ شامل کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی: اے داؤد! ابراہیم تو آگ میں ڈالے گئے تھے اور انہوں نے صبر کیا تھا، یہ آزمائش تجھے تو نہیں پہنچی۔ اسحاق نے اپنے آپ کو ذبح ہونے کے لیے پیش کر دیا تھا اور اس پر ڈٹ گئے، یہ آزمائش آپ سے تو نہیں ہوئی۔ یعقوب کا محبوب (بیٹا یوسف) میں نے چھین لیا تھا، حتیٰ کہ غم میں ان کی آنکھیں رو رو کر سفید ہو گئی تھیں، انہوں نے صبر کیا، یہ آزمائش تیرے پاس تو نہیں آئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: 11/554)

اس کی سند درج ذیل تین وجہ سے ”ضعیف“ ہے:

① یہ ”مرسل“ روایت ہے۔ احنف بن قیس تابعی ہیں اور ڈائریکٹ اس روایت

کو نبی اکرم ﷺ سے بیان کر رہے ہیں۔

② اس میں وہی علی بن زید بن جدعان راوی موجود ہے جس کے بارے میں

مفصل بات ابھی گزری ہے۔

③ اس میں امام حسن بصری کی ”تدلیس“ بھی موجود ہے۔

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهَذَا مُرْسَلٌ، وَفِيهِ نَكَارَةٌ، بَأَنَّ الصَّحِيحَ أَنَّ إِسْمَاعِيلَ هُوَ الذِّيْبِيحُ، وَلَكِنْ عَلِيُّ بْنُ زَيْدِ بْنِ جُدْعَانَ لَهُ مَنَاكِيظٌ وَعَرَائِبُ كَثِيرَةٌ.

”یہ روایت مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ منکر بھی ہے کیونکہ ذبیح سیدنا اسماعیل علیہ السلام ہی تھے۔ علی بن زید بن جدعان راوی اس طرح کی منکر اور عجیب و غریب روایات بیان کرتا رہتا ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر: 3/599، 600)

تنبیہ ۲: سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَالَ نَبِيُّ اللَّهِ دَاوُدَ: رَبِّ! أَسْمَعُ النَّاسَ يَقُولُونَ: رَبَّ إِسْحَاقَ، قَالَ: إِنَّ إِسْحَاقَ جَادَلِي بِنَفْسِهِ.

”اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام نے عرض کی: میرے رب! کیا وجہ ہے کہ میں لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنتا ہوں کہ اے اسحاق کے رب! اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اسحاق علیہ السلام نے میری خاطر اپنی جان پیش کر دی تھی۔“ (المستدرک للحاکم: 2/556)

اس کی سند میں وہی دو خرابیاں موجود ہیں، یعنی علی بن زید بن جدعان ”ضعیف“ ہے اور امام حسن بصری ”مدلس“ ہیں۔ لہذا امام حاکم رحمہ اللہ کا اسے ”صحیح“ کہنا صحیح نہیں۔

تنبیہ ۳: مبارک بن فضالہ بھی اسی روایت کو حسن بصری سے مرفوعاً اور موقوفاً بیان کرتے ہیں۔ (مسند البزار: 1308)

لیکن اس کی سند بھی ”ضعیف“ ہے۔ مبارک بن فضالہ اگرچہ جمہور محدثین کرام کے نزدیک ”ثقة“ ہیں، جیسا کہ حافظ بصری لکھتے ہیں: وَثِقَةُ الْجُمْهُورِ.

”انہیں جمہور نے ثقہ کہا ہے۔“ (زوائد ابن ماجہ: 520)

حافظ پیشمی لکھتے ہیں: وَالْأَكْثَرُ عَلَى تَوْثِيقِهِ.

”اکثر محدثین انہیں ثقہ کہتے ہیں۔“ (مجمع الزوائد: 1/54)

مگر یہ غضب کے ”مدلس“ بھی تھے، جیسا کہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

صَدُوقٌ، يُدَلِّسُ وَيُتَمَوِّي.

”یہ ہیں تو سچے لیکن تدلیس کرتا ہیں اور وہ بھی تدلیس تسویہ (تدلیس کی سب سے سخت

قسم)۔“ (تقریب التہذیب: 6464)

انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی، لہذا سند ”ضعیف“ ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس میں امام حسن بصری کی ”تدلیس“ بھی موجود ہے۔

دلیل نمبر (27): عبد اللہ حذاء کا بیان ہے:

قَالَ يُوسُفُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: اللَّهُمَّ! إِنِّي أَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِصَلَاةِ آبَائِي؛ إِبْرَاهِيمَ

خَلِيلِكَ، وَإِسْحَاقَ ذَبِيحِكَ، وَيَعْقُوبَ إِسْرَائِيلَ.

”یوسف علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! میں تیرے دربار میں اپنے آباء و اجداد ابراہیم خلیل،

اسماعیل زینح اور یعقوب اسرائیل کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔“ (حلیۃ الأولیاء لأبی نعیم الأصبہانی: 9/10)

تبصرہ: اس کی سند سخت ”ضعیف“ ہے، کیونکہ:

① اس کے راوی حسین بن عبد اللہ بن شا کر سمرقندی کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے

”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ (سؤالات الحاکم للدارقطنی: 89)

البتہ ابوسعید دریبی نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ لیکن ہمارا رجحان امام دارقطنی رحمہ اللہ کے قول

کی طرف ہے، کیونکہ ادیبی متاخر ہیں۔

② قصہ گو عبد اللہ حذاء کون ہے؟ اس روایت سے استدلال کرنے والے ذرا اس

کے حالات زندگی اور اس کی توثیق تو پیش کریں۔ نیز یہ بھی بتائیں کہ عبد اللہ حذاء کا یوسف علیہ السلام



سے کیا واسطہ تھا؟

③ یہ روایت مسلمانوں کے اجماع کے بھی خلاف ہے، کیونکہ کوئی ثقہ مسلمان اسحاق عیسیٰ کے ذبح ہونے کا قائل نہیں۔

دلیل نمبر ②۸: امام اصمعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

وَقَفَّ أَعْرَابِيٌّ مُقَابِلَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنَّ هَذَا حَبِيبُكَ، وَأَنَا عَبْدُكَ، وَالشَّيْطَانُ عَدُوُّكَ، فَإِنْ عَفَرْتَ لِي سُرَّ حَبِيبِكَ، وَفَارَ عَبْدُكَ، وَغَضِبَ عَدُوُّكَ، وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لِي غَضِبَ حَبِيبِكَ، وَرَضِيَ عَدُوُّكَ، وَهَلَكَ عَبْدُكَ، وَأَنْتَ أَكْرَمُ مَنْ أَنْ تُغَضِبَ حَبِيبَكَ، وَتَرْضِيَ عَدُوُّكَ، وَتُهْلِكَ عَبْدَكَ، اللَّهُمَّ! إِنَّ الْعَرَبَ الْكِرَامَ إِذَا مَاتَ فِيهِمْ سَيِّدٌ أَعْتَقُوا عَلَى قَبْرِهِ، وَإِنَّ هَذَا سَيِّدُ الْعَالَمِينَ، فَأَعْتَقْنِي عَلَى قَبْرِهِ، قَالَ الْأَصْمَعِيُّ: فَقُلْتُ: يَا أَخَا الْعَرَبِ! إِنَّ اللَّهَ قَدْ عَفَرَ لَكَ، وَأَعْتَقَكَ بِحُسْنِ هَذَا السُّؤَالِ.

”ایک بدوی نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا: اے اللہ! یہ تیرا حبیب ہے، میں تیرا بندہ ہوں اور شیطان تیرا دشمن ہے۔ اگر تو مجھے معاف فرمادے تو تیرا حبیب راضی ہو جائے گا، تیرا بندہ کامیاب ہو جائے گا اور تیرا دشمن غصے میں آئے گا۔ اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا تو تیرا حبیب غصے میں آئے گا، تیرا دشمن راضی ہو جائے گا اور تیرا بندہ ہلاک ہو جائے گا۔ تو اس بات سے بلند ہے کہ اپنے حبیب کو غصہ دلائے، اپنے دشمن کو راضی کرے اور اپنے بندے کو ہلاک کرے۔ اے اللہ! معزز عربوں کی یہ عادت ہے کہ جب ان میں سے کوئی سردار فوت ہو جاتا ہے تو اس کی قبر پر غلاموں کو آزاد کرتے ہیں۔ یہ جہانوں کے سردار ہیں، لہذا ان کی قبر پر مجھے آزاد کر دے۔ اصمعی کہتے ہیں کہ میں نے اس بدوی سے کہا: اے عرب! تیرے انداز سوال کی بنا پر تجھے معاف کر دیا گیا ہے۔“ (وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفى للسهمودي: 4/214)

تبصرہ: یہ سفید جھوٹ ہے۔ امام اصمعی رحمہ اللہ تک سند مذکور نہیں۔ بعض امتیوں سے منقول بے سرو پا روایات دین نہیں بن سکتیں۔

دلیل نمبر 29: عبد اللہ بن جعفر بن ابوطالب (م: 80ھ) کہتے ہیں:

كُنْتُ إِذْ سَأَلْتُ عَلِيًّا شَيْئًا، فَأَمْتَنَعَ، قُلْتُ لَهُ: بِحَقِّ جَعْفَرٍ، فَيُعْطِينِي.
 ”میں جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کوئی چیز مانگتا اور وہ نہ دیتے تو میں ان سے کہتا: جعفر کے واسطے! اس پر وہ مجھے دے دیتے۔“

(تاریخ یحییٰ بن معین بروایة ابن محرز: 1/168، کتاب الولاية للکندي: 21، المعرفة والتاريخ للفسوي (توضیح المشتبه: 1/302)، صحيح ابن السكن (الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر: 1/237)، الاستيعاب لابن عبد البر: 1/244، تاريخ دمشق لابن عساکر: 56/389)

تبصرہ: یہ اثر بلحاظ سند سخت ”ضعیف“ ہے۔ اس کا راوی مجالد بن سعید جمہور

کے نزدیک ”ضعیف“ اور غیر ثقہ ہے۔ اس کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُجَالِدٌ، حَدِيثُهُ عَنْ أَصْحَابِهِ كَأَنَّهُ حُلْمٌ.

”مجالد کی اپنے اصحاب سے روایت بے اصل ہوتی ہے۔“

(کتاب المجروحین لابن حبان: 3/11، وسندہ حسن)

نیز فرماتے ہیں: حَدِيثُ مُجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ كَأَنَّهُ حُلْمٌ.

”مجالد کی شعبی سے روایت بے اصل ہوتی ہے۔“

(مسائل الإمام أحمد وإسحاق بن راهويه: 750)

مذکورہ بالا روایت بھی امام شعبی سے ہے، لہذا یہ جرح مفسر ہے اور روایت ”ضعیف“ ہے۔

نیز اسے امام شافعی (المجروحین لابن حبان: 3/11، وسندہ حسن)، حافظ ابن

سعد (الطبقات الكبرى: 6/349)، حافظ جوزجانی (أحوال الرجال: 126)، امام نسائی (کتاب

الضعفاء والمتروكين، ص: 233)، (بعض علماء نے امام نسائی سے اس کا ثقہ ہونا بھی ذکر کیا ہے، لیکن اس کا ثبوت نہیں ملا)، امام دارقطنی (کتاب الضعفاء والمتروكين: 532)، امام بیہقی بن معین (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 8/362، وسندہ صحیح)، امام بیہقی بن سعید (أيضًا، وسندہ صحیح)، امام ابو حاتم رازی (أيضًا)، امام عبد الرحمن بن مہدی (الکامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: 6/421، وسندہ صحیح)، امام ابن عدی (أيضًا: 6/423)، امام ترمذی (السنن: 648) وغیرہ نے ”ضعیف“ اور ”غیر محتج بہ“ کہا ہے۔

حافظ ابن عراقی فرماتے ہیں: وَقَدْ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ وَقَدْ اخْتَلَطَ آخِرًا.

”اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ یہ آخری عمر میں سٹھیا گیا تھا۔“

(طرح التثريب في شرح التقريب: 2/381)

حافظ پیشی فرماتے ہیں: وَقَدْ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

”اسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔“ (مجمع الزوائد: 5/33، 190)

علامہ عینی حنفی کہتے ہیں: وَمُجَالِدٌ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

”مجالد کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔“

(عمدة القاري بشرح صحيح البخاري: 6/240، تحت حديث: 934)

علامہ شوکانی لکھتے ہیں: وَقَدْ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

”اس کی جمہور نے ضعیف کر رکھی ہے۔“ (نیل الأوطار: 3/205، وفي نسخة: 2/273)

دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کا وہ معنی نہیں جو بعض لوگوں سے سمجھ لیا ہے، یعنی اس سے مراد یہ نہیں کہ عبد اللہ بن جعفر اپنے چچا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ کی قسم دیتے تھے، بلکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

فَإِنَّ بَعْضَ النَّاسِ ظَنَّ أَنَّ هَذَا مِنْ بَابِ الْإِفْسَامِ عَلَيْهِ بِجَعْفَرٍ، أَوْ مِنْ بَابِ

قَوْلِهِمْ: أَسْأَلُكَ بِحَقِّ أَنْبِيَائِكَ، وَنَحْوِ ذَلِكَ، وَلَيْسَ كَذَلِكَ، بَلْ جَعَفَرٌ هُوَ أَخُو

عَلَيّْ، وَعَبْدُ اللَّهِ هُوَ ابْنُهُ، وَلَهُ عَلَيْهِ حَقُّ الصَّلَاةِ، فَصَلَّةُ عَبْدِ اللَّهِ صَلَّةٌ لِأَبِيهِ جَعْفَرٍ، كَمَا فِي الْحَدِيثِ: «إِنَّ مِنْ أَبْرِ الْبِرِّ أَنْ يَصِلَ الرَّجُلُ أَهْلَ وَدَّ أَبِيهِ بَعْدَ أَنْ يُؤَلِّيَ»، وَقَوْلُهُ: «إِنَّ مِنْ بَرِّهِمَا بَعْدَ مَوْتِهِمَا الدُّعَاءُ لَهُمَا، وَالِاسْتِغْفَارُ لَهُمَا، وَإِنْفَاذُ عَهْدِهِمَا مِنْ بَعْدِهِمَا، وَصَلَّةُ رَحِمِكَ الَّتِي لَا رَحِمَ لَكَ إِلَّا مِنْ قَبْلِهِمَا»، وَلَوْ كَانَ هَذَا مِنَ الْبَابِ الَّذِي ظَنُّوهُ لَكَانَ سُؤَالُهُ لِعَلِيِّ بِحَقِّ النَّبِيِّ وَابْرَاهِيمَ الْخَلِيلِ وَنَحْوِهِمَا، أَوْلَى مِنْ سُؤَالِهِ بِحَقِّ جَعْفَرٍ، فَكَانَ عَلِيُّ إِلَى تَعْظِيمِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَحَبَّتِهِ وَإِجَابَةِ السَّائِلِ بِهِ أَسْرَعَ مِنْهُ إِلَى إِجَابَةِ السَّائِلِ بَعْدَهُ، لَكِنْ بَيْنَ الْمَعْنِيَيْنِ فَرْقٌ.

”بعض لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ عبد اللہ بن جعفر نے سیدنا علیؑ کے سامنے جعفرؑ کا ذکر کر کے ان کو جعفرؑ کی قسم دی ہے یا ان کا یہ فعل انبیائے کرام کے بحق مانگنے کے مترادف ہے، حالانکہ ایسا بالکل نہیں۔ سیدنا جعفرؑ تو سیدنا علیؑ کے بھائی ہیں اور عبد اللہ ان کے بیٹے ہیں۔ ان کا سیدنا علیؑ پر اپنے والد کی وجہ سے حق رشتہ داری تھا، جیسا کہ حدیث میں ہے: سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ انسان اپنے والد کی وفات کے بعد اس کے تعلق داروں سے حسن سلوک کرے۔ نیز فرمایا: والدین کے ساتھ نیکی کی ایک صورت یہ ہے کہ ان کے لیے دُعا کی جائے، ان کے لیے مغفرت طلب کی جائے، ان کی وفات کے بعد ان کے کیے گئے وعدے پورے کیے جائیں اور اپنے والدین کی طرف سے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کی جائے۔۔۔ اگر اس سے مراد وہ وسیلہ یا واسطہ ہوتا جو ان لوگوں نے سمجھا ہے تو سیدنا علیؑ سے نبی اکرم ﷺ اور ابراہیم خلیلؑ وغیرہ کے واسطے سے مانگنا بحق جعفر مانگنے سے زیادہ فائدہ مند ہوتا، کیونکہ سیدنا علیؑ یقیناً رسول اکرم ﷺ کی عزت و تعظیم اور محبت کی وجہ سے سوالی کی مراد بحق جعفر مانگنے کی نسبت جلدی پوری کر دیتے۔ لیکن ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔“

(اقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم: 2/330, 329)

دلیل نمبر (30): امام شعبی تابعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَقَدْ رَأَيْتُ عَجَبًا، كُنَّا بِنَاءِ الْكُعْبَةِ أَنَا، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ،
وَمُضْعَبُ بْنُ الزُّبَيْرِ، وَعَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ مَرْوَانَ، فَقَالَ الْقَوْمُ بَعْدَ أَنْ فَرَعُوا مِنْ
حَدِيثِهِمْ: لِيُتَمَّ كُلُّ رَجُلٍ مِّنْكُمْ فَلْيَأْخُذْ بِالرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ، وَيَسْأَلِ اللَّهَ حَاجَتَهُ، فَإِنَّهُ
يُعْطَى مِنْ سَاعَتِهِ، فَمُ يَاعْبَدُ اللَّهُ بْنَ الزُّبَيْرِ! فَإِنَّكَ أَوَّلُ مَوْلُودٍ وُلِدَ فِي الْهَجْرَةِ، فَقَامَ
فَأَخَذَ بِالرُّكْنِ، ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ! إِنَّكَ عَظِيمٌ، تُرْجَى لِكُلِّ عَظِيمٍ، أَسْأَلُكَ بِحُرْمَةِ
وَجْهِكَ، وَحُرْمَةِ عَرْشِكَ، وَحُرْمَةِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَلَّا تُمِيتَنِي مِنَ
الدُّنْيَا حَتَّى تُتَوَلَّيَنِي الْحِجَارَ، وَيُسَلِّمَ عَلَيَّ بِالْخِلَافَةِ، وَجَاءَ حَتَّى جَلَسَ، فَقَالُوا:
فَمُ يَامُضْعَبُ بْنُ الزُّبَيْرِ! فَقَامَ حَتَّى أَخَذَ بِالرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ! إِنَّكَ رَبُّ
كُلِّ شَيْءٍ، وَإِلَيْكَ مَصِيرُ كُلِّ شَيْءٍ، أَسْأَلُكَ بِقُدْرَتِكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ، أَلَّا تُمِيتَنِي
مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى تُتَوَلَّيَنِي الْعِرَاقَ، وَتُزَوِّجَنِي سُكَيْنَةَ بِنْتَ الْحُسَيْنِ، وَجَاءَ حَتَّى
جَلَسَ، فَقَالُوا: فَمُ يَا عَبْدَ الْمَلِكِ بْنَ مَرْوَانَ! فَقَامَ حَتَّى أَخَذَ بِالرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ،
فَقَالَ: اللَّهُمَّ! رَبِّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ، وَرَبِّ الْأَرْضِينَ ذَاتِ النَّبْتِ بَعْدَ الْقَفْرِ،
أَسْأَلُكَ بِمَا سَأَلَكَ عِبَادُكَ الْمُطِيعُونَ لِأَمْرِكَ، وَأَسْأَلُكَ بِحُرْمَةِ وَجْهِكَ،
وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّكَ عَلَى جَمِيعِ خَلْقِكَ، وَبِحَقِّ الطَّائِفِينَ حَوْلَ بَيْتِكَ، أَلَّا تُمِيتَنِي
مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى تُتَوَلَّيَنِي شَرْقَ الدُّنْيَا وَعَرْبَهَا، وَلَا يُبَايَعَنِي أَحَدٌ إِلَّا أَتَيْتُ بِرَأْسِهِ، ثُمَّ
جَاءَ حَتَّى جَلَسَ، فَقَالُوا: فَمُ يَاعْبَدُ اللَّهُ بْنَ عُمَرَ! فَقَامَ حَتَّى أَخَذَ الرُّكْنَ الْيَمَانِيِّ، ثُمَّ

قَالَ: اللَّهُمَّ! إِنَّكَ رَحْمَنٌ رَحِيمٌ، أَسْأَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِي سَبَقَتْ غَضَبَكَ، وَأَسْأَلُكَ بِقُدْرَتِكَ عَلَى جَمِيعِ خَلْقِكَ، أَلَّا تُمِيتَنِي مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى تُوجِبَ لِي الْجَنَّةَ. قَالَ الشَّعْبِيُّ: فَمَا ذَهَبَتْ عَيْنَايَ مِنَ الدُّنْيَا حَتَّى رَأَيْتُ كُلَّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ قَدْ أُعْطِيَ مَا سَأَلَ، وَبَشَّرَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ بِالْجَنَّةِ، وَرُيِّتَ لَهُ.

”میرے ساتھ ایک بہت عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک دن میں، سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، مصعب بن زبیر اور عبد الملک بن مروان خانہ کعبہ کے صحن میں بیٹھے تھے۔ جب سب لوگ اپنی باتوں سے فارغ ہوئے تو کہنے لگے: ہر شخص کھڑا ہوا اور رکن یمانی پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرے۔ اس وقت اس کی دعا قبول ہوگی۔ پھر کہنے لگے: عبد اللہ بن زبیر! آپ کھڑے ہوں کیونکہ آپ ہجرت کے بعد سب سے پہلے پیدا ہونے والے مسلمان تھے۔ عبد اللہ بن زبیر کھڑے ہوئے اور رکن یمانی پکڑ کر عرض کی: اللہ! تو بہت بڑا ہے، ہر بڑے معاملے میں تجھ ہی سے امید لگائی جاتی ہے۔ میں تجھ سے تیرے چہرے، تیرے عرش اور تیرے نبی کی حرمت کے طفیل سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک میں حجاز کا حکمران نہ بن جاؤں اور مجھے خلیفہ نہ مان لیا جائے۔ سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ واپس آ کر اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ لوگوں نے کہا: مصعب بن زبیر! اب تم جاؤ۔ وہ گئے اور رکن یمانی پکڑ کر یوں عرض گزار ہوئے: اللہ! تو ہر چیز کا مالک ہے۔ ہر چیز تیری ہی طرف لوٹ کر جانے والی ہے۔ میں ہر چیز پر تیری قدرت کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک موت نہ آئے جب تک میں عراق کا حکمران نہ بن جاؤں اور سلکینہ بنت حسین سے میری شادی نہ ہو جائے۔ وہ آئے اور بیٹھ گئے۔ پھر لوگوں نے عبد الملک بن مروان سے کہا۔ وہ کھڑے ہوئے اور رکن یمانی تھام کر کہا: اللہ! تو ساتوں آسمانوں اور ان ساتوں زمینوں کا مالک ہے جو پہلے بنجرتھیں اور پھر سرسبز و شاداب ہو گئیں۔ میں تجھ سے اسی طرح سوال کرتا ہوں جس طرح تیرے فرمانبردار بندوں نے سوال کیا تھا۔ میں تجھ سے تیرے چہرے کی حرمت کے وسیلے، تمام مخلوقات پر تیرے حق کے طفیل اور

تیرے گھر کا طواف کرنے والے لوگوں کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک میں زمین کے مشرق و مغرب کا حکمران نہ بن جاؤں اور جو بھی مجھ سے مقابلہ کرے میں اس کا سر قلم کر دوں۔ وہ آئے اور بیٹھ گئے۔ لوگوں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا، وہ کھڑے ہوئے اور رکن یمانی پکڑ کر عرض کرنے لگے: میرے اللہ! تو رحمن و رحیم ہے۔ میں تیری اس رحمت کے طفیل سوال کرتا ہوں جو تیرے غصے پر غالب ہے، نیز میں تمام مخلوق پر تیری قدرت کے طفیل مطالبہ کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک موت نہ آئے جب تک تو مجھ پر جنت واجب نہ کر دے۔ شعبی کہتے ہیں: میں نے مرنے سے پہلے ہر شخص کی دعا کو قبول ہوتے ہوئے دیکھ لیا ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بھی جنت کی بشارت دے دی گئی اور ان کے لیے جنت آراستہ کر دی گئی۔“

(مجاہد الدعوة لابن أبي الدنيا : 120, 121، المنتظم لابن الجوزي : 134, 135/6،

تاریخ دمشق لابن عساکر : 171/31)

تبصرہ: یہ موضوع اور من گھڑت روایت ہے۔ اس جھوٹی روایت کو

گھڑنے کا کارنامہ سخت جھوٹے شخص اسماعیل بن ابان غنوی نے سرانجام دیا ہے۔

اس کے بارے میں امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُتِبْنَا عَنْهُ.... ثُمَّ حَدَّثَ أَحَادِيثَ..... مَوْضُوعَةٌ.....، فَتَرَ كُنَاهُ.

”ہم نے اس سے۔۔۔ کچھ احادیث لکھی تھیں، پھر اس نے۔۔۔ جھوٹی احادیث بیان

کیں۔۔۔ تو ہم نے اسے چھوڑ دیا۔“

(العلل ومعرفه الرجال للإمام أحمد برواية ابنه عبد الله : 211/3، ت: 4912)

امام یحییٰ بن معین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ ”کذاب“ راوی ہے۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی : 502/1، وسندہ صحیح)

امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اسے ”متروک الحدیث“ قرار دیا ہے۔ (کتاب الضعفاء: 16)

امام ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ، كَانَ كَذَابًا.

”یہ متروک الحدیث اور سخت جھوٹا راوی تھا۔“ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 2/160)

امام ابو زرعة رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ”متروک الحدیث“ قرار دیا ہے۔ (أَيْضًا)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ (سنن الدارقطني: 1/329)

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وَكَانَ يَضَعُ عَلَى الثَّقَاتِ.

”یہ ثقہ راویوں سے منسوب کر کے جھوٹی روایات گھڑتا تھا۔“ (كتاب المجروحين: 1/128)

علامہ جوزجانی کہتے ہیں: ظَهَرَ مِنْهُ عَلَى الْكُذْبِ.

”میں نے اس کا جھوٹ پکڑ لیا ہے۔“ (أحوال الرجال: 84)

② طارق بن عبد العزيز نامی راوی کی توثیق نہیں مل سکی، بلکہ کتب رجال میں اس

کا ذکر تک نہیں۔

③ اس سند میں سفیان ثوری کی ”تدلیس“ بھی موجود ہے۔ سماع کی تصریح

نہیں مل سکی۔

دلیل نمبر ③۱: سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اذان سننے کے بعد یہ الفاظ کہے تو روز قیامت اسے میری شفاعت

نصیب ہوگی:

بِحَقِّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ،

وَابْعَثْهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُودَ الَّذِي وَعَدْتَهُ، إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ.

”اے اللہ! اس کامل دعوت اور قائم ہونے والی نماز کے طفیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلہ عطا

فرما اور ان کو اس مقام محمود پر مبعوث فرما جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔ بلاشبہ تو اپنے

وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔“

(المعجم الأوسط للطبراني: 4654، المعجم الصغير للطبراني: 670، السنن الكبرى للبيهقي: 1/410، الدعوات الكبير للبيهقي: 49، وسنده صحيح)

اس حدیث کے الفاظ کے متعلق حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ (736-795ھ) فرماتے ہیں:

وَهَذَا اللَّفْظُ لَا إِشْكَالَ فِيهِ، فَإِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ جَعَلَ لِهَذِهِ الدَّعْوَةِ وَاللِّصَلَاةِ حَقًّا كَتَبَهُ عَلَى نَفْسِهِ، وَلَا يُخْلِفُهُ عَمَّنْ قَامَ بِهِمَا مِنْ عِبَادِهِ، فَزَجَعَ الْأَمْرُ إِلَى السُّؤَالِ بِصِفَاتِ اللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ.

”ان الفاظ میں کوئی اشکال نہیں، کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس دعوت اور نماز کے بدلے (اپنے نبی کی شفاعت عطا کرنے کا) حق اپنے اوپر لازم کیا ہے۔ جو شخص ان دونوں چیزوں کا اہتمام کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے اپنے وعدے کو ضرور وفا کرتا ہے۔ یوں آخر کار معاملہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے کلمات (کے وسیلے) کا ہی ہے۔“ (فتح الباری: 5/271)

علامہ محمد بشیر سہسوانی رحمۃ اللہ علیہ (م: 1326ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْمُرَادَ بِهَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ نَوْعِ الْأَذَانِ، لَا أَذَانَ مُؤَذِّنٍ مَّخْصُوصٍ، كَمَا أَنَّ الْمُرَادَ مُطْلَقُ الصَّلَاةِ، لَا صَلَاةَ مُصَلِّ مُعَيَّنٍ، فَعَايَةُ مَا يَثْبُتُ مِنْهُ التَّوَسُّلُ بِمُطْلَقِ الْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ مِنْ غَيْرِ إِضَافَتِهَا إِلَى أَشْخَاصٍ مُعَيَّنِينَ، وَهُوَ بِمَعْرِزِلٍ عَنِ الْمَطْلُوبِ.

”اس دعوتِ کاملہ سے مراد نوعِ اذان ہے، کسی مخصوص مؤذن کی اذان یہاں مراد نہیں۔ اسی طرح نماز سے یہاں مطلق نماز مراد ہے، کسی خاص نمازی کی نماز نہیں۔ لہذا زیادہ سے زیادہ اس حدیث سے ثابت ہوگا کہ معین اشخاص کی طرف نسبت کیے بغیر نیک اعمال کو وسیلہ بنانا جائز ہے اور یہ صورت ان کے مقصود کے خلاف ہے۔“

(صيانة الإنسان عن وسوسة الشيخ دحلان، ص: 203)

دلیل نمبر 32: امام شافعی کی طرف منسوب ایک ضعیف اور باطل

روایت یوں ہے:

إِنِّي لِأَتَبَّرُكَ بِأَبِي حَنِيفَةَ، وَأَجِيءُ إِلَى قَبْرِهِ فِي كُلِّ يَوْمٍ، يَعْنِي زَائِرًا، فَإِذَا عَرَضَتْ لِي حَاجَةٌ صَلَّيْتُ رَكَعَتَيْنِ، وَجِئْتُ إِلَى قَبْرِهِ، وَسَأَلْتُ اللَّهَ تَعَالَى الْحَاجَةَ عِنْدَهُ، فَمَا تَبْعُدُ عَنِّي حَتَّى تُقْضَى.

”میں امام ابوحنیفہ سے تبرک حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر ہر دن زیارت کے لیے آتا ہوں۔ جب مجھے کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو میں دو رکعتیں ادا کرتا ہوں اور ان کی قبر کی طرف جاتا ہوں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے اپنی ضرورت کا سوال کرتا ہوں، جلد ہی وہ ضرورت پوری کر دی جاتی ہے۔“ (تاریخ بغداد للخطیب البغدادي: 1/135)

تبصرہ:

یہ جھوٹی اور باطل روایت ہے۔ اس کے راوی عمر بن اسحاق بن ابراہیم کا کتب رجال میں کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔ نیز علی بن میمون راوی کی بھی تعیین نہیں ہو سکی۔ اس کے باوجود محمد زاہد الکوثری حنفی جہمی نے اس کی سند کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

(مقالات الکوثری: 380)

جس روایت کے راوی کا حال یہ ہو کہ اس کا کتب رجال میں ذکر ہی نہ ہو، اس کی سند صحیح کیسے ہوئی؟ کیا یہ سب کچھ قبر پرستی کو تقویت دینے کے لیے تو نہیں کیا جا رہا؟ شیخ الاسلام ابن تیمیہ (م 728ھ) اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَهَذَا كَذِبٌ مَّعْلُومٌ كِذْبُهُ بِالْإِضْطِرَارِ عِنْدَ مَنْ لَهُ أَدْنَى مَعْرِفَةٍ بِالنَّقْلِ، فَإِنَّ الشَّافِعِيَّ لَمَّا قَدِمَ بَغْدَادَ لَمْ يَكُنْ بِبَغْدَادَ قَبْرُ يُنْتَابُ لِلدُّعَاءِ عِنْدَهُ الْبَتَّةَ، بَلْ وَلَمْ يَكُنْ هَذَا عَلَى عَهْدِ الشَّافِعِيَّ مَعْرُوفًا، وَقَدْ رَأَى الشَّافِعِيَّ بِالْحِجَازِ وَالْيَمَنِ وَالشَّامِ

وَالْعِرَاقِ وَمِصْرَ مِنْ قُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ وَالصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ، مَنْ كَانَ أَصْحَابُهَا عِنْدَهُ وَعِنْدَ الْمُسْلِمِينَ أَفْضَلَ مِنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَمْثَالِهِ مِنَ الْعُلَمَاءِ، فَمَا بَالُهُ لَمْ يَتَوَخَّحِ الدُّعَاءَ إِلَّا عِنْدَ قَبْرِ أَبِي حَنِيفَةَ، ثُمَّ أَصْحَابِ أَبِي حَنِيفَةَ الَّذِينَ أَدْرَكَوْهُ مِثْلَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدِ وَزُفَرَ وَالْحَسَنِ بْنِ زِيَادٍ وَطَبَقَتِهِمْ لَمْ يَكُونُوا يَتَحَرَّوْنَ الدُّعَاءَ، لَا عِنْدَ قَبْرِ أَبِي حَنِيفَةَ وَلَا غَيْرِهِ، ثُمَّ قَدْ تَقَدَّمَ عَنِ الشَّافِعِيِّ مَا هُوَ ثَابِتٌ فِي كِتَابِهِ مِنْ كَرَاهَةِ تَعْظِيمِ قُبُورِ الصَّالِحِينَ خَشْيَةَ الْفِتْنَةِ بِهَا، وَإِنَّمَا يَضَعُ مِثْلَ هَذِهِ الْحِكَايَاتِ مَنْ يَقُلُّ عِلْمُهُ وَدِينُهُ، وَإِنَّمَا أَنْ يَكُونَ الْمَنْقُولُ مِنْ هَذِهِ الْحِكَايَاتِ عَنْ مَجْهُولٍ لَا يُعْرَفُ.

”یہ ایسی جھوٹی روایت ہے جس کا جھوٹا ہونا ہر اس شخص کو لازمی طور پر معلوم ہو جاتا ہے جو فن روایت سے ادنیٰ معرفت بھی رکھتا ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جب بغداد تشریف لائے تو وہاں قطعاً کوئی ایسی قبر موجود نہیں تھی جس پر دعا کے لیے حاضر ہو جاتا ہو۔ یہ چیز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں معروف ہی نہیں تھی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حجاز، یمن، شام، عراق اور مصر میں انبیائے کرام اور صحابہ و تابعین کی قبریں دیکھی تھیں۔ یہ لوگ تو امام شافعی اور تمام مسلمانوں کے ہاں امام ابوحنیفہ اور ان جیسے دوسرے علماء سے افضل تھے۔ کیا وجہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سوائے امام ابوحنیفہ کے کسی کی قبر پر دعا نہیں کی؟ پھر امام ابوحنیفہ کے وہ شاگرد جنہوں نے ان کی صحبت پائی تھی، مثلاً ابو یوسف، محمد (بن حسن)، ابو زفر اور حسن بن زیاد، نیز ان کے طبقے کے دوسرے لوگ امام ابوحنیفہ یا کسی اور کی قبر پر دعا نہیں کرتے تھے۔ پھر یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نیک لوگوں کی قبروں کی تعظیم کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں فتنے کا خدشہ ہے۔ اس طرح کی جھوٹی روایات وہ لوگ گھڑتے ہیں جو علمی اور دینی اعتبار سے تنگ دست ہوتے ہیں یا پھر ایسی روایات مجہول اور غیر معروف لوگوں سے منقول ہوتی ہیں۔“

(اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفة أصحاب الجحیم، ص: 165)

شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ (691-751ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ شَيْخُنَا قَدَسَ اللَّهُ رُوحَهُ: وَهَذِهِ الْأُمُورُ الْمُتَبَدِّعَةُ عِنْدَ الْقُبُورِ مَرَاتِبٌ،
أَبْعَدُهَا عَنِ الشَّرْعِ: أَنْ يُسْأَلَ الْمَيِّتَ حَاجَتَهُ، وَيَسْتَعِيثُ بِهِ فِيهَا، كَمَا يَفْعَلُهُ كَثِيرٌ
مِنَ النَّاسِ، قَالَ: وَهُوَ لَا مِنْ جِنْسِ عِبَادِ الْأَصْنَامِ، وَلِهَذَا قَدْ يَتِمَثَّلُ لَهُمُ الشَّيْطَانُ
فِي صُورَةِ الْمَيِّتِ أَوْ الْغَائِبِ كَمَا يَتِمَثَّلُ لِعِبَادِ الْأَصْنَامِ، وَهَذَا يَحْصُلُ لِلْكَفَّارِ مِنَ
الْمُشْرِكِينَ وَأَهْلِ الْكِتَابِ، يَدْعُو أَحَدَهُمْ مَنْ يُعْظِمُهُ، فَيَتِمَثَّلُ لَهُ الشَّيْطَانُ أَحْيَانًا،
وَقَدْ يُخَاطِبُهُمْ بِبَعْضِ الْأُمُورِ الْغَائِبَةِ، وَكَذَلِكَ السُّجُودُ لِلْقَبْرِ، وَالتَّمَسُّحُ بِهِ
وَتَقْبِيلُهُ، وَالْمَرْتَبَةُ الثَّانِيَّةُ: أَنْ يُسْأَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهِ، وَهَذَا يَفْعَلُهُ كَثِيرٌ مِنَ
الْمُتَأَخِّرِينَ، وَهُوَ بَدْعَةٌ بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِينَ، --- الرَّابِعَةُ: أَنْ يُظَنَّ أَنَّ الدُّعَاءَ عِنْدَ
قَبْرِهِ مُسْتَجَابٌ، أَوْ أَنَّهُ أَفْضَلُ مِنَ الدُّعَاءِ فِي الْمَسْجِدِ، فَيَقْضِي زِيَارَتَهُ وَالصَّلَاةَ
عِنْدَهُ لِأَجْلِ طَلَبِ حَوَائِجِهِ، فَهَذَا أَيْضًا مِنَ الْمُنْكَرَاتِ الْمُتَبَدِّعَةِ بِاتِّفَاقِ
الْمُسْلِمِينَ، وَهِيَ مُحَرَّمَةٌ، وَمَا عَلِمْتُ فِي ذَلِكَ نَزَاعًا بَيْنَ أَيْمَةِ الدِّينِ، وَإِنْ كَانَ
كَثِيرٌ مِنَ الْمُتَأَخِّرِينَ يَفْعَلُ ذَلِكَ، وَيَقُولُ بَعْضُهُمْ: قَبْرُ فُلَانٍ تَرِيَاقُ مُجَرَّبٌ،
وَالْحِكَايَةُ الْمَنْثُولَةُ عَنِ الشَّافِعِيِّ أَنَّهُ كَانَ يَقْضِي الدُّعَاءَ عِنْدَ قَبْرِ أَبِي حَنِيفَةَ، مِنْ
الْكَذِبِ الظَّاهِرِ.

”ہمارے استاذ قدس اللہ سرہ (شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا: قبروں کے پاس
بدعت پر مبنی امور کے کئی مراتب ہیں۔ سب سے بڑھ کر شریعت کے منافی مرتبہ یہ ہے کہ میت
سے اپنی حاجت روائی کا سوال کیا جائے اور اس سے مدد کی درخواست کی جائے جیسا کہ بہت
سے لوگ کرتے ہیں۔ یہ لوگ بت پرستوں جیسے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات شیطان ان کے

سامنے کسی میت یا کسی غیر موجود شخص کی صورت بنا کر آتا ہے اور بت پرستوں کے ساتھ بھی وہ ایسا ہی کرتا ہے۔ مشرکوں، کافروں اور اہل کتاب کے ساتھ بھی ایسا ہوتا ہے۔ وہ اپنے ہاں قابل تعظیم ہستی کو پکارتے ہیں تو شیطان ان کے سامنے اس کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی کبھار تو انہیں بعض غیبی امور کی خبر بھی دیتا ہے۔۔۔ قبروں کو سجدہ کرنا، ان کو تبرک کی نیت سے چھونا اور ان کو چومنا بھی اسی مرتبے سے تعلق رکھتا ہے۔۔۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ قبر والوں کے طفیل اللہ تعالیٰ سے دُعا کی جائے۔ بہت سے متاخرین ایسا کرتے ہیں۔ اس کام کے بدعت ہونے پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔۔۔۔۔ چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ انسان کسی بزرگ کی قبر کے پاس دُعا کی قبولیت کا اعتقاد رکھے یا یہ سمجھے کہ وہاں دُعا کرنا مسجد میں دُعا کرنے سے افضل ہے اور اسی خیال سے وہ قبر کی زیارت کو جائے اور وہاں اپنی حاجات کو پورا کرنے کے لیے نماز ادا کرے۔ مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ یہ کام بھی بدعی منکرات میں سے ہے جو کہ حرام ہیں۔ مجھے اس بارے میں ائمہ دین کا کوئی اختلاف معلوم نہیں۔ ہاں، متاخرین میں سے بہت سے لوگ اس میں مبتلا ہیں۔ بعض تو کہتے ہیں کہ فلاں کی قبر تجربہ شدہ تریاق ہے۔ امام شافعی کے بارے میں امام ابوحنیفہ کی قبر کے پاس دُعا کرنے کی جو روایت بیان کی جاتی ہے، وہ صاف جھوٹ ہے۔“

(إغاثة اللہفان من مصائد الشیطان: 1/218)

جناب سرفراز خان صفدر دیوبندی حیاتی صاحب (م: 2009ء) لکھتے ہیں:

”یہ واقعہ ہی جھوٹا اور گھڑا ہوا ہے۔“ (باب جنت، ص: 66)

دلیل نمبر (33): سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد یوں دعا کیا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّائِلِينَ عَلَيَّكَ .

”اے اللہ! میں اس حق کے وسیلے سے مانگتا ہوں جو تجھ پر سوال کرنے والوں کا ہے۔“

(مسند الدیلمی بحوالہ کنز العمال للمتقی الہندی: 4977)

تبصرہ:

یہ سخت ”ضعیف“ روایت ہے، کیونکہ:

① عمرو بن عطیہ عوفی راوی ”ضعیف“ ہے۔ کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔ اس

کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **فِي حَدِيثِهِ نَظَرٌ**.

”اس کی روایت منکر ہوتی ہے۔“ (الضعفاء الكبير للعقيلي: 3/290، وسندہ صحیح)

امام ابو زرعد رازی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ ذرا بھی قوی نہیں۔ (الجرح والتعديل: 6/250)

امام دارقطنی رحمہ اللہ بھی اسے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ (كتاب الضعفاء والمتروكين: 388)

حافظ ہیثمی نے بھی اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔ (مجمع الزوائد: 6/82)

② عطیہ عوفی راوی بھی جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے، نیز یہ ”مذس“ بھی ہے

اور ”تدلیس تسویہ“ کا مرتکب تھا۔

دلیل نمبر ③4: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سیدنا یعقوب عليه السلام نے اللہ تعالیٰ سے یوں دُعا کی: **يَا إِلَهَ إِبْرَاهِيمَ! أَسْأَلُكَ بِحَقِّ**

إِبْرَاهِيمَ خَلِيلِكَ، وَإِسْحَاقَ ذِيحِجِّكَ عَلَيَّكَ.

”اے ابراہیم کے الہ! میں تجھ سے تیرے خلیل ابراہیم عليه السلام اور تیرے ذبیح اسحاق عليه السلام کے

اس حق کے وسیلے سوال کرتا ہوں جو ان کا تجھ پر ہے۔“

(تخریج أحاديث الكشاف للزيلعي: 3/179)

تبصرہ: یہ باطل اور جھوٹی روایت ہے۔ خود علامہ زبیلی امام دارقطنی رحمہ اللہ سے

نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هَذَا حَدِيثٌ مَوْضُوعٌ بَاطِلٌ، وَإِسْحَاقُ بْنُ وَهْبٍ الطَّرْطُوسِيُّ يَضَعُ

الْحَدِيثَ عَلَى ابْنِ وَهْبٍ وَغَيْرِهِ، حَدَّثَ عَنْهُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ أَحَادِيثٌ لَا أَصْلَ لَهَا.

”یہ حدیث جھوٹی اور مردود ہے۔ اسحاق بن وہب طرطوسی راوی، ابن وہب اور دیگر ثقہ راویوں سے منسوب کر کے خود ساختہ روایات بیان کرتا ہے۔ اس نے اسی سند کے ساتھ ابن وہب سے بہت سی بے بنیاد روایات بیان کی ہیں۔“ (ایضاً)

دلیل نمبر 35: سیدنا سواد بن قارب سدوسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب

انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تو یہ اشعار کہے:

فَأَشْهَدُ أَنَّ اللَّهَ لَا رَبَّ غَيْرُهُ وَأَنَّكَ مَأْمُونٌ عَلَى كُلِّ غَائِبٍ

وَأَنَّكَ أَدْنَى الْمُرْسَلِينَ وَسَيْلَةٌ إِلَى اللَّهِ يَا ابْنَ الْأَكْرَمِينَ الْأَطْيَابِ

وَكُنْ لِي شَفِيعًا يَوْمَ لَا دُوشَفَاعَةٍ سِوَاكَ بِمُعْنٍ عَنِ سِوَادِ بْنِ قَارِبٍ

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی رب نہیں، آپ ہر غائب کے محافظ ہیں اور

اے معزز و پاکیزہ لوگوں کی اولاد! آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب رسولوں سے بڑھ کر مقام و مرتبہ

رکھتے ہیں۔ آپ اس دن میرے لیے سفارشی بن جانا جس دن آپ کے سوا سواد بن قارب کو کسی

کی سفارش فائدہ نہیں دے سکے گی۔“ (المعجم الكبير للطبراني: 7/94، 95، ح: 6475، معجم

الشيوخ لأبي يعلى: 329، المستدرک للحاکم: 3/610، ح: 6558، دلائل النبوة للبيهقي: 2/31، 32،

دلائل النبوة لأبي نعیم الأصبهانی: 280، دلائل النبوة لأسماعيل الأصبهانی: 144)

تبصرہ: (۱) یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی عثمان بن عبد الرحمن وقاصی باتفاقِ محدثین ”ضعیف“ اور ”متروک“ ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

مَتْرُوكٌ وَكَذَّبَهُ ابْنُ مَعِينٍ.

”یہ متروک راوی ہے۔ امام ابن معین رحمہ اللہ نے اسے سخت جھوٹا قرار دیا ہے۔“

(تقریب التہذیب: 4494)

② اس کی سند میں انقطاع بھی ہے۔ محمد بن کعب قرظی کا سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سماع و لقاء نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ (150-204ھ) فرماتے ہیں:

نَحْنُ لَا نَقْبَلُ الْحَدِيثَ الْمُنْقَطِعَ.

”ہم (جماعتِ محدثین) منقطع حدیث کو قبول نہیں کرتے۔“ (الائم: 10/461)

حافظ بیہقی نے اس کی سند کو ”ضعیف“ کہا ہے۔ (مجمع الزوائد: 8/250)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: **الإِسْنَادُ مُنْقَطِعٌ**. ”یہ سند منقطع ہے۔“

(تلخیص المستدرک: 3/610)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وَهَذَا مُنْقَطِعٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ**.

”یہ روایت اس سند سے منقطع ہے۔“ (السیرة النبویة: 1/346)

اس میں اور بھی عانتیں اور خرابیاں ہیں۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ اسْمُهُ عُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْوَقَّاصِيُّ، مُتَّفَقٌ عَلَى تَرْكِهِ، وَعَلَيْهِ بِنُ مَنْصُورٍ فِيهِ جَهَالَةٌ، مَعَ أَنَّ الْحَدِيثَ مُنْقَطِعٌ.

”اس سند میں مذکور ابو عبد الرحمن کا نام عثمان بن عبد الرحمن وقاصی ہے۔ اس کے متروک ہونے پر اجماع ہے۔ نیز علی بن منصور مجہول ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ حدیث منقطع بھی

ہے۔“ (تاریخ الإسلام: 1/208، سیر أعلام النبلاء: 1/246)

(ب) اس کی مزید کئی سندیں ہیں۔ ان کا حال بھی ملاحظہ فرمائیں:

① اس کی ایک جھوٹی سند خرائطی کی ”ہواتف الجان“ (27) اور ابو نعیم اصیبانی کی

”معرفة الصحابة“ (3/1405، ح: 3551) میں مذکور ہے۔ اس کے راوی عبید اللہ بن ولید و صافی

کے بارے میں حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: أَحَدُ الْمَتْرُوكِينَ.

”یہ متروک راوی ہے۔“ (تاریخ الإسلام: 9/216)

اسے امام نسائی وغیرہ نے ”متروک“ قرار دیا ہے۔ اس کے بارے میں ادنیٰ کلمہ توثیق

بھی ثابت نہیں۔

حافظ بویری فرماتے ہیں: أَجْمَعُوا عَلَي ضَعْفِهِ.

”اہل علم کا اس کے ضعیف ہونے پر اجماع و اتفاق ہے۔“

(اتخاف الخيرة المهرة: 1/477، ح: 888)

اس میں اور بھی خرابیاں موجود ہیں۔

② امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”دلائل النبوة“ (2/249) میں بھی اس کی ایک سند

موجود ہے۔ وہ بھی سخت ”ضعیف“ ہے، کیونکہ:

۱، ۲۔ محمد بن تراس کوفی اور زیاد بن یزید بن بارویہ ابو بکر قصوی، دونوں ”مجهول“ ہیں۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو ”منکر“ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَمُحَمَّدُ بْنُ تَرَّاسٍ وَزِيَادٌ مَجْهُولَانِ، لَا تُقْبَلُ رِوَايَتُهُمَا، وَأَخَافُ أَنْ يَكُونَ

مَوْضُوعًا عَلَي أَبِي بَكْرٍ بْنِ عَيَّانٍ.

”محمد بن تراس اور زیاد دونوں مجھول ہیں، ان کی روایت قبول نہیں ہو سکتی۔ مجھے خدشہ ہے

کہ اسے گھڑ کر ابو بکر بن عیاش کے ذمے لگا دیا گیا ہے۔“ (سير أعلام النبلاء: 1/245)

یہ سخت ”ضعیف“ اور باطل روایت انہی نامعلوم افراد کی کارستانی ہو سکتی ہے۔

۳۔ ابواسحاق سبجی ”مدلس“ ہیں۔

③ علامہ سیوطی نے ”الخصائص الكبرى“ (1/255) اور ابو نعیم اصیبانی نے

”معرفۃ الصحابة“ (352) میں مسند حسن بن سفیان کے حوالے سے اس کی ایک سند ذکر کی ہے۔

یہ بھی سخت ترین ”ضعیف“ ہے، کیونکہ:

۱۔ اس میں حسن بن عمارہ جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔
اس کے بارے میں:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **ضَعَفَهُ الْجُمُھُورُ.**

”اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (طبقات المدلسین: 53)

نیز فرماتے ہیں: **وَالْحَسَنُ ضَعِيفٌ جِدًّا.**

”حسن سخت ترین ضعیف ہے۔“ (التلخیص الحبیر: 1/409)

حافظ سہلی فرماتے ہیں: **فَهُوَ ضَعِيفٌ بِاجْمَاعِ أَهْلِ الْحَدِيثِ.**

”محدثین کرام کا اجماع ہے کہ یہ ضعیف راوی ہے۔“

(الروض الأنف: 6/43، نصب الراية للزليعي الحنفی: 2/311)

حافظ بیہقی فرماتے ہیں: **ضَعَفَهُ شُعْبَةُ وَجَمَاعَةٌ كَثِيرَةٌ.**

”اسے امام شعبہ اور اہل علم کی ایک بڑی جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے۔“

(مجمع الزوائد: 2/289، ح: 3721)

حافظ بوسری لکھتے ہیں: **وَقَدْ تَكَلَّمُوا فِيهِ كَثِيرًا، كَذَّبَهُ شُعْبَةُ، وَنَقَلَ**

السَّاجِي إِجْمَاعَ أَهْلِ الْحَدِيثِ عَلَى تَرْكِ حَدِيثِهِ، وَفِيهِ كَلَامٌ كَثِيرٌ جِدًّا.

”محدثین کرام نے اس کے بارے میں بہت زیادہ کلام کیا ہے۔ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے

کذاب قرار دیا ہے اور امام ساجی نے اس کی حدیث کو چھوڑ دینے پر محدثین کا اجماع نقل کیا

ہے۔ اس پر بہت زیادہ جرح موجود ہے۔“ (اتحاف الخيرة المهرة: 2/80، ح: 1075)

ثابت ہوا کہ یہ متروک راوی ہے۔ یہ ”مدلس“ بھی ہے۔

۲۔ اس سند میں موجود عراق بن خالد بن یزید نامی راوی کے بارے میں حافظ ابن

حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **لَيْسَ .** ”یہ کمزور راوی ہے۔“ (تقریب التہذیب: 4548)

④ امام ابن عساکر رحمہ اللہ نے ”تاریخ دمشق“ (322/72) میں بھی اس کی ایک سند ذکر کی ہے۔ وہ بھی جھوٹی اور باطل ہے، کیونکہ اس کا بیان کرنے والا حکم بن یعلیٰ بن عطاء رعینی راوی ”متروک“ اور ”ضعیف“ ہے۔

⑤ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ”السیرۃ النبویۃ“ (349/1) میں ایک سند نقل کی ہے۔ وہ بھی خود ساختہ ہے، اس کو محمد بن سائب کلبی نے گھڑا ہے جو باتفاق محدثین سخت جھوٹا اور ”ضعیف“ ہے۔

⑥ علامہ سیوطی نے ”الخصائص الکبریٰ“ (255/1) میں امام ابن شاہین رحمہ اللہ کے حوالے سے ایک سند لکھی ہے۔ وہ بھی انتہائی جھوٹی ہے۔ اس کو علاء بن یزید نامی راوی نے تراشا ہے۔ یہ ”منکر الحدیث“، ”متروک الحدیث“ اور احادیث گھڑنے والا راوی ہے۔ اسی طرح اس کا شاگرد فضل بن عیسیٰ رقاشی بھی ”متروک“ اور ”ضعیف“ ہے۔

پھر مزے کی بات یہ ہے کہ اس روایت میں وسیلے سے مراد مقام و مرتبہ اور قدر و منزلت ہے اور ان اشعار میں روزِ قیامت شفاعت کی درخواست ہے۔

دلیل نمبر ③۶: سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قُلْتُ لِعَلِيِّ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! أَسْأَلُكَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ، إِلَّا خَصَّصْتَنِي بِأَعْظَمِ مَا خَصَّكَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاخْتَصَّصَهُ بِهِ جِبْرِيلُ، وَأَرْسَلَهُ بِهِ الرَّحْمَنُ، فَضَحِكُ، ثُمَّ قَالَ لَهُ: يَا بَرَاءُ! إِذَا أَرَدْتَ أَنْ تَدْعُو اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ، فَاقْرَأْ مِنْ أَوَّلِ سُورَةِ الْحَدِيدِ إِلَى آخِرِ سِتِّ آيَاتٍ مِنْهَا، إِلَى ﴿عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾، وَآخِرِ سُورَةِ الْحَشْرِ، يَعْنِي أَرْبَعَ آيَاتٍ، ثُمَّ ارْفَعْ يَدَيْكَ، فَقُلْ: يَا مَنْ هُوَ هَكَذَا، أَسْأَلُكَ بِحَقِّ هَذِهِ الْأَسْمَاءِ أَنْ تُصَلِّيَ عَلَيَّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَأَنْ تَفْعَلَ بِي كَذَا وَكَذَا، مِمَّا تُرِيدُ، فَوَالَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ لَتُقْبَلَ بِحَاجَتِكَ

إِنْ شَاءَ اللَّهُ.

”میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کہا: اے امیر المؤمنین! میں اللہ ورسول کے واسطے آپ سے کہتا ہوں کہ مجھے وہ سب سے بڑی چیز دے دیجیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف آپ کو اور جبریل نے اللہ کی طرف سے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسکرائے، پھر فرمایا: اے براء! جب تم چاہو کہ اللہ سے کچھ مانگو تو اسم اعظم کے ذریعے مانگو۔ سورہ حدید کی پہلی چھ آیات اور سورہ حشر کی آخری چار آیات پڑھ لو، پھر اپنے ہاتھ اٹھاؤ اور کہو: اے وہ ذات جو ان اوصاف سے متصف ہے! میں تجھ سے ان اسمائے حسنیٰ کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر درود و سلام نازل فرما اور مجھے یہ یہ چیز عطا فرما۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تیری حاجت ضرور پوری کر دی جائے گی، ان شاء اللہ۔“

(ابن النجار بحوالہ کنز العمال للمتقی الہندی: 2/248, 249)

تبصرہ: یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

- ① اس کا راوی عمرو بن ثابت بن ہرمز ”متروک وکذاب“ ہے۔
- ② اس میں کئی راوی مجہول ہیں، مثلاً احمد بن ادریس بن احمد بن نصر بن مزاحم، محمد بن محمد بن عبدالعزیز عمبکری اور ابو عبد اللہ محمد بن فضل اخباری وغیرہ۔

حافظ سیوطی (849-911ھ) نے اس کی سند کو ”ضعیف“ کہا ہے۔ (الدر المنثور: 8/49)

تنبیہ: اس کی ایک سند ابو علی عبدالرحمن بن محمد بن احمد بن فضالہ نیشاپوری

کے ”فوائد“ (21) میں بھی آئی ہے۔ یہ بھی جھوٹی سند ہے جو درج ذیل افراد میں سے کسی کی کارروائی ہے:

- ① رافع بن عبداللہ فقیہ کے حالات زندگی نہیں مل سکے۔
- ② احمد بن محمد بن یونس کون ہے؟
- ③ معروف بن موسیٰ کی توثیق نہیں ملی۔

عبدالعزيز بن حنبلہ کا کتب جرح و تعدیل میں نام و نشان تک نہیں ملتا۔ (۴)

صاحب کتاب ابوعلی عبدالرحمن بن محمد بن احمد بن فضلہ خود رافضی تھا۔ اس کی (۵)

روایت کا کوئی اعتبار نہیں۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ اسی کی کارروائی ہے۔

اس طرح کی سندیں تو ان لوگوں کا متاعِ عظیم ہوتی ہیں جو سند کو دین نہیں مانتے۔

دلیل نمبر 37: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

كَانَتْ يَهُودُ خَيْبَرَ تُقَاتِلُ غَطَفَانَ، فَكَلَّمَا التَّقْوَاهُزِمَتْ يَهُودُ خَيْبَرَ، فَعَادَتْ

الْيَهُودُ بِهَذَا الدُّعَاءِ: اللَّهُمَّ! إِنَّا نَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي وَعَدْتَنَا أَنْ

تُخْرِجَهُ لَنَا فِي آخِرِ الزَّمَانِ، إِلَّا نَصَرْتَنَا عَلَيْهِمْ، قَالَ: فَكَانُوا إِذَا التَّقْوَا دَعَوْا بِهَذَا

الدُّعَاءِ، فَهَزَمُوا غَطَفَانَ، فَلَمَّا بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَرُوا بِهِ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ

: ﴿وَكَانُوا مِنْ قَبْلِ يَسْتَفْتِحُونَ﴾ (البقرة: 89) بِكَ يَا مُحَمَّدُ عَلَى الْكَافِرِينَ .

”خیبر کے یہودی بنو غطفان سے لڑائی تھی۔ جب بھی میدان سجتا یہود شکست کھاتے۔ آخر

یہود نے اس دُعا کے ذریعے پناہ پکڑی: اے اللہ! ہم تجھ سے اس اُمی نبی محمد ﷺ کے طفیل سوال

کرتے ہیں جس کو آخر زمانے میں مبعوث کرنے کا تو نے ہمیں وعدہ دیا ہے کہ ہماری نصرت فرما۔

اس کے بعد جب بھی مدبھیڑ ہوتی یہود، بنو غطفان کو شکست دیتے۔ جب نبی اکرم ﷺ مبعوث

ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ سے کفر شروع کر دیا۔ اسی بارے میں یہ فرمانِ باری تعالیٰ نازل

ہوا: ﴿وَكَانُوا مِنْ قَبْلِ يَسْتَفْتِحُونَ﴾ (البقرة: 89) (اس سے پہلے یہ یہود اللہ تعالیٰ سے

فتح طلب کیا کرتے تھے) [اے محمد! آپ کے طفیل]۔ (المستدرک للحاکم: 2/263، ح

:3042، الشریعة للاجری: 448، دلائل النبوة للبيهقي: 2/76)

تبصرہ: یہ جھوٹی روایت ہے۔ اس کی سند میں عبدالملک بن ہارون بن عثرہ

راوی ”کذاب“ اور ”متہم“ ہے۔ اس کے بارے میں:

علامہ بیہمی لکھتے ہیں: وَهُوَ مُجْمَعٌ عَلَىٰ ضَعْفِهِ.

”اس کے ضعیف ہونے پر محدثین کرام کا اتفاق ہے۔“ (مجمع الزوائد: 10/150)

امام بیہمی بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”کذاب“ کہا ہے۔ (تاریخ ابن معین بروایۃ الدوری: 1688)

علامہ جوزجانی اسے دجال اور کذاب قرار دیتے ہیں۔ (أحوال الرجال: 77)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ (التاریخ الكبير: 5/436) اسے ”منکر الحدیث“، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

(العلل و معرفة الرجال: 2648) ”ضعیف الحدیث“، امام ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ (الجرح والتعديل

لابن أبي حاتم: 5/374) ”متروک الحدیث، ذاہب الحدیث“ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ (کتاب الضعفاء

والمتروکین: 384) ”متروک الحدیث“ کہتے ہیں۔

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: كَانَ مِمَّنْ يَضَعُ الْحَدِيثَ.

”یہ جھوٹی احادیث گھڑنے والا شخص تھا۔“ (کتاب المجروحین: 2/133)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مَتْرُوكٌ يَكْذِبُ.

”یہ متروک اور کذاب شخص ہے۔“ (سؤالات البرقانی للدارقطنی: 252، 253)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”متروک ہالک“ (پرلے درجے کا جھوٹا) قرار دیا ہے۔

(تلخیص المستدرک: 2/213، ح: 3042)

نیز فرماتے ہیں: مَتْرُوكٌ بِالْإِتْفَاقِ. ”یہ بالاتفاق متروک ہے۔“

(أيضًا: 81088)

اس کے بارے میں توثیق و توصیف کا ادنیٰ کلمہ بھی ثابت نہیں۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ خود اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

رَوَى عَنْ أَبِيهِ أَحَادِيثَ مَوْضُوعَةً.

”اس نے اپنے باپ سے من گھڑت روایات نقل کی ہیں۔“ (المدخل: 170)

لہذا حافظ سیوطی (الدر المنثور: 1/216) کا اس کی سند کو صرف ”ضعیف“ کہنا صحیح نہیں، بلکہ

یہ موضوع و مکذوب سند ہے۔

دلیل نمبر (38): سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ کی

وفات پر یہ مرثیہ پڑھا:

أَلَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كُنْتَ رَجَائَنَا
وَكُنْتَ بِنَابِرًا، وَلَمْ تَكْ جَافِيًا

”اے اللہ کے رسول! آپ ہماری امید تھے۔ آپ ہم سے اچھا سلوک کرتے تھے، سختی و

زیادتی نہیں کرتے تھے۔“ (المعجم الكبير للطبراني: 24/320، ح: 805)

تبصرہ: اس کی سند ”ضعیف“ ہے، کیونکہ:

① عبد اللہ بن لہیعہ راوی جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔ نیز یہ ”مدلس“ اور

”مختلط“ بھی ہے۔

حافظ ابن عبد البرؒ (368-463ھ) فرماتے ہیں:

وَأَبْنُ لَهَيْعَةَ، أَكْثَرُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا يَقْبَلُونَ شَيْئًا مِنْ حَدِيثِهِ.

”اکثر اہل علم ابن لہیعہ کی کوئی بھی حدیث قبول نہیں کرتے۔“

(التمهيد لمافي المؤطا من المعاني والأسانيد: 12/254)

حافظ نوویؒ (631-676ھ) فرماتے ہیں:

وَهُوَ ضَعِيفٌ بِالْإِتِّفَاقِ لِأَخْتِلَالِ ضَبْطِهِ.

”ابن لہیعہ حافظے کی خرابی کی بنا پر بالاتفاق ضعیف ہے۔“

(خلاصة الأحكام: 2/625)

حافظ بیہقی (735-807ھ) کہتے ہیں: وَالْأَكْثَرُ عَلَى ضَعْفِهِ.

”اکثر اہل علم اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔“ (مجمع الزوائد: 7/13)

نیز فرماتے ہیں: وَأَبْنُ لَهَيْعَةَ ضَعْفُهُ الْجُمْهُورُ.

”ابن لہیعہ کو جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (مجمع الزوائد: 10/365)

ابن ترکمانی حنفی (683-750ھ) لکھتے ہیں: وَقَدْ ضَعَّفَهُ جَمَاعَةٌ.

”محدثین کی ایک بڑی جماعت نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (الجوہر النقی: 3/286)

حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ (831-902ھ) فرماتے ہیں: وَهُوَ مِمَّنْ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

”یہ ان راویوں میں سے ہے جنہیں جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (فتح المغیث: 221)

حافظ ابراہیم بن موسیٰ ابواسحاق ابناسی (م: 802ھ) کہتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

”اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (الشذائیع من علوم ابن الصلاح: 1/201)

ابن عراقی (762-826ھ) فرماتے ہیں: ضَعِيفٌ عِنْدَ الْأَكْثَرِ.

”یہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔“ (طرح التریب: 6/64)

حافظ سیوطی (م: 911ھ) کہتے ہیں: وَهُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ الْجُمْهُورِ.

”ابن لہیعہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔“ (تدریب الراوی: 1/294)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (773-852ھ) فرماتے ہیں کہ ابن لہیعہ ”ضعیف الحدیث“ ہے۔

(تعلیق التعلیق: 3/239)

② عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کا سیدہ صفیہ سے سماع و لقاء ممکن نہیں۔ عروہ کی ولادت

۲۹ ہجری کو ہوئی، جبکہ سیدہ صفیہ ۱۹ ہجری کو وفات پا گئی تھیں۔ ۱۰ سال بعد پیدا ہونے والا انسان

سیدہ صفیہ سے وہ مرثیہ کیسے سن سکتا ہے جو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر پڑھا۔

لہذا حافظ بیہمی (مجمع الزوائد: 9/39) کا اس کی سند کو ”حسن“ قرار دینا بالکل غلط ہے۔

③ اس ضعیف روایت میں بھی مروجہ وسیلے کا سرے سے کوئی ذکر نہیں۔ اس

روایت کے مطابق سیدہ صفیہ تو کہہ رہی ہیں کہ آپ زندگی میں ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرتے

تھے۔ بعض لوگوں کے مطابق تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے بعد بھی وفات سے پہلے کی طرح زندہ ہیں، لہذا

یہ روایت ان کے عقیدے پر ضربِ کاری ہے۔ اگر آپ اسی طرح زندہ ہوتے اور لوگوں کے مسائل حل فرماتے تو اس مرثیے کا کیا معنی کہ آپ زندگی میں ہمارے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے؟؟؟ جن لوگوں کے دلائل بودے ہوں اور دعویٰ و دلیل میں مطابقت نہ ہو، اکثر ایسے لوگوں کے دلائل انہی کے خلاف ہو جایا کرتے ہیں۔ اس روایت کا مطلب بالکل صاف ہے کہ آپ ﷺ سے ہماری کئی امیدیں وابستہ تھیں لیکن آپ دنیا چھوڑ کر چلے گئے۔

تنبیہ: اس روایت کی ایک دوسری سند احمد بن مروان دینوری کی کتاب ”الجالسة وجواهر العلم“ (758) میں ہے۔ یہ سند بھی باطل ہے، کیونکہ:

- ① خود صاحب کتاب احمد بن مروان دینوری ”متکلم فیہ“ ہے۔
- ② اس کے استاذ عامر بن عبداللہ زبیری کی توثیق بھی نہیں ملی۔
- ③ اس کے راوی مصعب بن ثابت کو جمہور محدثین کرام نے ”ضعیف“ کہا ہے۔ امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، امام ابو حاتم رازی، امام ابو زرعہ رازی، امام نسائی، حافظ ابن سعد، حافظ جوز جانی، امام دارقطنی وغیرہم نے اسے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ”لین الحدیث“ کہا ہے۔ (تقریب التہذیب: 6686)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَیِّنٌ لِّعَلَطِهِ.

”اپنی غلطیوں کی بنا پر یہ کمزور راوی ہے۔“ (الکاشف: 130/3)

دلیل نمبر 39: وَعَنْ كَعْبِ الْأَحْبَارِ أَنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانُوا إِذَا

قُحِطُوا، اسْتَسْقَوْا بِأَهْلِ بَيْتِ نَبِيِّهِمْ.

”کعب احبار سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل پر جب قحط پڑتا تو وہ اپنے نبی کے گھر والوں کے وسیلے بارش طلب کرتے تھے۔“

(عمدة القاري للعيني الحنفي: 32/7)

تبصرہ: یہ بے سند اور جھوٹی بات ہے جو بعض لوگوں کا دین بن گئی ہے۔ دوسری

بات یہ ہے کہ اس جھوٹی روایت کا مطلب بھی یہ ہے کہ ان سے بارش کے لیے دُعا کرائی جاتی تھی۔ ناجائز وسیلے کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

دلیل نمبر (40): کعب بن ماتبہ اہل تابعی سے روایت ہے:

إِنَّ نُورَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - لَمَّا صَارَ إِلَى عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَأَذْرَكَ، نَامَ يَوْمًا فِي الْحَجْرِ، فَأَنْتَبَهَ مَكْحُولًا مَدْهُونًا، قَدْ كَسَى حُلَّةَ الْبَهَاءِ وَالْجَمَالِ، فَبَقِيَ مُتَحَيِّرًا لَا يَدْرِي مَنْ فَعَلَ بِهِ ذَلِكَ، فَأَخَذَهُ أَبُوهُ بِيَدِهِ، ثُمَّ انْطَلَقَ بِهِ إِلَى كَهْنَةِ قُرَيْشٍ، فَأَخْبَرَهُمْ بِذَلِكَ، فَقَالُوا لَهُ: اعْلَمْ أَنَّ إِلَهَ السَّمَاوَاتِ قَدْ آذَنَ لِهَذَا الْغُلامِ أَنْ يَتَزَوَّجَ، فَزَوِّجْهُ قَبِيلَةَ، فَوَلَدَتْ لَهُ الْحَارِثُ ثُمَّ مَاتَتْ، فَزَوَّجَهُ بَعْدَهَا هِنْدُ بِنْتُ عَمْرٍو، وَكَانَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ يُفَوِّحُ مِنْهُ رَائِحَةَ الْمِسْكِ الْأَذْفَرِ، وَنُورَ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يُضِيءُ فِي غُرَّتِهِ، وَكَانَتْ قُرَيْشٌ إِذَا أَصَابَهَا قَحْطٌ تَأْخُذُ بِيَدِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَتَخْرُجُ بِهِ إِلَى جَبَلِ ثَبِيرٍ، فَيَتَقَرَّبُونَ بِهِ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى، وَيَسْأَلُونَ أَنْ يَسْقِيَهُمُ الْغَيْثَ، فَكَانَ يُغِيثُهُمْ وَيَسْقِيهِمْ بِبِرِّكَ نُورِ مُحَمَّدٍ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - غَيْثًا عَظِيمًا.

”جب رسول اللہ ﷺ کا نور جناب عبدالمطلب کے پاس آیا اور وہ عمر بلوغت کو پہنچ گئے تو اس کے بعد ایک دن حطیم میں سوئے ہوئے تھے۔ جب وہ بیدار ہوئے تو ان کی آنکھوں میں سرما اور سر میں تیل لگا ہوا تھا۔ ان پر خوبصورتی اور جمال کا لباس تھا۔ وہ بہت حیران ہوئے اور وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ یہ سب کچھ ان کے ساتھ کس نے کیا؟ ان کے والد نے انہیں ہاتھ سے پکڑا اور قریش کے کاہنوں کے پاس لے گئے اور ساری بات سنائی۔ کاہنوں نے کہا: تمہارے علم میں یہ بات ہونی چاہیے کہ آسمانوں کے الہ نے اس لڑکے کو شادی کی اجازت دے دی

ہے۔ ان کے والد نے ان کی شادی قبیلہ سے کی۔ اس کے بطن سے حارث پیدا ہوا اور قبیلہ فوت ہوگئی۔ پھر قبیلہ کے بعد ان کی شادی ہند بنت عمرو سے ہوئی۔۔۔ جناب عبدالمطلب سے کستوری کی بہت تیز اور عمدہ خوشبو آتی تھی۔ اللہ کے رسول کا نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ قریش جب قحط سالی میں مبتلا ہوتے تو جناب عبدالمطلب کا ہاتھ پکڑ کر شیر پہاڑ کی طرف لے جاتے اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں انہیں وسیلہ بناتے ہوئے بارش طلب کرتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کے نور کی برکت سے انہیں بہت زیادہ بارش عطا فرماتا۔“ (المواہب اللدنیۃ للقسطلانی: 1/97، وفي نسخة: 1/63، سمط النجوم لعبد الملك بن حسين العصامي: 1/226)

تبصرہ: یہ جھوٹا واقعہ ہے۔ اس کی سند جھوٹی اور باطل ہے، کیونکہ:

- ① کعب احبار تابعی ہیں اور وہ نبی اکرم ﷺ کی ولادت سے قبل کا واقعہ بیان کر رہے ہیں۔ اس وقت تک تو نبی اکرم ﷺ کے والد بھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ کعب احبار اور جناب عبدالمطلب میں صدیوں کا فاصلہ ہے۔ لہذا سند میں سخت انقطاع ہے۔
- ② عمرو بن شرحبیل انصاری راوی ”مجهول الحال“ ہے۔ سوائے امام ابن حبان رحمہ اللہ (الثقات: 7/225) کے کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔ اسی لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ”مقبول“ (مجهول الحال) قرار دیا ہے۔ (تقریب التہذیب: 5047)
- ③ ابوبکر بن عبد اللہ بن ابومریم راوی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ”ضعیف“ اور ”مختلط“ ہے۔ اس کے بارے میں:

- ۱۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعِيفٌ، كَانَ عَيْسَى (ابنُ يُونُسَ) لَا يَزِيْرُ ضَاةً. ”یہ ضعیف راوی ہے۔ امام عیسیٰ بن یونس اسے پسند نہیں کرتے تھے۔“ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 2/405، العلل ومعرفة الرجال: 1/203)
- ۲۔ امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ نے اسے ”ضعیف الحدیث، منکر الحدیث“ قرار دیا ہے۔ (الجرح والتعديل: 2/405)

۳۔ امام ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفُ الْحَدِيثِ، طَرَقَتْهُ لُضُوصٌ، فَأَخَذُوا مَتَاعَهُ، فَأَخْتَلَطَ.

”اس کی حدیث ضعیف ہوتی ہے۔ اسے چور پڑے اور اس کا سامان لوٹ لیا، اسی رنج

سے اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔“ (الجرح والتعديل: 2/405)

۴۔ امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ (ایضاً، وسندہ صحیح)

نیز فرماتے ہیں: لَيْسَ حَدِيثُهُ بِشَيْءٍ.

”اس کی حدیث کسی کام کی نہیں۔“ (تاریخ الدوري: 4/437)

تنبیہ: امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”ثقة“ بھی کہا ہے۔ (سؤالات ابن الجنید: 399)

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کا جمہور کے موافق قول لے لیا جائے گا۔

یاد رہے کہ امام صاحب سے ایک روایت میں اس راوی کو ”صدوق“ کہنا بھی منقول ہے،

لیکن وہ روایت ”ضعیف“ ہے۔ اس کی سند کے دو راویوں احمد بن علی مدائنی اور لیث بن

عبدہ، کے حالات نہیں مل سکے۔ جرح والا قول ہی راجح ہے۔

۵۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔

(کتاب الضعفاء والمتروکین: 668)

۶۔ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ”متروک“ کہا ہے۔ (أسئلة البرقاني: 596)

نیز انہوں نے اسے ”ضعیف“ بھی کہا ہے۔ (سنن الدارقطني: 1/104، 3/4، 4/148)

۷۔ حافظ جوزجانی کہتے ہیں:

لَيْسَ بِالْقَوِيِّ فِي الْحَدِيثِ، وَهُوَ مُتَمَّاسِكٌ.

”یہ حدیث میں قوی نہیں تھا۔ یہ متروک راوی ہے۔“ (أحوال الرجال: 315)

۸۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مِنْ كِبَارِ شُيُوخِ حِمَاصٍ، وَفِي حَدِيثِهِ بَعْضُ مَا فِيهِ .

”یہ حمص کے بڑے شیوخ میں سے تھا لیکن اس کی حدیث میں بعض مناکیر ہیں۔“

(تہذیب التہذیب لابن حجر: 12/29)

۹۔ حافظ ابن سعد رحمہ اللہ نے اسے ”ضعیف“ لکھا ہے۔ (الطبقات الكبرى: 7/467)

۱۰۔ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَالْغَالِبُ عَلَى حَدِيثِهِ الْغَرَائِبُ، وَقَلَّ مَا يُؤَافِقُهُ عَلَيْهِ الثَّقَاتُ، وَأَحَادِيثُهُ صَالِحَةٌ، وَهُوَ مِمَّنْ لَا يُحْتَجُّ بِحَدِيثِهِ، وَلَكِنْ يُكْتَبُ حَدِيثُهُ .

”اس کی اکثر احادیث منکر ہیں۔ اس کی بہت کم روایات پر ثقہ راوی موافقت کرتے ہیں۔ اس کی احادیث (بظاہر) خوبصورت ہیں، لیکن اس کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ البتہ اس کی حدیث کو (متابعت و شواہد کے لیے) لکھا جائے گا۔“

(الکامل في ضعفاء الرجال: 2/40)

۱۱۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سَاقِطُ الْإِحْتِجَاجِ بِهِ إِذَا انْفَرَدَ .

”جب یہ کسی روایت کو بیان کرنے میں منفرد ہو تو اس کی روایت سے دلیل نہیں لی جا سکتی۔“ (کتاب المجروحین: 3/146)

۱۲۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: لَا يَجْلُعُ حَدِيثُهُ زُبَّةَ الْحَسَنِ .

”اس کی حدیث حسن کے درجے تک نہیں پہنچتی۔“ (سير أعلام النبلاء: 7/65)

۱۳۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔ (تقریب التہذیب: 7974)

جمہور کی تضعیف کے مقابلے میں اسے حافظ بزار (كشف الأستار: 1/106، ح: 189) نے

”ثقة“ کہا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ (المستدرک علی الصحیحین: 1/696، ح: 1897) نے اس کی

ایک حدیث کی سند کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ جمہور کے مقابلے میں یہ توثیق ناقابل اعتبار ہے۔

٣) مذکورہ سند میں ابو بکر بن ابومریم سے نیچے سند غائب ہے۔ مسلمان بے سند روایات کا کوئی اعتبار نہیں کرتے۔

دلیل نمبر 41: قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ بَشْكَوَالٍ: أَخْبَرَنَا الْقَاضِي

الشَّهِيدُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ رَحِمَهُ اللَّهُ قِرَاءَةً عَلَيْهِ، وَأَنَا أَسْمَعُ، قَالَ:

قَرَأْتُ عَلَى أَبِي عَلِيِّ حُسَيْنِ بْنِ مُحَمَّدٍ الْغَسَّانِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو الْحَسَنِ طَاهِرُ

بْنُ مَفْزُورِ الْمُعَافِرِيِّ، قَالَ: أَنَا أَبُو الْفُتُوحِ وَأَبُو اللَّيْثِ نَصْرُ بْنُ الْحَسَنِ التَّكْتِي،

الْمُقِيمُ بِسَمَرْقَنْدٍ، قَدِمَ عَلَيْهِمْ بِلَنْسِيَّةِ، عَامَ أَرْبَعَةٍ وَسِتِّينَ وَأَرْبَعِ مِائَةٍ. قَالَ: فُحِطَ

الْمَطَرُ عِنْدَنَا بِسَمَرْقَنْدٍ فِي بَعْضِ الْأَعْوَامِ، قَالَ: فَاسْتَسْقَى النَّاسُ مِرَارًا، فَلَمْ

يُسْقُوا، قَالَ: فَأَتَى رَجُلٌ مِنَ الصَّالِحِينَ مَعْرُوفٍ بِالصَّلَاحِ، مَشْهُورٍ بِهِ، إِلَى

قَاضِي سَمَرْقَنْدٍ، فَقَالَ لَهُ: إِنِّي قَدْ رَأَيْتُ رَأْيًا أَعْرَضَهُ عَلَيْكَ. قَالَ: وَمَا هُوَ؟ قَالَ:

أَرَى أَنَّ تَخْرُجَ وَيَخْرُجَ النَّاسُ مَعَكَ إِلَى قَبْرِ الْإِمَامِ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ

الْبُخَارِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ، وَقَبْرُهُ بِخَرْتَنَكِ، وَتَسْتَسْقُوا عِنْدَهُ، فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَسْقِينَا،

قَالَ: فَقَالَ الْقَاضِي: نَعَمْ مَا رَأَيْتُ، فَخَرَجَ الْقَاضِي، وَخَرَجَ النَّاسُ مَعَهُ،

وَاسْتَسْقَى الْقَاضِي بِالنَّاسِ، وَبَكَى النَّاسُ عِنْدَ الْقَبْرِ، وَتَشَفَّعُوا بِصَاحِبِهِ، فَأَرْسَلَ

اللَّهُ السَّمَاءَ بِمَاءٍ عَظِيمٍ غَزِيرٍ، أَقَامَ النَّاسُ مِنْ أَجْلِهِ بِخَرْتَنَكِ سَبْعَةَ أَيَّامٍ أَوْ نَحْوَهَا، لَا

يَسْتَطِيعُ أَحَدٌ الْوُضُوءَ إِلَى سَمَرْقَنْدٍ مِنْ كَثْرَةِ الْمَطَرِ وَغَزَارَتِهِ، وَبَيْنَ خَرْتَنَكِ

وَسَمَرْقَنْدٍ ثَلَاثَةُ أَمْيَالٍ أَوْ نَحْوَهَا.

”سمرقند میں ایک سال قح پڑا۔ لوگوں نے بہت دفعہ بارش طلبی کے لیے دعائیں

کس، لیکن بارش نہ ہوئی۔ ایک نیک آدمی جس کا ورع و تقویٰ مشہور تھا، وہ قاضی سمرقند کے پاس آیا اور کہنے لگا: میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے، میں وہ آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ قاضی نے کہا: وہ ترکیب کیا ہے؟ اس نے کہا: میرا خیال ہے کہ آپ اور تمام لوگ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے پاس جا کر بارش کی دُعا کریں۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بارش عطا فرمادے۔ امام صاحب کی قبر خرننگ نامی جگہ میں ہے۔ قاضی اور تمام لوگ باہر نکلے اور امام صاحب کی قبر کے پاس جا کر بارش کی دُعا کی، اللہ کے ہاں گڑ گڑائے اور امام صاحب کا وسیلہ پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ بارش نازل کی۔ اس بارش کی وجہ سے لوگوں کو خرننگ میں تقریباً سات دن ٹھہرنا پڑا۔ زیادہ بارش کی بنا پر کوئی بھی سمرقند نہ جاسکتا تھا۔ خرننگ اور سمرقند کے درمیان تقریباً تین میل کا فاصلہ تھا۔“

(الصلة فی تاریخ أئمة الأندلس لابن بشکوال، ص: 603، وسندہ صحیح)

تبصرہ: پانچویں صدی کے اواخر کے بعض لوگوں کا عمل دین کیسے بن گیا؟ ایک شخص کے کہنے پر بادشاہ اور اس کی رعایا کا یہ عمل قرآن و سنت اور سلف صالحین کے تعامل کے خلاف تھا۔ رہا بارش کا ہو جانا تو وہ ایک اتفاقی امر ہے۔ آج بھی کتنے ہی مشرکین قبر والوں سے اولادیں مانگتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں اولاد ملتی ہے تو وہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ صاحب قبر نے ان پر یہ عنایت کی ہے۔ کیا بتوں کے پجاریوں اور ان سے مانگنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز نہیں ملتی؟ اور کیا ان کی کوئی مراد پوری ہو جانا بت پرستی کے جواز کی دلیل ہے؟ قرآن و حدیث میں بزرگوں کی قبروں پر دُعا اور ان کے توسل کا کوئی جواز نہیں۔ اگر ایسا کرنا جائز ہوتا تو صحابہ و تابعین ضرور ایسا کرتے۔ خیر القرون کے بعد دین میں منکر کام داخل ہو گئے تھے، یہ بھی انہی کاموں میں سے ہے۔ اس دور میں کسی کے عمل کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔

قارئین کرام! یہ تھے ان لوگوں کے دلائل جو دُعا میں کسی مخلوق کی ذات یا فوت شدگان کے وسیلے کو مشروع اور جائز قرار دیتے ہیں۔ آپ نے ان کو بغور ملاحظہ فرمایا۔ ان روایات کی دو

قسمیں ہیں؛ اکثر تو ایسی ہیں جن میں فوت شدگان اور دیگر نیک ہستیوں کی ذات کے وسیلے کا تذکرہ تک نہیں لیکن بعض لوگ سلف صالحین کے فہم کولات مارتے ہوئے ان سے اپنے خود ساختہ وسیلے کے اثبات کے لیے کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ دوسری وہ روایات ہیں جن میں ذات کے وسیلے کا تذکرہ تو ہے لیکن وہ موضوع، من گھڑت اور ضعیف و ناقابل حجت ہیں۔ ایسی روایات پر اعتماد کرنا اہل سنت والجماعت ہونے کے دعویداروں کو بالکل زیب نہیں دیتا۔ دین سند کا نام ہے۔ اگر ایک بھی صحیح سند رسول اکرم ﷺ تک پہنچ جائے تو شرعی امر کا اثبات ہو جاتا ہے، لیکن اگر کوئی صحیح سند مل سکے تو لاکھوں موضوع، من گھڑت اور ضعیف روایات بھی مل کر کسی چیز کو مشروع قرار نہیں دے سکتیں۔

امام بریلویت جناب احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں: ”ضعیف حدیثیں کسی غیر ثابت چیز کو ثابت نہیں کرتیں۔“ (فتاویٰ رضویہ: 29/ 726)

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!



آدم علیہ السلام کا وسیلہ

ابوعبداللہ صارم

سیدنا آدم وحواء علیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کے ایک درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا تھا۔ شیطان کے بہکاوے میں آ کر دونوں نے وہ پھل کھا لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوا اور انہیں جنت سے نکال دیا۔ دونوں اپنے اس کیسے پر بہت نادم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کو ان پر ترس آیا اور انہیں وہ کلمات سکھا دیے جنہیں پڑھنے پر ان کی توبہ قبول ہوئی۔

فرمان الہی ہے: ﴿فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ (البقرة: 2:37)

”آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔“
یہ کلمات کیا تھے؟ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کو بیان فرما دیا ہے:

﴿قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ

الْمُخْسِرِينَ﴾ (الأعراف: 23)

”ان دونوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے ہیں۔ اگر تُو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں میں شامل ہو جائیں گے۔“
یعنی آدم وحواء علیہما السلام نے اللہ تعالیٰ کو اس کی صفت مغفرت ورحمت کا واسطہ دیا۔

یہ تو تھا قرآن کریم کا بیان۔ لیکن بعض لوگ اس قرآنی بیان کے خلاف جھوٹے، بدکردار، بد عقیدہ، بد دین اور نامعلوم و مجہول لوگوں کی بیان کردہ نامعقول اور باہم متصادم داستانیں بیان کرتے اور ان پر اپنے عقیدے کی بنیاد رکھتے نظر آتے ہیں۔ کسی داستان میں بتایا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو محمد ﷺ کا وسیلہ دیا، کسی میں ہے کہ انہوں نے محمد ﷺ اور آل محمد کا واسطہ دیا اور کسی میں مذکور ہے کہ ان کو سیدنا علی و سیدہ فاطمہ، سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم کے طفیل

معانی ملی۔

یہ نبی اکرم ﷺ اور ان کے اہل بیت کی شان میں غلو ہے، جو کہ سخت منع ہے۔ یہی بات نصاریٰ، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ آدم علیہ السلام کی غلطی عیسیٰ علیہ السلام کے طفیل معاف ہوئی۔ علامہ ابوالفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی (م: 548ھ) نصاریٰ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَالْمَسِيحُ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَرَجَتُهُ فَوْقَ ذَلِكَ، لِأَنَّهُ الْإِبْنُ الْوَحِيدُ، فَلَا نَظِيرَ لَهُ، وَلَا قِيَاسَ لَهُ إِلَى غَيْرِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، وَهُوَ الَّذِي بِهِ عُفِرَتْ زَلَّةَ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ. ”مسیح علیہ السلام کا مقام و مرتبہ اس سے بہت بلند ہے، کیونکہ وہ اکلوتے بیٹے ہیں۔ ان کی کوئی مثال نہیں، نہ انہیں دیگر انبیائے کرام پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ انہی کی بدولت آدم علیہ السلام کی خطا معاف ہوئی تھی۔“ (الملل والنحل: 2/62، وفي نسخة: 1/524)

ہماری سب لوگوں سے ناصحانہ اپیل ہے کہ وہ ان روایات کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں اور پھر فیصلہ کریں کہ کیا قرآن کریم کے خلاف ان پر اعتماد کرنا کسی مسلمان کو زیب دیتا ہے؟

دلیل نمبر ①: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: لَمَّا أَذْنَبَ آدَمُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذَّنْبَ الَّذِي أَذْنَبَهُ، رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى الْعَرْشِ، فَقَالَ: أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ، إِلَّا عَفَرْتَ لِي، فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ، وَمَا مُحَمَّدٌ، وَمَنْ مُحَمَّدٌ؟ فَقَالَ: تَبَارَكَ اسْمُكَ، لَمَّا خَلَقْتَنِي رَفَعْتُ رَأْسِي إِلَى عَرْشِكَ، فَإِذَا فِيهِ مَكْتُوبٌ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، فَعَلِمْتُ أَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ أَعْظَمَ عِنْدَكَ قَدْرًا مِمَّنْ جَعَلْتَ اسْمَهُ مَعَ اسْمِكَ، فَأَوْحَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَيْهِ: يَا آدَمُ! إِنَّهُ أَخْرَجَ النَّبِيِّينَ مِنْ دُرِّيَّتِكَ، وَإِنَّ أُمَّتَهُ

اٰخِرُ الْاُمَّمِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ، وَلَوْلَا هِيَ اٰدَمُ مَا خَلَقْتُكَ.

”جب آدم ﷺ سے خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور عرض گزار ہوئے: (اے اللہ!) میں بحق محمد تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی: محمد کون ہیں؟ سیدنا آدم نے عرض کی: (اے اللہ!) تیرا نام پاک ہے۔ جب تو نے مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے اپنا سر تیرے عرش کی طرف اٹھایا تھا۔ وہاں میں نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا دیکھا، لہذا میں جان گیا کہ یہ ضرور کوئی بڑی ہستی ہے، جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ اے آدم! وہ (محمد ﷺ) تیری نسل میں سے آخری نبی ہیں اور ان کی امت بھی تیری نسل میں سے آخری امت ہوگی اور اگر وہ (ﷺ) نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا۔“

(المعجم الصغير للطبراني: 2/182، ح: 992، وفي نسخة: 2/82، المعجم الأوسط

للطبراني: 6502)

تبصرہ: اگر یہ روایت ثابت ہوتی تو واقعی نیک لوگوں کی ذات اور شخصیت کے وسیلے پر دلیل بنتی اور فوت شدگان اولیا و صالحین کا وسیلہ بالکل مشروع ہو جاتا لیکن کیا کریں کہ یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے، اسی لیے بعض لوگوں کے حصے میں آگئی ہے۔

① اس میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم راوی جمہور کے نزدیک ”ضعیف و

متروک“ ہے، حافظ ابن ملقن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: قَالَ الدَّهَبِيُّ: ضَعْفُهُ الْجُمْهُورُ.

”علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔“

(البدر المنير: 1/449)

حافظ بیہمی لکھتے ہیں: وَالْاَكْثَرُ عَلٰی تَضْعِيفِهِ.

”جمہور اس کو ضعیف کہتے ہیں۔“ (مجمع الزوائد: 2/21)

حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعْفُهُ الْجُمْهُورُ.

”اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (خلاصة البدر المنير: 1/11)

اسے امام احمد بن حنبل، امام علی بن المدینی، امام بخاری، امام یحییٰ بن معین، امام نسائی، امام دارقطنی، امام ابو حاتم الرازی، امام ابو زرعہ الرازی، امام ابن سعد، امام ابن خزیمہ، امام ترمذی، امام ابن حبان، امام ساجی، امام طحاوی حنفی، امام جوزجانی رحمہم اللہ وغیرہم نے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔
امام بزار رحمہ اللہ (م 292 ھ) فرماتے ہیں:

وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدٍ، قَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ بِالتَّقْلِ عَلَى تَضْعِيفِ أَحْبَارِهِ
الَّتِي رَوَاهَا.....

”فن حدیث کے ماہر ائمہ کا عبد الرحمن بن زید کی بیان کردہ روایات کو ضعیف قرار دینے پر اتفاق ہے۔“ (مسند البزار: 8763)

حافظ ابن الجوزی کہتے ہیں: أَجْمَعُوا عَلَيَّ ضَعْفِهِ.

”اس کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔“

(تہذیب التہذیب لابن حجر: 6/179، 178)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م 728 ھ) فرماتے ہیں:

ضَعِيفٌ بِاتِّفَاقِهِمْ، يَغْلِطُ كَثِيرًا.

”باتفاق محدثین ضعیف ہے، بہت زیادہ غلطیاں کرتا ہے۔“ (التوسل والوسيلة: 167)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

عَبْدُ الرَّحْمَنِ، مُتَّفَقٌ عَلَيَّ تَضْعِيفِهِ.

”عبد الرحمن بن زید کو ضعیف قرار دینے پر اہل علم کا اجماع ہے۔“

(اتحاف المهرة: 12/97، ح: 15163)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رَوَى عَنْ أَبِيهِ أَحَادِيثَ مَوْضُوعَةً.

”اس نے اپنے باپ سے منسوب کر کے موضوع (من گھڑت) احادیث روایت کی ہیں۔

(المدخل الی کتاب الاکلیل: 154)

امام ابو نعیم الاصبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حَدَّثَ عَنْ أَبِيهِ، لَا شَيْعًا.

”اس نے اپنے والد سے روایات بیان کی ہیں۔ یہ چنداں قابل اعتبار نہیں۔“

(الضعفاء: 122)

عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے یہ حدیث بھی چونکہ اپنے باپ ہی سے روایت کی ہے، لہذا

یہ بھی موضوع (من گھڑت) ہے۔

② امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ محمد بن داؤد بن عثمان صدنی مصری کی توثیق مطلوب ہے۔

③ اس کے راوی احمد بن سعید مدنی فہری کی بھی توثیق چاہیے۔

دلیل نمبر ②: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں

نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دعائیہ کلمات کے بارے میں پوچھا، جو سیدنا آدم علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے عطا فرمائے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَأَلَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَعَلِيِّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ، إِلَّا تُبَّتْ عَلَيَّ،

فَتَابَ عَلَيَّهِ. ”آدم علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور علی، فاطمہ، حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے وسیلے سے

دُعا کر کے اللہ سے عرض کی کہ میری توبہ قبول کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کر

لی۔“ (الموضوعات لابن الجوزي: 1/398، الفوائد المجموعه في الأحاديث الموضوعه للشوكاني،

ص: 394، 395)

تبصرہ: یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے اور عمرو بن ثابت بن ہرمز

ابو ثابت کوئی راوی کی گھڑنت ہے۔ یہ راوی کسی صورت میں قابل اعتبار نہیں ہو سکتا، جیسا کہ:

① علی بن شقیق کہتے ہیں:

سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الْمُبَارَكِ، يَقُولُ عَلَى رُؤُوسِ النَّاسِ: دَعُوا حَدِيثَ عَمْرِو بْنِ ثَابِتٍ، فَإِنَّهُ كَانَ يَسُبُّ السَّلْفَ.

”میں نے امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کو سرعام یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عمرو بن ثابت کی بیان کردہ روایات کو چھوڑ دو، کیونکہ وہ اسلاف امت کو گالیاں بکتا تھا۔“

(مقدمة صحيح مسلم، ص: 11، طبع دار السلام)

② امام یحییٰ بن معین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ بِثِقَّةٍ وَلَا مَأْمُونٍ. ”یہ قابل اعتبار راوی نہیں۔“

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 223/6، وسنده حسن)

نیز انہوں نے اسے ”ضعیف“ بھی کہا ہے۔ (تاریخ یحییٰ بن معین: 1624)

③ امام بخاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لَيْسَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَهُمْ.

”یہ راوی محدثین کرام کے نزدیک قابل اعتبار نہیں۔“ (كتاب الضعفاء، ص: 87)

④ امام دارقطنی رضی اللہ عنہ نے بھی اسے ضعیف و متروک راویوں میں شمار کیا ہے۔

(كتاب الضعفاء والمتروكين: 401)

⑤ امام ابو حاتم رازی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفُ الْحَدِيثِ، يُكْتَبُ حَدِيثُهُ، كَانَ رَدِيئَ الرَّأْيِ، شَدِيدَ التَّشْيِيعِ.

”اس کی حدیث ضعیف ہے، اسے (متابعات و شواہد میں) لکھا جا سکتا ہے۔ یہ بُرے

عقائد کا حامل کٹر شیعہ تھا۔“ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 233/6)

⑥ امام ابو زرعد رازی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ضَعِيفُ الْحَدِيثِ.

”اس کی حدیث ضعیف ہے۔“ (الجرح والتعديل: 323/6)

④ امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے ”متروک الحدیث“ قرار دیا ہے۔

(کتاب الضعفاء والمتروکین: 45)

⑤ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ مِمَّنْ يَزِيْرُ وَيُؤْمِرُ صُوعَاتٍ، لَا يَحِلُّ ذِكْرُهُ إِلَّا عَلَى سَبِيلِ الْإِعْتِبَارِ.

”یہ من گھڑت روایات بیان کرتا تھا۔ اس کی حدیث کو صرف (متابعات و شواہد) میں ذکر

کرنا جائز ہے۔“ (کتاب المجروحین: 2/76)

⑥ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَالصَّغْفُ عَلَى رِوَايَاتِهِ بَيِّنٌ.

”اس کی روایات میں کمزوری واضح ہے۔“ (الکامل فی ضعف الرجال: 5/132)

یہ جھوٹی روایت قرآن کریم کے بھی خلاف ہے۔ (دیکھیں: سورة الاعراف: 7/23)

دلیل نمبر ③: ایک اور جھوٹی روایت ملاحظہ فرمائیں:

وَقَدْ رَوَاهُ أَبُو الْحُسَيْنِ بْنُ بِشْرَانَ، وَ مِنْ طَرِيقِهِ الشَّيْخُ أَبِي الْفَرَجِ ابْنِ الْجَوَزِيِّ فِي (الْوَفَائِفِ بِضَائِلِ الْمُصْطَفَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: 1/33): حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ صَالِحٍ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ صَالِحٍ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانِ الْعَوْفِيِّ، ثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ يَزِيدَ بْنِ مَيْسَرَةَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سُفْيَانَ، عَنْ مَيْسَرَةَ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَتَى كُنْتُ نَبِيًّا؟ قَالَ: لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ الْأَرْضَ وَاسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ، وَخَلَقَ الْعَرْشَ، كَتَبَ عَلَى سَاقِ الْعَرْشِ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ، وَخَلَقَ اللَّهُ الْجَنَّةَ الَّتِي أَسْكَنَهَا آدَمُ وَحَوَّاءُ، فَكَتَبَ اسْمِي عَلَى الْأَبْوَابِ وَالْأَوْرَاقِ وَالْقُبَابِ وَالْحِيَامِ، وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ، فَلَمَّا أَحْيَاهُ اللَّهُ تَعَالَى، نَظَرَ إِلَى الْعَرْشِ،

فَرَأَى اسْمِي، فَخَبَّرَهُ اللَّهُ أَنَّهُ سَيِّدُ وُلْدِكَ، فَلَمَّا عَرَّهُمَا الشَّيْطَانُ تَابَا وَاسْتَشْفَعَا بِاسْمِي إِلَيْهِ.

”میسرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اللہ کے رسول! آپ کب رسول بنے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا، آسمانوں کا قصد کیا اور ان کو سات آسمان بنایا اور عرش کو پیدا کیا تو عرش کے ایک پائے پر یہ لکھ دیا: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ، خَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ، پھر جنت کو پیدا کیا جس میں آدم و حوا ﷺ کو ٹھہرایا جانا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کے دروازوں، پتوں، خیموں وغیرہ پر میرا نام لکھ دیا۔ اس وقت آدم ﷺ کے روح اور جسم کا ملاپ نہیں ہوا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو زندگی بخشی تو انہوں نے عرش پر میرا نام دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ میں ان کی اولاد کا سردار ہوں۔ جب شیطان نے آدم و حوا ﷺ کو اور غلایا تو انہوں نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ کو میرے نام کا واسطہ دیا۔۔۔“

(مصباح الظلام في المستغيبين بخير الأنام في اليقظة والمنام، ص: 26، مجموع الفتاوى لابن تيمية: 150/2)

تبصرہ: یہ جھوٹی اور منکر روایت ہے۔ اس کے راوی محمد بن صالح کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔ یہ اسی کی کارروائی ہے کیونکہ باقی سارے راوی ثقہ ہیں۔ جو شخص اس روایت کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرے، اس پر ضروری ہے کہ محمد بن صالح کی توثیق ثابت کرے۔ لہذا محمد بن یوسف صالحی شامی (م: 942ھ) کا اس روایت کی سند کو ”جید“ کہنا (سبل الہدی والرشاد فی سیرة خیر العباد: 1/86) صحیح نہیں۔

دلیل نمبر ④: اسی معنی و مفہوم کی ایک روایت درج ذیل ہے:

أَبَانَا أَبُو أَحْمَدَ هَارُونَ بْنُ يُونُسَ (بْنِ هَارُونَ) بْنِ زِيَادِ التَّاجِرِ قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مَرْوَانَ الْعُثْمَانِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي عُثْمَانُ بْنُ خَالِدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي

الزِّنَادِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: مِنْ الْكَلِمَاتِ الَّتِي تَابَ اللَّهُ بِهَا عَلَى آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، قَالَ: اللَّهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكَ، قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: يَا آدَمُ! وَمَا يُدْرِيكَ بِمُحَمَّدٍ؟ قَالَ: يَا رَبِّ، رَفَعْتُ رَأْسِي، فَرَأَيْتُ مَكْتُوبًا عَلَى عَرْشِكَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، فَعَلِمْتُ أَنَّهُ أَكْرَمُ خَلْقِكَ عَلَيَّكَ .

”عبد الرحمن بن ابی الزناد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ جن کلمات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی، ان میں سے یہ بھی ہیں: اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا جو حق تجھ پر ہے، میں اس کے واسطے سے سوال کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کیا علم؟ آدم علیہ السلام نے عرض کی: میرے رب! میں نے اپنا سراٹھایا تو تیرے عرش پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ لکھا تھا۔ یوں میں جان گیا کہ آپ تیرے نزدیک سب سے معزز مخلوق ہیں۔“ (الشریعة للاجری: 2/246، ح: 1006)

تبصرہ: یہ ابو الزناد عبد اللہ بن ذکوان تابعی کی طرف جھوٹا منسوب کیا گیا قول ہے، کیونکہ:

① اس کے راوی ابو مروان محمد بن عثمان عثمانی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَثَّقَهُ أَبُو حَاتِمٍ، وَلَهُ عَنْ أَبِيهِ مَنَاكِيْرٌ .
”اسے امام ابو حاتم نے اگرچہ ثقہ قرار دیا ہے، لیکن اس کی اپنے والد سے روایات منکر ہیں۔“ (المغنی فی الضعفاء: 5808)

یہ قول بھی اس نے اپنے والد ہی سے بیان کیا ہے۔

② اس کا والد عثمان بن خالد ”متروک الحدیث“ راوی ہے۔

(تقریب التہذیب لابن حجر: 4464)

اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ”منکر الحدیث“ ہے۔

(التاريخ الكبير: 6/220)

نیز امام صاحب نے اسے ”ضعیف“ بھی کہا ہے۔

(الکامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: 5/175، وسنده صحيح)

امام ابو حاتم رازی رحمته اللہ بھی اسے ”منکر الحدیث“ کہتے ہیں۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 6/149)

امام ابن عدی رحمته اللہ فرماتے ہیں:

وَالْعُثْمَانُ غَيْرُ مَا ذَكَرْتُ، كُلُّهَا غَيْرُ مَحْفُوظَةٍ.

”میں نے جو روایات بیان کی ہیں، ان کے علاوہ بھی کچھ روایات عثمان نے بیان کی ہیں،

لیکن یہ ساری کی ساری شاذ ہیں۔“ (الکامل في ضعفاء الرجال: 5/176)

امام عقیلی رحمته اللہ فرماتے ہیں: **الْغَالِبُ عَلَى حَدِيثِهِ الْوَهْمُ.**

”اس کی بیان کردہ حدیثوں میں وہم بہت زیادہ ہوتا ہے۔“ (الضعفاء الكبير: 3/198)

امام ابن حبان رحمته اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ مِمَّنْ يَزْوِي الْمَقْلُوبَاتِ عَنِ الثَّقَاتِ، وَيَزْوِي عَنِ الْأَثْبَاتِ أَسَانِيدَ لَيْسَ

مِنْ مَرَوِيَاتِهِمْ، لِأَنَّهُ يُقَلِّبُ الْأَسَانِيدَ، لَا يَجِلُّ الْإِحْتِجَاجُ بِخَبْرِهِ.

”یہ ان لوگوں میں سے ہے جو ثقہ راویوں سے نقل کرتے وقت روایات کو الٹ پلٹ کر

دیتے ہیں اور معتبر ترین راویوں سے ایسی سندیں بیان کرتے ہیں جو انہوں نے کبھی ذکر ہی نہیں

کی ہوتیں۔ یہ سندوں کو خلط ملط کر دیتا ہے۔ اس کی بیان کردہ روایت سے دلیل لینا حرام ہے۔“

(كتاب المجروحين: 2/102)

امام حاکم رحمته اللہ فرماتے ہیں:

رَوَى عَنْ مَالِكٍ وَعَيْسَى بْنِ يُونُسَ وَغَيْرِهِمَا أَحَادِيثَ مَوْضُوعَةً.

”اس نے امام مالک، عیسیٰ بن یونس اور دیگر راویوں سے منسوب کر کے من گھڑت

روایات بیان کی ہیں۔“ (المدخل إلى الصحيح، ص: 166)

امام ابو نعیم اصہبانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

عَنْ مَالِكٍ وَعِيسَى وَغَيْرِهِمَا أَحَادِيثٌ مَوْضُوعَةٌ، لَا شَيْءَ .

”یہ امام مالک اور عیسیٰ وغیرہما کی طرف خود ساختہ روایات منسوب کرتا ہے۔ اس کا کوئی

اعتبار نہیں۔“ (کتاب الضعفاء: 157)

دلیل نمبر ⑤: امام محمد باقر بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَمَّا أَصَابَ آدَمُ الْخَطِيئَةَ عَظُمَ كَرْبُهُ وَاشْتَدَّ نَدْمُهُ، فَجَاءَهُ جِبْرِيلُ، فَقَالَ: يَا آدَمُ! هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى بَابٍ تَوْبَتِكَ الَّذِي يُتُوبُ اللَّهُ عَلَيْكَ مِنْهُ، قَالَ: بَلَى يَا جِبْرِيلُ! قَالَ: قُمْ فِي مَقَامِكَ الَّذِي تُنَاجِي فِيهِ رَبَّكَ، فَمَجِّدْهُ وَامْدَحْ، فَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنَ الْمَدْحِ، قَالَ: فَأَقُولُ مَاذَا يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: قُتِلَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ كُلُّهُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، ثُمَّ تَبَوَّأُ بِخَطِيئَتِكَ، فَتَقُولُ: سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَعَمِلْتُ السُّوءَ، فَاعْفُرْ لِي، إِنَّهُ لَا يَعْغُرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ اللَّهُ، إِنِّي أَسْأَلُكَ بِجَاهِ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ، وَكَرَامَتِهِ عَلَيْكَ أَنْ تَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي، قَالَ: فَفَعَلَ آدَمُ، فَقَالَ اللَّهُ: يَا آدَمُ! مَنْ عَلَّمَكَ هَذَا، فَقَالَ: يَا رَبِّ! إِنَّكَ لَمَّا نَفَخْتَ فِيَّ الرُّوحَ، فَقُمْتُ بَشَرًا سَوِيًّا، أَسْمَعُ وَأَبْصُرُ وَأَعْقِلُ وَأَنْظُرُ، رَأَيْتُ عَلَى سَاقِ عَزْرَشِكَ مَكْتُوبًا: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، فَلَمَّا لَمْ أَرَ

أَثَرِ اسْمِكَ اسْمَ مَلِكٍ مُفَرَّبٍ، وَلَا نَبِيٍّ مُرْسَلٍ غَيْرِ اسْمِهِ، عَلِمْتُ أَنَّهُ أَكْرَمُ خَلْقِكَ عَلَيْكَ، قَالَ: صَدَقْتَ، وَقَدْ ثَبُتَ عَلَيْكَ وَعَفَرْتُ لَكَ خَطِيئَتَكَ، قَالَ: فَحَمِدَ آدَمُ رَبَّهُ وَشَكَرَهُ، وَانْصَرَفَ بِأَعْظَمِ سُرُورٍ، وَلَمْ يَنْصَرِفْ بِهِ عَبْدٌ مِنْ عِنْدِ رَبِّهِ، وَكَانَ لِبَاشِ آدَمَ النَّوْرِ، قَالَ اللَّهُ: ﴿يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا﴾ ثِيَابَ النَّوْرِ، قَالَ: فَجَاءَتْهُ الْمَلَائِكَةُ أَفْوَاجًا تَهْنِئُتُهُ، يَقُولُونَ: لَتَهْنِكَ تَوْبَةُ اللَّهِ يَا أَبَا مُحَمَّدٍ!

”جب آدم ﷺ خطا کر بیٹھے تو انہیں سخت غم پہنچا اور بہت نادم ہوئے۔ ان کے پاس جبریل ﷺ آئے اور کہا: آدم! کیا میں آپ کو ایسا طریقہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمادیں؟ آدم ﷺ نے کہا: کیوں نہیں، ضرور بتائیے۔ جبریل ﷺ نے کہا: اس جگہ کھڑے ہو جائیے جہاں پر آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ اللہ کی تعریف و ثنا کیجیے۔ تعریف سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز محبوب نہیں۔ آدم ﷺ کہنے لگے: میں کیا کہوں؟ جبریل ﷺ نے بتایا کہ آپ یہ کلمات پڑھیں: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ كُلُّهُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، پھر اپنے گناہوں کا اعتراف کریں اور کہیں: اے اللہ تو اپنی تعریف کے ساتھ پاک ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، اے اللہ! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور گناہ کا ارتکاب کیا ہے، مجھے معاف فرما دے، تیرے سوا کوئی معاف کرنے والا نہیں۔ میں تجھ سے تیرے بندے محمد (ﷺ) کی عزت و تکریم کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں کہ میرا گناہ معاف فرما دے۔ آدم ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آدم! تمہیں یہ طریقہ کس نے سکھایا؟ آدم ﷺ نے عرض کی: میرے رب! جب تو نے مجھ میں روح پھونکی اور میں سننے، دیکھنے اور سوچنے، سمجھنے والا کامل انسان بن گیا تو میں نے تیرے عرش کے پائے پر یہ لکھا ہوا دیکھا: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ

لَا شَرِيكَ لَهُ، مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ فِي مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْمِيزَانِ، تَبِعْتَهُ نَارًا يُحْرَقُ فِيهَا مَنْ كَفَرَ بِهِ، وَأَنْتَ يَوْمَئِذٍ الْمُبِينُ۔ اس سے مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ تیری مخلوق میں سے سب سے محبوب و معزز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو نے سچ کہا، میں نے تیرا گناہ معاف کر دیا۔ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور اس کا شکر یہ ادا کیا، پھر بہت خوشی خوشی واپس پلٹ آئے۔ ان کلمات کے ساتھ دعا کر کے کوئی بندہ اپنے رب سے خالی ہاتھ نہیں لوٹا۔ آدم علیہ السلام کا لباس نور کا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے کہ شیطان نے ان کا لباس اتروا دیا، تو اس سے مراد نور کا لباس ہی ہے۔ پھر فرشتے گروہ درگروہ آدم علیہ السلام کو مبارک دینے آتے اور کہتے: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ! آپ کو توبہ مبارک ہو۔“ (الدر المنثور للسيوطي: 1/60)

تبصرہ: یہ قول بلا سند ہونے کی بنا پر باطل اور مردود ہے۔ جو لوگ اسے پیش کرتے ہیں، انہیں چاہیے کہ اس قول کی کوئی ایسی سند ڈھونڈ کر لائیں جو امام باقر تک پہنچتی ہو۔ ورنہ وہ بتائیں کہ ایسی بے سرو پا روایات پیش کر کے وہ کس دین کی خدمت کرتے ہیں؟

دلیل نمبر ⑥: کعب احبار تابعی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَنْزَلَ عَلَى آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَصِيًّا بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ الْمُرْسَلِينَ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى ابْنِهِ شِيثَ، فَقَالَ: أَيُّ بُنْيَا! أَنْتَ خَلِيفَتِي مِنْ بَعْدِي، فَخُذْهَا بِعِمَارَةِ النَّقْوَى وَالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى، وَكُلَّمَا ذَكَرْتَ اللَّهَ تَعَالَى فَادْكُرْ إِلَى جَنْبِهِ اسْمَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنِّي رَأَيْتُ اسْمَهُ مَكْتُوبًا عَلَى سَاقِ الْعَرْشِ، وَأَنَا بَيْنَ الرُّوحِ وَالطِّينِ، ثُمَّ إِنِّي طُفْتُ السَّمَوَاتِ، فَلَمْ أَرَفِي السَّمَاءِ مَوْضِعًا إِلَّا رَأَيْتُ اسْمَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكْتُوبًا عَلَيْهِ، وَإِنَّ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ أَسْكَنَنِي الْجَنَّةَ، فَلَمْ أَرَفِي الْجَنَّةَ قَصْرًا أَوْ لَا عُرْفَةً إِلَّا رَأَيْتُ اسْمَ مُحَمَّدٍ مَكْتُوبًا عَلَيْهِ، وَلَقَدْ رَأَيْتُ اسْمَ مُحَمَّدٍ

مَكْتُوبًا عَلَى نُحُورِ الْحُورِ الْعَيْنِ، وَعَلَى وَرَقِ قَصَبِ آجَامِ الْجَنَّةِ، وَعَلَى وَرَقِ شَجَرَةِ طُوبَى، وَعَلَى وَرَقِ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَى، وَعَلَى أَطْرَافِ الْحُجُبِ، وَبَيْنَ أَعْيُنِ الْمَلَائِكَةِ، فَكَثُرَ ذِكْرُهُ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَذْكُرُهُ فِي كُلِّ سَاعَاتِهَا، صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

”اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر تمام انبیاء مرسلین کی تعداد کے برابر لائٹیاں نازل فرمائیں۔ پھر وہ اپنے بیٹے شیث کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میرے بیٹے! میرے بعد تو میرا خلیفہ ہے۔ ان کو تقویٰ اور عروہ و فقیہ کے ذریعے پکڑ لے۔ جب بھی تو اللہ تعالیٰ کو ذکر کرے تو ساتھ محمد ﷺ کا نام بھی لینا۔ میں نے اس وقت عرش کے پائے پر ان کا نام لکھا دیکھا تھا جب میں روح اور مٹی کے درمیان تھا۔ پھر میں نے آسمانوں کا چکر لگایا تو ایسی کوئی جگہ نہ تھی جہاں محمد ﷺ کا نام نہ لکھا ہو۔ میرے رب نے مجھے جنت میں بسایا تو میں نے جنت میں کوئی محل یا کوئی کمرہ نہیں دیکھا جہاں محمد ﷺ کا نام نہ لکھا ہو۔ میں نے محمد ﷺ کا نام جنت کی حوروں کے سینوں پر لکھا دیکھا، جنت کے محلات کی اینٹوں پر، طوبیٰ کے درختوں کے پتوں پر، سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر، نور کے پردوں کے اطراف پر اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان اسے لکھا دیکھا۔ تو ان کا ذکر کثرت سے کیا کر، کیونکہ فرشتے ہر وقت آپ ﷺ کا ذکر کرتے ہیں۔“

(الدياج للختلي: 112، تاريخ دمشق لابن عساكر: 281/23)

تبصرہ:

یہ سفید جھوٹ ہے، کیونکہ:

- ① محمد بن خالد دمشقی ہاشمی راوی کے بارے میں امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: كَانَ يَكْذِبُ. ”یہ جھوٹ بولتا تھا۔“ (الجرح والتعديل: 244/7)
- ② شرح بن عبید نے کعب احبار کا زمانہ نہیں پایا۔ حافظ مزنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَلَمْ يُدْرِكْهُ. ”شرح نے کعب کا زمانہ نہیں پایا۔“ (تهذيب الكمال: 325,324/8)

③ محمد بن زفر اصہبانی کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔

④ زکریا بن یحییٰ مدائنی کے بارے میں حافظ بیہمی فرماتے ہیں: وَلَمْ أَعْرِفْهُ.

”میں اسے پہچان نہیں پایا۔“ (مجمع الزوائد: 10/125، 126)

⑤ صاحبِ کتاب اسحاق بن ابراہیم ختلی کے بارے میں امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں: لَيْسَ بِالْقَوِيِّ. ”یہ قوی نہیں۔“ (سؤالات الحاکم: 58)

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ (سؤالات الحاکم: 58)

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وَفِي كِتَابِهِ (الدِّيْبَاجِ) أَشْيَاءٌ مُنْكَرَةٌ.

”اس کی کتاب دیباچ میں بہت سی منکر روایات موجود ہیں۔“ (سیر أعلام النبلاء: 13/343)

دلیل نمبر ⑦: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

يَا مُوسَى! إِنَّ مَنْ لَقِينِي، وَهُوَ جَا حِدٌ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدْخَلْتُهُ
النَّارَ، فَقَالَ: مَنْ مُحَمَّدٌ؟ قَالَ: يَا مُوسَى! وَعِزَّتِي وَجَلَالِي، مَا خَلَقْتُ خَلْقًا أَكْرَمَ
عَلَيَّ مِنْهُ، كَتَبْتُ اسْمَهُ مَعَ اسْمِي فِي الْعَرْشِ قَبْلَ أَنْ أَخْلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ،
وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ، بِالْقِيَامِ.

”اے موسیٰ! جو شخص میرے دربار میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے آئے گا، اسے میں جہنم

میں ڈالوں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: محمد کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: موسیٰ! مجھے اپنی عزت اور

اپنے جلال کی قسم! میں نے ان سے زیادہ معزز کوئی مخلوق پیدا نہیں کی۔ میں نے ان کا نام اپنے

نام کے ساتھ اپنے عرش پر زمین و آسمان اور سورج و چاند کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے لکھ

دیا تھا۔“ (میزان الاعتدال للذہبی: 2/160، سبل الہدی والرشاد للصالحی: 1/85)

تبصرہ:

اس کی سند جھوٹی ہے، کیونکہ:

① اس کے راوی سعید بن موسیٰ ازدی کو امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ”متہم بالوضع“

قرار دیا ہے۔ (کتاب المجروحین: 1/326)

اس کے بارے میں توثیق کا ادنیٰ کلمہ بھی ثابت نہیں۔

② ابویوب سلیمان بن سلمہ خبازی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَهُوَ سَاقِطٌ. ”یہ سخت ضعیف راوی ہے۔“ (میزان الاعتدال: 2/160)

یہ ”متروک“ اور کذاب راوی ہے۔

③ اس میں امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی ”تدلیس“ بھی موجود ہے، انہوں نے سماع کی

تصریح نہیں کی۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”موضوع“ یعنی من گھڑت قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال: 2/160)

دلیل نمبر ⑧: جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابوطالب بیان

کرتے ہیں کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے یہ دُعا کی تھی:

رَبِّ! ظَلَمْتُ نَفْسِي، فَأَعْفِرْ لِي وَارْحَمْنِي، إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ عَيْرُكَ،

فَأَوْحَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَيْهِ: يَا آدَمُ! وَمِنْ أَيْنَ عَرَفْتَ ذَلِكَ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ، وَلَمْ أَحْلُقْهُ

بَعْدُ؟ فَقَالَ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: إِنِّي رَأَيْتُ عَلَى الْعَرْشِ مَكْتُوبًا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ

رَسُولُ اللَّهِ، فَعَلِمْتُ أَنَّ ذَلِكَ النَّبِيِّ مِنْ صُلْبِي، فَبِحَقِّ ذَلِكَ النَّبِيِّ، إِلَّا مَا

أَطَعَمْتَنِي، فَأَوْحَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَيَّ جِبْرَائِيلُ أَنَّ اهْبِطْ إِلَى عَبْدِي، فَهَبْطَ عَلَيْهِ

جِبْرَائِيلُ صَلَّى اللَّهُ عَلَى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهَبْطَ مَعَهُ بِسَبْعِ حَبَّاتٍ مِنْ حِنْطَةٍ،

فَوَضَعَهَا عَلَى يَدَيَّ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ.

”میرے رب! میں اپنی جان پر ظلم کر بیٹھا ہوں، تو مجھے معاف فرمادے اور میرے حال پر رحم کر، تیرے سوا تیرے بندے کے گناہ کوئی معاف نہیں کر سکتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ اے آدم! تو نے اس اُمی نبی کو کیسے پہچانا، حالانکہ میں نے ابھی اسے پیدا ہی نہیں کیا؟ اس پر آدم علیہ السلام نے عرض کیا: میں نے عرش پر یہ لکھا ہوا دیکھا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ، چنانچہ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ نبی میری اولاد میں سے ہوگا۔ اس نبی کے طفیل مجھے کھانا دے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ میرے بندے کی طرف اُترو۔ جبرئیل علیہ السلام اترے اور ان کے ساتھ گندم کے سات دانے تھے۔ انہوں نے وہ دانے آدم علیہ السلام کے ہاتھوں پر رکھ دیئے۔“ (العظمة لأبي الشيخ الأصبهاني: 5/1598, 1597، ح: 1063)

تبصرہ:

یہ جھوٹ کا پلندہ ہے، کیونکہ:

① ابو یعقوب یوسف بن دودان کون ہے؟ معلوم نہیں ہو سکا۔

② محمد بن یوسف تمیمی کے حالات نہیں مل سکے۔

③ محمد بن جعفر بن محمد بن علی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”اس کے بارے میں جرح کی گئی ہے۔“ (میزان الاعتدال: 3/500)

حافظ موصوف نے اس کی ایک روایت کو باطل بھی کہا ہے۔ (تلخیص المستدرک: 2/588)

لہذا یہ روایت قطعاً قابل حجت نہیں۔

دلیل نمبر ⑨:

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿فَتَلَقَىٰ آدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ﴾ (البقرة: 137)

(آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے) کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ أَهْبَطَ آدَمَ بِالْهِنْدِ، وَحَوَّاءَ بِجَدَّةَ، وَإِبْلِيسَ بِمِيسَانَ، وَالْحَيَّةَ بِأَصْبَهَانَ،

وَكَانَ لِلْحَيَّةِ قَوَائِمٌ كَقَوَائِمِ الْبُعَيْرِ، وَمَكَثَ آدَمُ بِالْهِنْدِ مِائَةَ سَنَةٍ بَاكِيًا عَلَى خَطِيئَتِهِ،

حَتَّى بَعَثَ اللَّهُ تَعَالَى إِلَيْهِ جِبْرِيلَ، وَقَالَ: يَا آدَمُ! أَلَمْ أَخْلُقْكَ بِيَدِي؟ أَلَمْ أَنْفَخْ فِيكَ مِنْ رُوحِي؟ أَلَمْ أَسْجُدْ لَكَ مَلَائِكَتِي؟ أَلَمْ أَزُوجْكَ حَوَاءَ أُمَّتِي؟ قَالَ بَلَى، قَالَ: فَمَا هَذَا الْبُكَاءُ؟ قَالَ: وَمَا يَمْنَعُنِي مِنَ الْبُكَاءِ وَقَدْ أُخْرِجْتُ مِنْ جِوَارِ الرَّحْمَنِ، قَالَ: فَعَلَيْكَ بِهَذِهِ الْكَلِمَاتِ، فَإِنَّ اللَّهَ قَابِلٌ تَوْبَتِكَ وَعَافٍ ذَنْبِكَ، قُلْ: اللَّهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، سُبْحَانَكَ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، عَمِلْتُ سُوءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِي، فَتُبْ عَلَيَّ، إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ، اللَّهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، عَمِلْتُ سُوءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِي، فَتُبْ عَلَيَّ، إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ، فَهَوُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الَّذِي تَلْقَى آدَمَ.

”اللہ تعالیٰ نے آدم ﷺ کو ہندوستان میں، حواء علیہا السلام کو جدہ میں، ابلیس کو میسان میں اور سانپ کو اصہبان میں اتارا۔ سانپ کے چوپایوں کی طرح پائے تھے۔ آدم ﷺ سو سال تک اپنی غلطی پر روتے رہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس جبریل علیہ السلام کو بھیجا اور فرمایا: اے آدم! کیا میں نے تجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا؟ کیا میں نے تجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی؟ کیا میں نے فرشتوں سے تجھ کو سجدہ نہیں کرایا؟ کیا میں نے اپنی بندی حواء کے ساتھ تیری شادی نہیں کی؟ آدم ﷺ نے عرض کی: بالکل ایسا ہی ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر یہ رونا دھونا کیسا ہے؟ آدم ﷺ نے عرض کی: میں کیوں نہ روؤں کہ مجھے رحمن کے پڑوس سے نکال دیا گیا۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: یہ کلمات پڑھو تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کر کے تمہارا گناہ معاف فرمادے گا: اللَّهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، سُبْحَانَكَ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، عَمِلْتُ سُوءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِي، فَتُبْ عَلَيَّ، إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ، اللَّهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، عَمِلْتُ سُوءًا وَظَلَمْتُ نَفْسِي، فَتُبْ عَلَيَّ، إِنَّكَ

أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (اے اللہ! میں تجھ سے محمد ﷺ اور ان کی آل کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں۔ تو پاک ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے غلطی کی ہے اور اپنی جان پر ظلم کمایا ہے۔ تو میری توبہ قبول کر لے۔ یقیناً تو ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے)۔ یہی وہ کلمات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آدم ﷺ کو سکھائے تھے۔“

(فوائد أبي بكر الأبهري: 17، مسند الديلمي بحوالہ كنز العمال: 33457)

تبصرہ:

یہ جھوٹ کا پلندا ہے، کیونکہ:

① اس میں حماد بن عمرو نصیبی راوی اپنی طرف سے حدیثیں گھڑنے والا اور سخت

جھوٹا ہے۔

② سری بن خالد بن شداد عوفی راوی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے

ہیں کہ اس کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔ (میزان الاعتدال: 2/117)

حافظ سیوطی نے اس کی سند کو ”واہ“ (ضعیف) قرار دیا ہے۔

(الدر المنثور في التفسير بالمأثور: 1/147)

نیز یہ روایت قرآن کریم میں بیان کیے گئے کلمات کے خلاف بھی ہے۔

دلیل نمبر ⑩: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول

اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَمَّا نَزَلَتِ الْخَطِيئَةُ بِأَدَمَ وَأُخْرِجَ مِنْ جِوَارِبِ الْعَالَمِينَ أَتَاهُ جِبْرِيلُ، فَقَالَ:

يَا آدَمُ! اذْغُرْ بَكَ، قَالَ: يَا حَبِيبِي جِبْرِيلُ! وَبِمَا أَدْعُوا؟ قَالَ: قُلْ: يَا رَبِّ! أَسْأَلُكَ

بِحَقِّ خَمْسَةِ الَّذِينَ تُخْرِجُهُمْ مِنْ صُلْبِي آخِرَ الزَّمَانِ، إِلَّا تُبِتَ عَلَيَّ وَرَحْمَتِي،

فَقَالَ: حَبِيبِي جِبْرِيلُ! اسْمَحْهُمْ لِي، قَالَ: مُحَمَّدٌ النَّبِيُّ، وَعَلِيٌّ الْوَصِيُّ،

وَفَاطِمَةُ بِنْتُ عَلِيٍّ، وَالْحَسَنُ، وَالْحُسَيْنُ سِبْطِي النَّبِيِّ، فَدَعَا بِهِمْ، فَتَابَ اللَّهُ

عَلَيْهِ، وَذَلِكَ قَوْلُهُ: ﴿فَتَلَقَىٰ آدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾، وَمَا مِنْ عَبْدٍ يَتَدَعُو بِهَا إِلَّا اسْتَجَابَ اللَّهُ لَهُ.

”جب آدم ﷺ سے غلطی ہو گئی اور انہیں رب العالمین کے پڑوس سے نکال دیا گیا تو ان کے پاس جبریل ﷺ آئے اور کہنے لگے: اے آدم! اپنے رب سے دُعا کرو۔ آدم ﷺ نے کہا: کیسے؟ انہوں نے کہا: کہو کہ اے میرے رب! میں تجھ سے اُن پانچ لوگوں کے طفیل التجا کرتا ہوں جن کو تو میری نسل سے آخری زمانے میں پیدا کرنے والا ہے کہ تو میری توبہ قبول کر لے اور مجھ پر اپنی رحمت فرما۔ آدم ﷺ نے کہا: میرے دوست جبریل! مجھے ان پانچوں لوگوں کے بارے میں بتادے۔ جبریل ﷺ نے کہا: وہ نبی محمد ﷺ، ان کے وصیت یافتہ سیدنا علی، ان کی بیٹی سیدہ فاطمہ، سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان کلمات کے ساتھ آدم ﷺ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آدم ﷺ کو کلمے سکھانے کا جو ذکر کیا ہے، اس سے مراد یہی کلمات ہیں۔ جو بھی بندہ ان کلمات کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دُعا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی دُعا ضرور قبول فرمائے گا۔“

(شواہد التنزیل لقواعد التفضیل للحسکانی: 1/102)

تبصرہ: یہ سند بھی اندھیری ہے۔ احمد بن سلیمان کون ہے؟ اس کا تعین نہیں ہو سکا۔ اسی طرح ابو سہل واسطی کی تعین بھی نہیں ہوئی۔ روایت کا متن دیکھنے سے یہ دونوں جھوٹے اور رافضی معلوم ہوتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا اتفاقی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے باقی صحابہ سے چھپا کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو کوئی چیز عطا نہیں کی تھی، نہ ہی خلافت کے حوالے سے ان کے بارے میں وصیت کی تھی۔ یہ رافضیوں کا من گھڑت عقیدہ ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس خاص علم تھا اور رسول اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں خلافت کی وصیت کی تھی۔

نیز جن کلمات سے آدم ﷺ کی توبہ قبول ہوئی، وہ قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ ان میں کسی

مخلوق کے واسطے یا وسیلے کا کوئی ذکر نہیں۔

دلیل نمبر ①۱: سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول

اکرم ﷺ سے فرمان باری تعالیٰ: ﴿فَتَلَقَىٰ آدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

سَأَلَهُ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ، وَعَلِيِّ، وَفَاطِمَةَ، وَالْحَسَنِ، وَالْحُسَيْنِ.

”آدم ﷺ نے محمد ﷺ، علی، فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے واسطے سے دعا کی

تھی۔“ (مناقب علی لابن المغازلی: 89)

تبصرہ: یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

①) اس کا راوی عمرو بن ابی المقدام بن ثابت ”کذاب“ اور ”متروک“ ہے۔

①) علی بن شقیق کہتے ہیں:

سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الْمُبَارَكِ، يَقُولُ عَلَى رُؤُوسِ النَّاسِ: دَعُوا حَدِيثَ

عَمْرِو بْنِ ثَابِتٍ، فَإِنَّهُ كَانَ يَسْتُبُّ السَّلْفَ.

”میں نے امام عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کو سرعام یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عمرو بن ثابت کی

بیان کردہ روایات کو چھوڑ دو، کیونکہ وہ اسلاف امت کو گالیاں بکتا تھا۔“

(مقدمة صحيح مسلم، ص: 11، طبع دار السلام)

②) امام یحییٰ بن معین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ بِثِقَّةٍ وَلَا مَأْمُونٍ، لَا يُكْتَبُ حَدِيثُهُ.

”یہ قابل اعتبار راوی نہیں، اس کی حدیث لکھی ہی نہ جائے۔“

(الکامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: 5/121، وسنده حسن)

نیز انہوں نے اسے ”ضعیف“ بھی کہا ہے۔ (تاریخ یحییٰ بن معین: 1624)

③ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَيْسَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَهُمْ.

”یہ راوی محدثین کرام کے نزدیک قابل اعتبار نہیں۔“ (کتاب الضعفاء، ص: 87)

④ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی اسے ضعیف و متروک راویوں میں شمار کیا ہے۔

(کتاب الضعفاء والمتروکین: 401)

⑤ امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفُ الْحَدِيثِ، يُكْتَبُ حَدِيثُهُ، كَانَ رَدِيئَ الرَّأْيِ، شَدِيدَ التَّشْيِيعِ.

”اس کی حدیث ضعیف ہے، اسے (متابعات و شواہد میں) لکھا جا سکتا ہے۔ یہ بُرے

عقائد کا حامل کٹر شیعہ تھا۔“ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 233/6)

⑥ امام ابو زرعد رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعِيفُ الْحَدِيثِ.

”اس کی حدیث ضعیف ہے۔“ (الجرح والتعديل: 323/6)

④ امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے ”متروک الحدیث“ قرار دیا ہے۔

(کتاب الضعفاء والمتروکین: 45)

⑧ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ مِمَّنْ يَزْوِي الْمَوْضُوعَاتِ، لَا يَحِلُّ ذِكْرُهُ إِلَّا عَلَى سَبِيلِ الْإِعْتِبَارِ.

”یہ من گھڑت روایات بیان کرتا تھا۔ اس کی حدیث کو صرف (متابعات و شواہد) میں ذکر

کرنا جائز ہے۔“ (کتاب المعروحين: 76/2)

⑨ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَالضَّعْفُ عَلَى رِوَايَاتِهِ بَيِّنٌ.

”اس کی روایات میں کمزوری واضح ہے۔“ (الکامل في ضعفاء الرجال: 132/5)

⑦ اس کا ایک راوی حسین یا حسن اشقر جمہور محدثین کرام کے نزدیک ”ضعیف“

ہے۔ اس کے بارے میں:

① امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فِيهِ نَظْرٌ.

”یہ منکر الحدیث راوی ہے۔“ (التاریخ الكبير: 2/385)

نیز فرماتے ہیں: عِنْدَهُ مَنَاكِيرٌ. ”اس کے پاس منکر روایات ہیں۔“

(التاریخ الصغير: 2/291)

② امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، وَكَانَ صَدُوقًا.

”اس کی حدیث منکر ہے، اگرچہ خود سچا تھا۔“ (سؤالات ابن ہانئ: 2358)

③ امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هُوَ شَيْخٌ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ.

”یہ منکر احادیث بیان کرنے والا شیخ ہے۔“ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 3/50)

④ امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: لَيْسَ بِقَوِيٍّ فِي الْحَدِيثِ.

”حدیث بیان کرنے میں بہت کمزور تھا۔“ (الجرح والتعديل: 3/49)

⑤ علامہ جوزجانی لکھتے ہیں: عَالٍ مِنَ الشُّتَامِينَ لِلْخَيْرَةِ.

”یہ غالی رافضی تھا، صحابہ کرام کو سخت برا بھلا کہتا تھا۔“ (أحوال الرجال: 90)

⑥ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جَمَاعَةٌ مِّنْ ضُعَفَاءِ الْكُوفِيِّينَ يُحِيلُونَ بِالرِّوَايَاتِ عَلَى حُسَيْنِ

الْأَشَقْرِ، عَلَى أَنَّ حُسَيْنًا هَذَا فِي حَدِيثِهِ بَعْضُ مَا فِيهِ.

”ضعیف کوفی راویوں کی ایک جماعت حسین اشقر کی طرف روایات منسوب کرتی تھی۔

حالانکہ خود اس حسین کی حدیث میں بھی ضعف موجود ہے۔“

(الکامل في ضعفاء الرجال: 2/362)

①، ④ امام دارقطنی (کتاب الضعفاء والمترو کین: 195) اور امام نسائی (کتاب

الضعفاء والمتروكين: 146) نے اسے غیر قوی قرار دیا ہے۔

⑨ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهُوَ شِيعِيٌّ جَلْدٌ، وَضَعْفَةٌ عَيْزٌ وَاحِدٌ.

”یہ کٹر شیعہ تھا اور اسے بہت سے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔“

(البدایة والنہایة: 86/6)

مزید فرماتے ہیں: وَهُوَ شِيعِيٌّ مَّتْرُوكٌ.

”یہ شیعہ اور متروک راوی ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر: 570/3)

⑩ حافظ پیشی فرماتے ہیں: وَضَعْفَةُ الْجُمَّهُورُ.

”اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (مجمع الزوائد: 102/9)

⑪ حافظ عراقی فرماتے ہیں: شِيعِيٌّ مُخْتَلِقٌ.

”یہ راوی شیعہ اور جھوٹی احادیث گھڑنے والا ہے۔“

(الفتح السماوي بتخریج أحادیث القاضي البيضاوي للمناوي: 869)

⑫ یہی بات علامہ زبیلی حنفی نے لکھی ہے۔

(تخریج أحادیث الكشاف: 335/3)

⑬ علامہ سیوطی لکھتے ہیں: حُسَيْنٌ الْأَشَقْرُ مُتَّهَمٌ.

”حسین اشقر پر احادیث گھڑنے کا الزام ہے۔“ (ذیل الأحادیث الموضوعه، ص: 58)

لہذا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، (تقریب التہذیب: 1318) کا اسے عالی شیعہ اور وہی کہنے کے ساتھ

ساتھ سچا کہنا درست نہیں۔

⑭ خود حافظ موصوف اسے ”ضعیف“ بھی قرار دے چکے ہیں۔ (فتح الباری: 28/6)

⑮ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عَمْرٌو لَيْسَ بِثِقَةٍ، وَحُسَيْنٌ مُتَّهَمٌ.

”اس حدیث کا راوی عمرو بن ثابت غیر معتبر اور حسین اشقر متہم ہے۔“

(تلخیص کتاب الموضوعات: 151/1)

اس روایت میں اور بھی خرابیاں موجود ہیں۔ نیز مذکورہ آیتِ کریمہ کی تفسیر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے باسند صحیح یوں ثابت ہے:

﴿فَتَلَقَىٰ آدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ﴾، قَالَ: أَيُّ رَبِّ! أَلَمْ تَخْلُقْنِي بِيَدِكَ؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: أَيُّ رَبِّ! أَلَمْ تَنْفُخْ فِيَّ مِنْ رُوحِكَ؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: أَيُّ رَبِّ! أَلَمْ تُسَكِّنِي جَنَّتِكَ؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: أَيُّ رَبِّ! أَلَمْ تَسْبِقْ رَحْمَتَكَ غَضَبَكَ؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ ثُبْتُ وَأَصْلَحْتُ، أَرَأَجِعِي أَنْتَ إِلَى الْجَنَّةِ؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: فَهُوَ قَوْلُهُ: ﴿فَتَلَقَىٰ آدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ﴾ (البقرة: 37)

”﴿فَتَلَقَىٰ آدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ، فَتَابَ عَلَيْهِ﴾ (البقرة: 37) (آدم ﷺ نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی)۔ آدم ﷺ نے عرض کیا: اے میرے رب! کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ عرض کیا: میرے رب! کیا تو نے مجھ میں اپنی طرف سے رُوح نہیں پھونکی؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ عرض کیا: اے رب! کیا تو نے مجھے جنت میں نہیں بسایا تھا؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ عرض کیا: میرے رب! کیا تیری رحمت تیرے غضب پر غالب نہیں ہے؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ عرض کیا: اگر میں توبہ کروں اور نیک بن جاؤں تو کیا تو مجھے دوبارہ جنت میں جگہ دے گا؟ فرمایا: کیوں نہیں۔۔۔ پھر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہی اس آیت کی تفسیر ہے۔“

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: 2/594، ح: 4002، وسندہ صحیح)

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ إِسْنَادًا.

”اس حدیث کی سند صحیح ہے۔“

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

اس آیتِ کریمہ کی یہی تفسیر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد، مشہور تابعی امام اسماعیل بن عبد

الرحمن سِدِّي (م: 127ھ) نے بھی کی ہے۔ (التفسیر من سنن سعید بن منصور: 186، وسندہ صحیح) صحابی رسول کی اس صحیح وثابت تفسیر کو چھوڑ کر من گھڑت، باطل اور ضعیف روایات سے آیت کریمہ کی تفسیر کرنا قرآن کریم کی معنوی تحریف کے مترادف ہے۔

دلیل نمبر ⑫: آدم علیہ السلام کے توسل کے بارے میں ایک روایت یوں ہے:

لَمَّا أَصَابَ آدَمُ الذَّنْبَ نُودِيَ أَنْ اخْرُجْ مِنْ جَوَارِي، فَخَرَجَ يَمْشِي بَيْنَ شَجَرِ الْجَنَّةِ، فَبَدَتْ عَوْرَتُهُ، فَجَعَلَ يُنَادِي: الْعَفْوُ الْعَفْوُ، فَإِذَا شَجَرَةٌ قَدْ أَخَذَتْ بِرَأْسِهِ، فَظَنَّ أَنَّهَا أَمَرَتْ بِهِ، فَنَادَى: بِحَقِّ مُحَمَّدٍ، إِلَّا عَفَوْتَ عَنِّي، فَخَلَّى عَنْهُ، ثُمَّ قِيلَ لَهُ: أَتَعْرِفُ مُحَمَّدًا؟ قَالَ: نَعَمْ، قِيلَ: وَكَيْفَ؟ قَالَ: لَمَّا نُفِخَتْ فِي يَأْ رَبِّ الرُّوحِ، رَفَعْتُ رَأْسِي إِلَى الْعَرْشِ، فَإِذَا فِيهِ مَكْتُوبٌ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)، فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تُخْلَقْ خَلْقَ أَكْرَمَ عَلَيَّ مِنْهُ.

”جب آدم علیہ السلام سے غلطی سرزد ہوئی تو ان کو غیب سے آواز آئی: میرے پڑوس سے نکل جاؤ۔ آدم علیہ السلام جنت کے درختوں کے درمیان چلتے ہوئے نکل رہے تھے کہ ان کا ستر کھل گیا۔ انہوں نے معافی معافی پکارنا شروع کر دیا۔ اچانک ایک درخت نے ان کے سر کو پکڑ لیا۔ آدم علیہ السلام سمجھے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا ہے۔ پھر انہوں نے یوں دعا کی: اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طفیل مجھے معاف فرما دے۔ اس طرح ان کی خلاصی ہو گئی۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسے جانتے ہو؟ انہوں نے کہا: اے میرے رب! جب تُو نے مجھ میں روح پھونکی تو میں نے عرش کی طرف اپنا سر اٹھایا اور دیکھا کہ اس میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھا ہوا ہے، تب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ تجھے ساری مخلوق سے بڑھ کر محبوب ہیں۔“

(الإشراف في منازل الأشراف لابن أبي الدنيا: 24، تاريخ دمشق لابن عساكر: 7/386)

تبصرہ: یہ جھوٹ کا پلندہ ہے جو ان نامعلوم اور مبہم راویوں نے اکٹھا کیا ہے:

① محمد بن مغیرہ مازنی راوی کا کوئی اتہ پتہ نہیں۔

② اس کے باپ کے متعلق بھی کوئی آگاہی نہیں ملی۔

③ رجل من اهل الكوفة، مبہم اور مجہول ہے۔

④ عبد الرحمن بن عبد ربہ مازنی کی واضح توثیق درکار ہے۔

⑤ شیخ من اهل المدينة بھی مجہول ہے۔

اس سند میں مبہم اور مجہول راویوں نے بسیرا کر رکھا ہے۔ یہ روایت انہی نامعلوم راویوں کی گھڑ تل ہے۔

تنبیہ: سعید بن جبیر تابعی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

اِخْتَصَمَ وَلَدَ آدَمَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: أَيُّ خَلْقٍ أَكْرَمَ عَلَى اللَّهِ؟ قَالَ بَعْضُهُمْ: آدَمُ، خَلَقَهُ اللَّهُ بِيَدِهِ، وَأَسْجَدَ لَهُ الْمَلَائِكَةُ، قَالَ آخَرُونَ: الْمَلَائِكَةُ الَّذِينَ لَمْ يَعْصُوا اللَّهَ، فَقَالُوا: بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَبُو نَا، فَانْتَهَوْا إِلَى آدَمَ، فَذَكَرُوا لَهُ مَا قَالُوا، فَقَالَ: يَا بَنِيَّ! إِنَّ أَكْرَمَ الْخَلْقِ مَا بَدَأَ أَنْ تَفْخَ فِيهِ الرُّوحَ، فَمَا بَلَغَ قَدَمِي حَتَّى اسْتَوَيْتُ جَالِسًا، فَبَرِقَ لِي الْعَرْشُ، فَتَنَظَّرْتُ فِيهِ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، فَذَاكَ أَكْرَمَ الْخَلْقِ عَلَى اللَّهِ. ” آدم عليه السلام کی اولاد نے آپس میں بحث و تکرار کی کہ اللہ کے نزدیک سب سے معزز مخلوق

کون سی ہے؟ بعض نے کہا کہ وہ آدم عليه السلام ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اسے فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ دوسروں نے کہا کہ فرشتے سب سے معزز مخلوق ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ کی کوئی نافرمانی نہیں کی۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہم اپنے والد سے فیصلہ کراتے ہیں۔ وہ آدم عليه السلام کے پاس پہنچے اور ساری بات انہیں بتائی۔ آدم عليه السلام نے فرمایا: میرے بیٹو! اللہ کے ہاں سب سے معزز مخلوق وہ ہستی ہے جو مجھ میں روح پھونکے جانے کے وقت ظاہر ہوئی۔ ابھی روح میرے قدموں تک نہیں پہنچی تھی کہ میں سیدھا ہو کر بیٹھ سکتا۔ اس وقت عرش چکا اور میں نے

اس میں محمد رسول اللہ لکھا دیکھا۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی سب سے معزز مخلوق ہیں۔“

(الإشراف في منازل الأشراف لابن أبي الدنيا: 23، تاریخ دمشق لابن عساکر: 386/7)

یہ بے ثبوت قول ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی محمد بن صالح بن مہران قرشی ”مجہول الحال“ ہے۔ سوائے امام

ابن حبان رحمہ اللہ (125/9) کے کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔

② اس کا استاذ عمون بن کہمس بھی ”مجہول الحال“ ہے۔ اس کے بارے میں امام

احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا أَعْرِفُهُ. ”میں اسے نہیں جانتا۔“

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 387/6، وسندہ صحیح)

رہا امام ابن حبان رحمہ اللہ کا اسے ثقات (515/8) میں ذکر کرنا، تو وہ مفید نہیں، کیونکہ انہوں

نے کتنے ہی مجہول راویوں کو ثقات میں ذکر کر دیا ہے۔

رہی بات امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے قول کی کہ انہوں نے اس کے بارے میں فرمایا:

لَمْ يَبْلُغْنِي إِلَّا خَيْرٌ. ”مجھے اس کے متعلق خیر ہی پہنچی ہے۔“ (سوالات الآجری: 1063)

تو یہ قول ثابت نہیں، کیونکہ ابو عبیدہ الآجری خود نامعلوم و مجہول ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ”مقبول“ یعنی مجہول الحال کہا ہے۔ (تقریب التہذیب: 5225)

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہی راجح ہے۔

یہی بات درست ہے کہ یہ مجہول راوی ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (307/2) کا اسے ثقہ قرار دینا بے

دلیل اور مرجوح ہے۔

③ سند میں مذکور ابوالاسود طفاوی نامی راوی کی توثیق کسی مجہول ہی کی طرف سے

ہے۔ جو خود مجہول یا ضعیف ہو، اس کی توثیق کا کیا اعتبار؟ پھر اس طفاوی کا امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ

سے سماع و لقاء بھی درکار ہے۔

سیدنا آدم عليه السلام کے بارے میں اس طرح کا اڑتا ہوا قول حجت نہیں ہو سکتا، جبکہ یہ قرآن مجید

اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ثابت شدہ تفسیر کے بھی خلاف ہے۔

دلیل نمبر 13: حفص بن سائب حنظلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے

والد کو رسول اکرم ﷺ نے یہ دُعا سکھائی:

اللَّهُمَّ! بِحَقِّ آدَمَ وَذُرِّيَّتِهِ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، أَنْ تُشْفِي فُلَانَ بَنَ فُلَانٍ، وَفُلَانَةَ بِنْتَ فُلَانٍ.

”اے اللہ! آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں آنے والے انبیائے کرام کے طفیل فلاں بن

فلاں اور فلاں بنت فلاں کو شفا دے دے۔۔۔“

(آخر جہ المستغفری کمافی الأجوبة المرضیة للسخاوی: 1/316)

تبصرہ: مستغفری کی کتاب مفقود ہے۔ چراغ لیے ڈھونڈنے سے بھی نہیں

ملتی۔ اس روایت کی سند کا علم نہیں ہو سکا۔ بے سند روایات دین نہیں بن سکتیں۔

دلیل نمبر 14: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا:

لَمَّا اقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيئَةَ، قَالَ: يَا رَبِّ! أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ، لَمَا غَفَرْتَ

لي، فَقَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: يَا آدَمُ! وَكَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا أَوْ لَمْ أَخْلُقْهُ؟ قَالَ: لِأَنَّكَ يَا

رَبِّ لَمَّا خَلَقْتَنِي بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوحِكَ رَفَعْتَ رَأْسِي، فَرَأَيْتُ عَلَى

قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوبًا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، فَعَلِمْتُ أَنَّكَ لَمْ تُصِفْ إِلَيَّ

اسْمَكَ إِلَّا أَحَبَّ الْخَلْقِ إِلَيْكَ، فَقَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: صَدَقْتَ يَا آدَمُ، إِنَّهُ لَا أَحَبَّ

الْخَلْقِ إِلَيَّ، وَإِذْ سَأَلْتَنِي بِحَقِّهِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ، وَلَوْ لَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ.

”جب آدم علیہ السلام نے گناہ کا ارتکاب کیا تو انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب! میں تجھ

سے بحق محمد (ﷺ) سوال کرتا ہوں کہ مجھے معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو

نے محمد (ﷺ) کو کیسے پہچان لیا جبکہ میں نے ابھی تک اسے پیدا ہی نہیں کیا؟ آدم نے عرض کیا: اس لیے کہ جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی طرف سے روح پھونکی تو میں نے اپنا سر اٹھایا اور عرش کے پائیوں پر لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ لکھا دیکھا۔ میں اسی وقت جان گیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی کا نام لکھا ہے جو مخلوق میں سے تجھے سب سے محبوب ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: آدم! تو نے سچ کہا ہے۔ وہ ساری مخلوق میں سے مجھے زیادہ محبوب ہیں۔ چونکہ تو نے مجھ سے ان کے بحق مانگا ہے تو میں نے تجھے معاف کر دیا ہے۔ اگر محمد (ﷺ) نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔“ (المستدرک علی الصحیحین للحاکم: 2/614، 615 ح: 4228، دلائل النبوة للبيهقي: 5/488، تاریخ دمشق لابن عساکر: 7/437)

تبصرہ: یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے۔ جب امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے ”صحیح الاسناد“ کہا تو ان کے رد میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا: بَلْ مَوْضُوعٌ.

”بلکہ یہ روایت تو موضوع (من گھڑت) ہے۔“ (تلخیص المستدرک: 2/615)

احمد رضا خان بریلوی صاحب، شاہ عبدالعزیز دہلوی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اسی لیے محدثین نے یہ ضابطہ مقرر کر دیا ہے کہ مستدرک حاکم پر ذہبی کی تلخیص دیکھنے کے بعد اعتماد کیا جائے گا۔“ (فتاویٰ رضویہ: 5/546)

اور جب حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے باطل (میزان الاعتدال: 2/504، ت: 4604) کہا تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کے اس حکم کو برقرار رکھا۔ (لسان المیزان: 3/359، 360)

امام بیہقی رحمہ اللہ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

نَفَّرَ دَيْهَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمٍ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ عَنَّهُ، وَهُوَ ضَعِيفٌ.

”اس سند سے اس روایت کو بیان کرنے میں اپنے والد سے عبدالرحمن بن زید بن اسلم اکیلا ہے اور وہ ضعیف راوی ہے۔“ (دلائل النبوة: 5/489)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے علامہ سبکی نقل کرتے ہیں:

وَأَمَّا مَا ذَكَرَهُ فِي قِصَّةِ آدَمَ، مِنْ تَوَسُّلِهِ، فَلَيْسَ لَهُ أَصْلٌ، وَلَا نَقْلَهُ أَحَدٌ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِسْنَادٍ يَصْلُحُ لِلْإِعْتِمَادِ عَلَيْهِ، وَلَا الْإِعْتِبَارِ، وَلَا الْإِسْتِشْهَادِ.

”آدم عليه السلام کے قصے میں ان کے توسل کا جو واقعہ بیان ہوا ہے، وہ بے اصل ہے۔ کسی نے بھی اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی سند کے ساتھ بیان نہیں کیا جس پر اعتماد کیا جاسکتا ہو یا جسے اعتبار و استشہاد کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہو۔“ (شفاء السقام، ص: 361، طبع جدید)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ روایت بیان کرنے کے بعد امام بیہقی رحمہ اللہ سے اس کے راوی عبد الرحمن بن زید بن اسلم پر ”ضعیف“ ہونے کی جرح ذکر کی ہے۔ (البدایة والنہایة: 2/393)

امام صاحب خود عبد الرحمن بن زید بن اسلم کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَهُوَ ضَعِيفٌ. ”یہ ضعیف راوی ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر: 3/12)

حافظ ابن عبد البہادی رحمہ اللہ (705-744ھ) فرماتے ہیں:

وَإِنِّي لَأَتَعَجَّبُ مِنْهُ، كَيْفَ قَلَّدَ الْحَاكِمَ فِي تَصْحِيحِهِ، مَعَ أَنَّهُ حَدِيثٌ غَيْرُ صَحِيحٍ وَلَا ثَابِتٍ، بَلْ هُوَ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ الْإِسْنَادِ جِدًّا، وَقَدْ حَكَمَ عَلَيْهِ بَعْضُ الْأَثَمَةِ بِالْوَضْعِ.

”مجھے تو حیرانی ہے کہ سبکی نے اس حدیث کو صحیح قرار دینے میں امام حاکم رحمہ اللہ کی بات کو آنکھیں بند کر کے کیوں مان لیا؟ یہ حدیث صحیح وثابت نہیں، بلکہ سخت ضعیف سند کے ساتھ مروی ہے۔ بعض ائمہ کرام نے تو اسے من گھڑت قرار دیا ہے۔“

(الصارم المنکھی فی الرد علی السبکی، ص: 32)

حافظ بیہقی لکھتے ہیں: وَفِيهِ مَنْ لَمْ أَعْرِ فَهُمْ.

”اس روایت میں کئی راوی ایسے ہیں جنہیں میں نہیں پہچانتا۔“ (مجمع الزوائد: 8/353)

حافظ سیوطی نے اس روایت کو ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔

(مناہل الصفا فی تخریج أحادیث الشفا: 96)

ابن عراق کنانی (م: 963ھ) نے اسے ”باطل“ قرار دیا ہے۔ (تنزیہ الشریعة: 1/76)

ملا علی قاری حنفی نے بھی اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔ (شرح الشفا: 2/224)

قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے بھی اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔

(خطبات حکیم الاسلام: 2/125)

غلام رسول سعیدی بریلوی صاحب نے بھی اسے ”ضعیف“ تسلیم کیا ہے۔

(شرح صحیح مسلم: 7/59)

اس کا راوی عبد الرحمن بن زید بن اسلم جمہور کے نزدیک ”ضعیف و متروک“ ہے۔

حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وَالْأَكْثَرُ عَلَى تَضْعِيفِهِ.

”جمہور محدثین کرام اس کو ضعیف کہتے ہیں۔“ (مجمع الزوائد: 2/21)

حافظ ابن ملقن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْكُلُّ.

”اسے سب نے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (البدر المنیر: 5/458)

اس کو امام احمد بن حنبل، امام علی بن المدینی، امام بخاری، امام بیہقی بن معین، امام نسائی،

امام ابو حاتم الرازی، امام ابو زرعہ الرازی، امام دارقطنی، امام ابن سعد، امام ابن خزیمہ، امام ابن

حبان، امام ساجی، امام طحاوی حنفی، امام جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم نے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رَوَى عَنْ أَبِيهِ أَحَادِيثَ مَوْضُوعَةً.

”اس نے اپنے باپ سے موضوع (من گھڑت) احادیث بیان کی ہیں۔“

(المدخل: 154)

یہ حدیث بھی عبد الرحمن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ زید بن اسلم سے روایت کی ہے،

لہذا یہ بھی موضوع (من گھڑت) ہے۔

اس کے دوسرے راوی عبداللہ بن مسلم فہری کے بارے میں حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

“وَلَا أَدْرِي مَنْ ذَا؟” ”میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے؟“

(تلخیص المستدرک: 2/615)

تنبیہ ①: یہی روایت اسی سند سے امام ابوبکر آجری نے اپنی کتاب الشریعة (ص 427) میں موقوفاً بھی ذکر کی ہے۔

تنبیہ ②: یہ روایت بعض الناس کو کوئی فائدہ نہیں دے گی کیونکہ یہی لوگ یہ من گھڑت روایت بھی پیش کرتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کا نور پیدا کیا۔ اس روایت کو صحیح ثابت کرنے پر تو انہوں نے اپنا پورا زور صرف کر دیا لیکن انہیں اہل حق سے منہ کی کھانا پڑی۔

اگر اس نور والی روایت کو صحیح مانیں تو زیر بحث روایت باطل ہو جائے گی۔ دونوں میں سے کسی ایک کو تو جھوٹ ماننا ہی پڑے گا۔ زیر بحث جھوٹی روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ ابھی میں نے محمد ﷺ کو پیدا نہیں کیا تو تم نے انہیں کیسے پہچان لیا؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت تک محمد ﷺ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ جبکہ نور والی جھوٹی روایت میں ہے کہ ہر چیز سے پہلے محمد ﷺ کے نور کو پیدا کیا گیا۔ اب فیصلہ بعض الناس خود ہی کر لیں کہ وہ دونوں جھوٹوں کو چھوڑیں گے یا کسی ایک جھوٹ کو اپنالیں گے۔ اگر وہ کسی ایک جھوٹ کو اپنانا چاہتے ہیں تو بتادیں کہ وہ کس پر اعتماد کریں گے؟

دلیل نمبر ⑮: عبدالکریم قرشی کا بیان ہے کہ:

نَبَتْ اللَّبَانُ مِنْ دُمُوعِ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَالزَّعْفَرَانُ مِنْ دُمُوعِ دَاوُدَ، عَلِيٌّ نَبِيَّتَا وَعَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، قَالَ: فَلَمَّا اشْتَدَّ جُوعُ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ: يَا سَمَاءُ! أَطْعِمِينِي، فَأَنَّا آدَمُ صِفِي اللَّهُ تَعَالَى، فَأَوْحَى اللَّهُ عَزَّ

وَجَلَّ إِلَى السَّمَاءِ أَنْ أَجِيبِي عَبْدِي، فَقَالَتْ: يَا آدَمُ! لَسْنَا نَطْعِمُ الْيَوْمَ مَنْ عَصَى
اللَّهُ تَعَالَى، فَبَكَى آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَيضًا أَنْ بَعِينَ صَبَاحًا، فَلَمَّا اشْتَدَّ جُوعُهُ رَفَعَ
رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ: أَسْأَلُكَ يَا رَبِّ! بِحَقِّ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي تُرِيدُ أَنْ
تُخْرِجَهُ مِنْ صُلْبِي، إِلَّا تُبَتَّ عَلَيَّ وَأَطَعَمْتَنِي.

”آدم علیہ السلام کے آنسوؤں سے کانٹے دار بوٹی پیدا ہوئی، جبکہ داؤد علیہ السلام کے آنسوؤں سے
زعفران پیدا ہوئی۔ جب آدم علیہ السلام کو بھوک کی شدت محسوس ہوئی تو انہوں نے آسمان کی طرف اپنا
سراٹھایا اور کہا: اے آسمان! مجھے کھانا کھلا، میں آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف
وحی فرمائی کہ میرے بندے کو جواب دو۔ آسمان نے کہا: آدم! ہم آج اس شخص کو کھانا نہیں کھلائیں
گے جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے۔ اس پر آدم علیہ السلام چالیس دن روتے رہے۔ جب ان کی
بھوک مزید بڑھ گئی تو انہوں نے کہا: اے میرے رب! میں تجھ سے اس اُمی نبی کے وسیلے سے
سوال کرتا ہوں جسے تو میری نسل سے پیدا کرنا چاہتا ہے کہ تو میری توبہ قبول کر لے اور مجھے کھانا کھلا
دے۔“ (العظيمة لأبي الشيخ الأصبهاني: 5/1596, 1597، ح: 1061)

تبصرہ: یہ کائنات کا بدترین جھوٹ ہے اور اس کی سند باطل ہے، کیونکہ:

- ① ابو یعقوب یوسف بن دودان کون ہے؟ معلوم نہیں ہو سکا۔
- ② محمد بن یوسف تمیمی کے حالات نہیں مل سکے۔
- ③ ابراہیم بن محمد سے مراد اگر ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ اسلمی ہے تو وہ جمہور کے
نزدیک ”متروک“ اور کذاب تھا۔
- ④ عثمان بن عبد الرحمن قرشی سے مراد اگر وقاصی ہے تو وہ باتفاق محدثین
”متروک“ اور ”ضعیف“ ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مَتْرُوكٌ، وَكَذَّابُهُ ابْنُ مَعِينٍ.

”یہ متروک ہے۔ امام ابن معین رحمہ اللہ نے اسے کذاب کہا ہے۔“ (تقریب التہذیب: 4493)

④ نہ جانے عبد الکریم قرشی کس مصیبت کا نام ہے؟ اس روایت کو پیش کرنے

والے اس راوی کا تعارف کرائیں۔

دلیل نمبر ①6: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَى آدَمَ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ عَطَسَ، فَأَلْهَمَهُ اللَّهُ: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾، فَقَالَ لَهُ رَبُّهُ: يَزَحْمُكَ رَبُّكَ، فَلَمَّا أَسْجَدَ لَهُ الْمَلَائِكَةُ تَدَاخَلَهُ الْعَجَبُ، فَقَالَ: يَا رَبِّ! خَلَقْتَ خَلْقًا أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنِّي؟ فَلَمْ يُجِبْ، ثُمَّ قَالَ الثَّانِيَةَ، فَلَمْ يُجِبْ، ثُمَّ قَالَ الثَّلَاثَةَ، فَلَمْ يُجِبْ، ثُمَّ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ: نَعَمْ، وَلَوْلَاهُمْ مَا خَلَقْتُكَ، فَقَالَ: يَا رَبِّ! فَأَرِنِيهِمْ، فَأَوْحَى اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى مَلَائِكَةِ الْحُجَبِ أَنْ ارْفَعُوا الْحُجَبَ، فَلَمَّا رُفِعَتْ إِذَا آدَمُ بِخَمْسَةِ أَشْبَاحٍ قُدَّامَ الْعَرْشِ، فَقَالَ: يَا رَبِّ! مَنْ هُوَ لَآءِ؟ قَالَ: يَا آدَمُ! هَذَا مُحَمَّدٌ نَبِيِّي، وَهَذَا عَلِيُّ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ ابْنُ عَمِّ نَبِيِّي وَوَصِيِّهِ، وَهَذِهِ فَاطِمَةُ ابْنَتُهُ نَبِيِّي، وَهَذَانِ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ ابْنَا عَلِيِّ وَوَلَدَا نَبِيِّي، ثُمَّ قَالَ: يَا آدَمُ! هُمْ وَلَدُكَ، فَفَرِحَ بِذَلِكَ، فَلَمَّا اقْتَرَفَ الْخَطِيئَةَ قَالَ: يَا رَبِّ! أَسْأَلُكَ بِمُحَمَّدٍ وَعَلِيِّ وَفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ لِمَا عَفَرْتَ لِي، فَعَفَّرَ اللَّهُ لَهُ بِهَذَا.

”جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا اور ان میں اپنی روح پھونکی تو انہوں نے چھینک

ماری۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں الہام کیا کہ وہ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ کہیں۔ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا: تجھ پر تیرا رب رحم کرے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے انہیں سجدہ کرایا تو ان میں تکبر

آیا اور انہوں نے کہا: اے میرے رب! کیا تو نے کوئی ایسی مخلوق بھی پیدا کی ہے جو تجھے مجھ سے

بڑھ کر محبوب ہو؟ اللہ تعالیٰ نے کوئی جواب نہ دیا۔ انہوں نے دوسری مرتبہ یہی سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے پھر جواب نہ دیا۔ تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں، اگر وہ نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔ آدم نے عرض کیا: اے میرے رب! میری ان سے ملاقات کرا دے۔ اللہ تعالیٰ نے حجاب کے فرشتوں کی طرف وحی کی کہ حجاب اٹھا دو۔ جب پردے اٹھ گئے تو آدم نے دیکھا کہ عرش کے سامنے پانچ مورتیاں نظر آئیں۔ انہوں نے عرض کیا: اے میرے رب! یہ کون ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ (پہلے) میرے نبی محمد (ﷺ) ہیں، (دوسرے) امیر المؤمنین اور میرے نبی کے چچا زاد اور وصی علی ہیں، (تیسری) میرے نبی کی بیٹی فاطمہ ہیں اور (چوتھے، پانچویں) علی کے بیٹے اور میرے نبی کے نواسے حسن و حسین ہیں۔ پھر فرمایا: اے آدم! یہ تیری اولاد ہیں۔ اس سے آدم خوش ہو گئے۔ جب آدم نے گناہ کا ارتکاب کیا تو کہا: اے میرے رب! میں تجھ سے محمد، علی، فاطمہ، حسن اور حسین کے واسطے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔“

(الیقین لعلی بن موسیٰ بن طاؤس الحسنی: 174، 175)

تبصرہ:

یہ روایت جھوٹ کا پلندہ ہے اور کسی مجہول رافضی، شیعہ اور دشمن صحابہ

کی کارستانی ہے۔ اس روایت میں علی بن ابراہیم قاضی اور اس کے باپ سمیت کئی راوی بالکل مجہول اور نامعلوم ہیں۔ نیز ابوالاحمد جرجانی قاضی راوی بھی موجود ہے۔ اگر اس سے مراد محمد بن علی بن عبدل ہے تو وہ ”دمتہم بالکذب“ راوی ہے۔ (الموضوعات لابن الجوزی: 1/349)

اگر یہ محمد بن محمد بن علی ہے تو وہ بھی ”ضعیف“ راوی ہے۔ اسی طرح حجاج نامی راوی بھی اس میں موجود ہے۔ اگر اس سے مراد حجاج بن ارطاة ہے تو وہ بھی ”ضعیف و مدلس“ راوی ہے۔ اسی طرح اس سند میں ابن ابی شیح ”مدلس“ بھی ہے۔ نیز علی بن موسیٰ بن طاؤس حسنی راوی رافضی ہے۔ اس کی نقل کا کوئی اعتبار نہیں۔

قارئین کرام ہی فیصلہ فرمائیں کہ جس سند میں اس قدر جہالتیں اور قباحتیں موجود ہوں اور

جس روایت میں رافضی عقائد جھلک رہے ہوں، اسے بطور دلیل ذکر کرنا بھلا کسی اہل سنت کو زیب دیتا ہے؟

قارئین کرام! ایک طرف قرآن کریم سے صراحتاً ثابت ہے کہ سیدنا و ابونا آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو اس کی بلند صفات کا واسطہ دیا تھا۔ جبکہ دوسری طرف قرآن کریم کے خلاف بعض لوگ موضوع، من گھڑت اور ضعیف روایات پر اعتماد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو محمد ﷺ، آپ ﷺ کی آل، سیدہ فاطمہ، سیدنا علی اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کا واسطہ دیا تھا۔ فیصلہ خود کریں کہ آپ کو قرآن کریم میں فرمائی ہوئی اللہ تعالیٰ کی بات پر اعتماد کرنا چاہیے یا جھوٹے، بدکردار، رافضی، بددین و بد عقیدہ اور نامعلوم و مجہول راویوں کی بیان کردہ نامعقول داستانوں پر؟

یہ لوگوں کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا أَوْلِيكَ الضَّلَالُ أَشْبَاهُ الْمُشْرِكِينَ النَّصَارَى، فَعَمَدَتُهُمْ إِمَّا أَحَادِيثُ ضَعِيفَةٌ أَوْ مَوْضُوعَةٌ أَوْ مَنْقُولَاتٌ عَمَّنْ لَا يُحْتَجُّ بِقَوْلِهِ، إِمَّا أَنْ يَكُونَ كِذْبًا عَلَيْهِ، وَإِمَّا أَنْ يَكُونَ غَلَطًا مِنْهُ، إِذَا هِيَ نَقْلٌ غَيْرُ مُصَدِّقٍ عَنْ قَائِلٍ غَيْرِ مَعْصُومٍ، وَإِنْ اعْتَصَمُوا بِشَيْءٍ مِمَّا ثَبَتَ عَنِ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَفُوا الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ، وَتَمَسَّكُوا بِمُتَشَابِهِهِ، وَتَرَكُوا مُحْكَمَهُ كَمَا يَفْعَلُ النَّصَارَى.

”مشرک نصرانیوں سے مشابہت رکھنے والے یہ گمراہ لوگ یا تو من گھڑت و ضعیف روایات پر اعتماد کرتے ہیں یا ایسے لوگوں کے اقوال و مرویات پر جن کا قول حجت نہیں ہوتا۔ یہ اقوال یا تو قائل کی طرف جھوٹے منسوب کیے گئے ہوتے ہیں یا قائل کا علمی تسامح ہوتے ہیں۔ یوں یہ اقوال غیر معصوم اشخاص کی غیر مصدقہ مرویات پر مبنی ہوتے ہیں۔ اگر کبھی وہ رسول اللہ ﷺ کی ثابت شدہ احادیث سے دلیل لیتے ہیں تو ان کے معانی و مفہام میں تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں اور محکم و صریح کو چھوڑ کر نصاریٰ کی طرح متشابہ الفاظ سے استدلال و استنباط

کرتے ہیں۔“ (تلخیص کتاب الاستغاثۃ المعروف بالردّ علی البکری، ص: 352)

نیز وہ ضعیف حدیث کے ناقابل اعتبار ہونے کے بارے میں فرماتے ہیں:

لَمْ يُقْلَ أَحَدٌ مِنَ الْأَئِمَّةِ : إِنَّهُ يَجُوزُ أَنْ يُجْعَلَ الشَّيْءُ وَاجِبًا أَوْ مُسْتَحَبًّا
بِحَدِيثٍ ضَعِيفٍ، وَمَنْ قَالَ هَذَا، فَقَدْ خَالَفَ الْإِجْمَاعَ.

”ائمہ دین میں سے کسی نے بھی شریعت کے کسی واجب و مستحب امر کو ضعیف حدیث سے

ثابت کرنا جائز قرار نہیں دیا۔ جو شخص ایسی بات کرتا ہے، وہ اجماع کا مخالف ہے۔“

(قاعدة جلیلة فی التوسل والوسيلة، ص: 162)

بریلوی بھائیوں کی خدمت میں ان کے امام جناب احمد رضا خان بریلوی کا یہ قول پیش کیا

جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ”ضعیف حدیثیں کسی غیر ثابت چیز کو ثابت نہیں کرتیں۔“

(فتاویٰ رضویہ: 29/726)

سیدنا آدم عليه السلام کا اللہ تعالیٰ کو اس کے اسماء و صفات کا واسطہ دینا قرآن کریم سے ثابت ہے۔

ضعیف حدیثیں جو کسی غیر ثابت چیز کو ثابت نہیں کرتیں، کیا اب بھی کوئی ان پر اعتماد کرے گا؟

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!



تُو اگرنہ ہوتا۔۔۔!

ابن الحسن محمدی

کائنات کی تخلیق کس لیے ہوئی؟ اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ عبادتِ الہی کے لیے، جیسا کہ فرمانِ الہی ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات 51: 56) ”میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔“ معلوم ہوا کہ نظامِ کائنات کو خالقِ کائنات نے اپنے ہی لیے پیدا کیا ہے۔ اس قرآنی بیان کے خلاف گمراہ صوفیوں نے ایک جھوٹی اور من گھڑت روایت مشہور کر رکھی ہے کہ کائنات کی تخلیق رسولِ اکرم ﷺ کے لیے، آپ کے طفیل اور آپ کے صدقے ہوئی۔ اگر آپ نہ ہوتے تو کائنات تخلیق نہ ہوتی۔ یہ نظریہ قرآنِ کریم کے بھی خلاف ہے اور اس سلسلے میں بیان کردہ روایات بھی جھوٹی، جعلی اور ضعیف ہیں۔

اس خود ساختہ عقیدے کے بارے میں بیان کی جانے والی روایات کی ذخیرہ حدیث میں موجود تمام سندوں کا تفصیلی جائزہ اور ان پر منصفانہ تبصرہ پیش خدمت ہے۔ قارئین کرام غور سے اس مضمون کا مطالعہ فرمائیں اور فیصلہ خود کریں کہ کیا ایسی روایات کو دین اسلام کا نام دیا جاسکتا ہے اور کیا ایسی روایات کو اپنی تائید میں پیش کرنے والے لوگ اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہو سکتے ہیں؟ ملاحظہ فرمائیے:

روایت نمبر ①: سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔۔۔ اللہ نے فرمایا:

وَلَوْلَا كَ يَا مُحَمَّدُ! مَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا.

”اے محمد ﷺ! اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو تخلیق نہ کرتا۔“

(تاریخ ابن عساکر: 3/518، الموضوعات لابن الجوزی: 1/288، 289)

تبصرہ: یہ باطل اور جھوٹی روایت ہے۔ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے اسے

”موضوع“ (من گھڑت) قرار دیا ہے۔ حافظ سیوطی نے بھی ان کے حکم کو برقرار رکھا ہے۔

(اللاکھی المصنوعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ للسیوطی: 1/272)

اس روایت کے باطل ہونے کی کئی وجوہات ہیں:

① محمد بن عیسیٰ بن حیان مدائنی روای جمہور محدثین کرام کے نزدیک ”ضعیف“

(ناقابل اعتبار) ہے۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ”متروک الحدیث“ قرار دیا ہے۔ (سؤالات الحاکم: 171)

امام موصوف نے اسے ”ضعیف“ بھی کہا ہے۔

(العلل: 5/347، سنن الدارقطنی: 1/78)

حافظ ابو احمد الحاکم فرماتے ہیں: حَدَّثَ عَنْ مَشَائِخِهِ مَا لَمْ يُتَابِعْ عَلَيْهِ.

”اس نے اپنے اساتذہ سے ایسی روایات بیان کی ہیں جن پر ثقہ راویوں نے اس کی

موافقت نہیں کی۔“ (تاریخ بغداد للخطیب البغدادی: 2/399، وسندہ صحیح)

حافظ لاکائی رحمہ اللہ بھی اسے ”ضعیف“ کہتے ہیں۔ (تاریخ بغداد للخطیب: 2/398)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے ”متروک“ قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال للذہبی: 3/678)

حافظ ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ یہ ”ضعیف“ راوی ہے۔ (الموضوعات: 1/289)

صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے ثقات (143/9) میں ذکر کیا ہے اور برقانی نے اسے

ثقہ کہا ہے۔ (تاریخ بغداد للخطیب: 2/398)

معلوم ہوا کہ اس کا ضعف ہی راجح ہے۔

② محمد بن صباح راوی اگر کوئی ہے تو امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ بِقَوِيٍّ. ”یہ ذرا بھی مضبوط راوی نہیں۔“

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 7/290)

③ ابراہیم بن ابی حبیہ بھی سخت ”ضعیف“ راوی ہے۔

اس کو امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”منکر الحدیث“ قرار دیا ہے۔

(التاریخ الكبير للبخاري: 1/283)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کتاب الضعفاء والمتر وکین (17) میں ذکر کیا ہے۔

نیز انہوں نے اسے ”متروک“ بھی قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال للذهبي: 1/79)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدي: 1/238، وسندة حسن)

امام ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ”منکر الحدیث“ راوی ہے۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 2/149، ت: 491)

امام علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لَيْسَ بِشَيْءٍ. ”یہ فضول آدمی تھا۔“

(لسان الميزان لابن حجر: 1/52)

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: يَرْوِي عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَهَشَامٍ

مَتَا كَبُرَ وَأَوْابِدَ، يَنْسِبُ إِلَى الْقَلْبِ أَنَّهُ الْمُتَعَمِّدُ بِهَا.

”یہ جعفر بن محمد اور ہشام سے منکر اور من گھڑت روایات بیان کرتا ہے۔ دل کو لگتا یہی ہے

کہ اس نے خود ایسی روایات گھڑی ہیں۔“ (المجروحین لابن حبان: 1/103، 104)

حافظ ابن الجوزی نے بھی اسے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ (الموضوعات: 1/289)

البتہ امام بیہقی بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ”شیخ ثقہ کبیر“ (الجرح والتعديل: 2/149) کہہ دیا

ہے لیکن ان کا یہ قول جمہور محدثین کی جرح کے مقابلے میں ناقابل التفات ہے۔

④ خلیل بن مرثد نامی راوی بھی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔

اس کے بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ”منکر الحدیث“ راوی ہے۔

(سنن الترمذی: 2666، 3474)

نیز فرماتے ہیں: ”فِيهِ نَظَرٌ“. ”یہ منکر الحدیث ہے۔“ (التاریخ الكبير: 3/199)

امام ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حدیث میں غیر قوی قرار دیا ہے۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 3/379)

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔ (الضعفاء والمتروكين: 178)

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ”ضعیف“ کہا ہے۔

(المجروحین لابن حبان: 1/286، وسندہ صحیح)

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مُنْكَرُ الْحَدِيثِ عَنِ الْمَشَاهِيرِ، كَثِيرُ الرِّوَايَةِ عَنِ الْمَجَاهِيلِ .

”یہ مشہور راویوں سے منکر احادیث بیان کرتا ہے، اس کی زیادہ تر روایات مجہول راویوں

سے ہیں۔“ (المجروحین لابن حبان: 1/286)

حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ”ضعیف“ ہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ جمہور کی

تضعیف کے مقابلے میں امام ابن شاہین وغیرہ کی توثیق مفید نہیں۔

⑤ اس روایت کی سند میں یحییٰ نامی راوی سے مراد اگر یحییٰ ابن ابی صالح سمان

ہے تو وہ مجہول ہے۔ (تقریب التہذیب لابن حجر: 7569)

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ کسی نے اسے ثقہ قرار نہیں دیا۔

امام ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

شَيْخٌ مَّجْهُولٌ، لَا أَعْرِفُهُ .

”یہ کوئی نامعلوم شیخ ہے، میں اسے نہیں پہچانتا۔“ (الجرح والتعديل: 9/158)

اور اگر یہ یحییٰ بن ابی حبیہ ابو جناب کلبی ہے تو پھر ”ضعیف“ ہے اور ”تدلیس تسویہ“ کا مرتکب

ہے۔ علامہ زلیعی حنفی لکھتے ہیں: وَأَكْثَرُ النَّاسِ عَلَى تَضْعِيفِ الْكَلْبِيِّ .

”اکثر محدثین کرام نے کلبی کو ضعیف قرار دیا ہے۔“ (نصب الراية للزليعي: 2/23)

حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ (725-806ھ) فرماتے ہیں: ضَعَفَهُ الْجُمُهُورُ.

”اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (تخریج أحاديث الإحياء: 3708)
لہذا یہ سند پانچ وجہ سے باطل ہے۔ اس سے اہل باطل ہی دلیل لے سکتے ہیں۔

روایت نمبر ②: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

أَتَانِي جَبْرِيلُ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! لَوْلَاكَ لَمَا خُلِقَتِ الْجَنَّةُ، وَلَوْلَاكَ مَا خُلِقَتِ النَّارُ.

”میرے پاس جبریل آئے اور کہنے لگے: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر آپ نہ ہوتے تو جنت اور دوزخ کو پیدا نہ کیا جاتا۔“ (سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني: 1/450)

تبصرہ: یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

- ① عبید اللہ بن موسیٰ قرظی راوی کے حالات نہیں مل سکے۔
- ② فضیل بن جعفر بن سلیمان راوی کی توثیق اور حالات معلوم نہیں ہوئے۔
- ③ عبد الصمد بن علی بن عبد اللہ راوی کی بھی توثیق نہیں ملی۔

اس کے بارے میں امام عقیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حَدِيثُهُ غَيْرٌ مَحْفُوظٌ، وَلَا يُعْرَفُ إِلَّا بِهِ.

”اس کی حدیث غیر محفوظ ہے اور وہ اسی روایت کے ساتھ معروف ہے۔“

(الضعفاء الكبير للعقيلي: 3/84)

معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ان تینوں میں سے کسی ایک کی کارستانی ہے۔

روایت نمبر ③: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

أَوْحَى اللَّهُ إِلَيَّ عَيْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ: يَا عَيْسَى! آمِنْ بِمُحَمَّدٍ وَأَنْهَرْ مَنْ أَدْرَكَهُ

مِنْ أُمَّتِكَ أَنْ يُؤْمِنُوا بِهِ، فَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ آدَمَ، وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُ
الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ، وَلَقَدْ خَلَقْتُ الْعَرْشَ عَلَى الْمَاءِ فَاضْطَرَبَ، فَكَتَبْتُ عَلَيْهِ: لَا إِلَهَ
إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، فَسَكَنَ.

”اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ اے عیسیٰ! محمد (ﷺ) پر ایمان لائیے اور حکم
دیجیے کہ آپ کی امت میں سے جو لوگ آپ (ﷺ) کا زمانہ پائیں، وہ ان پر ایمان لائیں۔ اگر
محمد (ﷺ) نہ ہوتے تو میں آدم (ﷺ) کو پیدا نہ کرتا، اگر محمد (ﷺ) نہ ہوتے تو میں جنت اور جہنم
کو پیدا نہ کرتا۔ میں نے عرش کو پانی کے اوپر پیدا کیا تو وہ ہلنے لگا۔ اس پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ
رَسُولُ اللَّهِ لکھ دیا تو وہ ٹھہر گیا۔“

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: 2/514، 515، ح: 4227)

تبصرہ: یہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ایک جھوٹی کہانی ہے کیونکہ:

① اس کا راوی عمرو بن اوس انصاری ایک نامعلوم و مجہول راوی ہے۔ اس راوی

اور اس روایت کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يُجْهَلُ حَالُهُ، أَتَى بِخَبْرٍ مُنْكَرٍ، أَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ فِي مُسْتَدْرَكِهِ، وَأَظْنَتُهُ
مَوْضُوعًا.

”یہ راوی مجہول الحال ہے۔ اس نے ایک منکر روایت بیان کی ہے جسے امام حاکم نے اپنی

کتاب مستدرک میں ذکر کیا ہے۔ میرے خیال کے مطابق وہ روایت من گھڑت ہے۔“

(میزان الاعتدال: 3/5246، 6330)

حافظ سیوطی (849-911ھ) کہتے ہیں:

قَالَ الدَّهَبِيُّ: فِي سَنَدِهِ عَمْرُو بْنُ أَوْسٍ، لَا يُدْرَى مَنْ هُوَ.

”حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ اس کی سند میں عمرو بن اوس نامی راوی ہے۔ معلوم نہیں کہ یہ کون

ہے۔“ (الخصائص الكبرى: 1/14)

② سعید بن ابی عروبہ ”مدلس“ اور ”مختلط“ راوی ہے۔

③ قتادہ بن دعامہ راوی بھی ”مدلس“ ہیں، انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی۔

لہذا اس قول کی سند کو امام حاکم رحمہ اللہ کا ”صحیح“ کہنا ناقابل اعتبار ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے امام حاکم رحمہ اللہ کی اس بات کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

أَخْبَتَهُ مَوْضُوعًا عَلَى سَعِيدٍ .
”میرے خیال میں یہ سعید پر جھوٹ

باندھا گیا ہے۔“ (تلخیص المستدرک للذہبی: 2/415)

لسان المیزان میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی حکم کو برقرار رکھا ہے۔

غیر ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ یہ قول شرعی نصوص کے بھی خلاف ہے۔

تنبیہ : طبقات المحدثین باصہبان لابی الشیخ (287/2) میں عمرو بن اوس انصاری

مجہول کی متابعت سعید بن اوس انصاری نے کی ہے لیکن اس کی سند میں محمد بن عمر محارب راوی لاپتہ افراد میں سے ہے۔ لہذا اس متابعت کا کوئی فائدہ نہیں۔

روایت نمبر ④ : سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُوحِهِ عَطَسَ آدَمُ، فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ، فَقَالَ اللَّهُ:

حَمِدَنِي عَبْدِي، وَعَزَّتِي وَجَلَالِي! لَوْلَا عَبْدَانِ أُرِيدَ أَنْ أَخْلُقَهُمَا فِي دَارِ الدُّنْيَا

مَا خَلَقْتُمْ، قَالَ: إِلَهِي! فَيَكُونَانِ مِنِّي؟ قَالَ: نَعَمْ يَا آدَمُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ وَانظُرْ،

فَرَفَعَ رَأْسَهُ، فَإِذَا هُوَ مَكْتُوبٌ عَلَى الْعَرْشِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، نَبِيُّ

الرَّحْمَةِ.....

”جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان میں اپنی روح پھونکی تو ان کو چھینک آئی۔ انہوں نے الحمد للہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے میری تعریف کی ہے۔ میری عزت اور میرے جلال کی قسم! اگر دو بندوں کو دنیا میں پیدا کرنے کا ارادہ نہ ہوتا تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔ آدم نے عرض کیا: اے میرے الہ! کیا وہ دونوں میری ہی نسل سے ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں اے آدم! سراٹھا اور دیکھ، آدم نے سراٹھایا تو عرش پر لا اِلهَ اِلَّا اللهُ، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ، نَبِيُّ الرَّحْمَةِ لکھا ہوا تھا۔۔۔۔۔“ (المناقب للموفق الخوارزمي، ص: 318، الجواهر السنيتية في الأحاديث القدسية للحر العاملي: 292، 293)

تبصرہ:

یہ جھوٹی روایت ہے کیونکہ:

- ① موفق رافضی شیعہ ہے۔ اس کی کوئی توثیق ثابت نہیں۔
- ② ابو محمد ہارون بن موسیٰ تلعلکبری کی اگرچہ شیعہ کتب میں توثیق موجود ہے لیکن اہل سنت کی کتابوں میں اس کی توثیق موجود نہیں، اس کے برعکس حافظ ذہبی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: **رَاوِيَةٌ لِلْمَنَاكِيِرِ، رَافِضِيٌّ.**
- ”یہ کثرت سے منکر روایات بیان کرنے والا اور رافضی شخص ہے۔“

(میزان الاعتدال: 4/287، ت: 9174)

- ③ فیجان عطار ابونصر کا کوئی اتا پتا نہیں۔
- ④ ربیع بن جراح راوی بھی نامعلوم ہے۔
- ⑤ سلیمان بن مہران اعمش کی ”تدلیس“ بھی موجود ہے۔
- ⑥، ⑦، ⑧ عبد العزیز بن عبد اللہ، جعفر بن محمد اور عبد الکریم نام کے راویوں کا

تعیین اور ان کی توثیق درکار ہے۔

- ⑨ ابن شاذان کی شیعہ کتب میں تعریف موجود ہے مگر اہل سنت کی کتابوں میں ایسا کچھ

نہیں ہے۔ اس کے برعکس حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی ایک روایت کو جھوٹ قرار دیا ہے۔

(میزان الاعتدال: 3/466)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے:

وَلَقَدْ سَأَقَ أَخْطَبُ خَوَارِزْمَ مِنْ طَرِيقِ هَذَا الدَّجَالِ ابْنِ شَاذَانَ، أَحَادِيثَ كَثِيرَةً بَاطِلَةٌ سَمَّجَتَهُ وَكَيْكَاةٌ فِي مَنَاقِبِ السَّيِّدِ عَلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

”اخطب خوارزم نے اس دجال ابن شاذان کی سند سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مناقب میں بہت سی باطل، بے تکی اور بے ہودہ روایات بیان کی ہیں۔“

(میزان الاعتدال: 3/467)

اس روایت میں اور بھی خرابیاں موجود ہیں۔

روایت نمبر ⑤: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَمَّا خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ وَنَفَخَ فِيهِ الرُّوحَ عَطَسَ آدَمُ، فَأَلْهَمَهُمْ أَنْ قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ: يَا آدَمُ! حَمِدْتَنِي، فَوَعَزَّتَنِي وَجَلَّالِي، لَوْلَا عَبْدَانِ أُرِيدُ أَنْ أَخْلُقَهُمَا فِي آخِرِ الدُّنْيَا مَا خَلَقْتُكَ.

”جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا اور ان میں روح پھونکی تو انہیں چھینک آئی۔ ان کو الہام ہوا کہ وہ الحمد للہ رب العالمین کہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اے آدم! تو نے میری تعریف کی ہے۔ میری عزت اور میرے جلال کی قسم! اگر میں نے دنیا کے آخر میں دو بندوں کو پیدا کرنے کا ارادہ نہ کیا ہوتا تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔“

(بشارة المصطفى لمحمد الطبري الرافضي، ص: 116، 117، الجواهر السنيتية في الأحاديث

القدسيتية للحر العاملي، ص: 273)

تبصرہ:

یہ سراسر جھوٹی روایت ہے کیونکہ:

① حسین بن حسن اشقر راوی جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ ہے۔ اس کے

بارے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”فیہ نظر“ فرمایا ہے۔ (التاریخ الکبیر للبخاری: 2/385)

نیز فرماتے ہیں: **عِنْدَهُ مَنَاكِيزُ**. ”یہ منکر روایات بیان کرتا ہے۔“

(التاریخ الصغیر: 2/291)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، وَكَانَ صَدُوقًا**.

”یہ تھا تو سچا لیکن روایات منکر بیان کرتا تھا۔“ (سوالات ابن ہانی: 2358)

امام ابوزرعہ رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **هُوَ شَيْخٌ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ**.

”یہ شیخ منکر الحدیث تھا۔“ (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 3/50)

امام ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **لَيْسَ بِقَوِيٍّ فِي الْحَدِيثِ**.

”حدیث میں چنداں مضبوط نہیں۔“ (الجرح والتعديل: 3/49)

امام جوزجانی فرماتے ہیں: **غَالٍ مِّنَ الشَّتَائِمِ لِلْخَيْرَةِ**.

”غالی رافضی تھا اور صحابہ کرام پر سب و شتم کرنے والوں میں سے تھا۔“

(أحوال الرجال: 90)

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ (الضعفاء والمتروكين: 195) اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ (كتاب الضعفاء

المتروكين: 146) نے اسے ”لیس بالقوی“ کہا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **وَهُوَ شَيْعِيٌّ جَلْدٌ، وَضَعْفُهُ غَيْرٌ وَاحِدٌ**.

”یہ کٹر شیعہ تھا۔ اسے کئی ایک محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (البدایة والنہایة: 6/86)

حافظ بیہقی فرماتے ہیں: **وَضَعْفُهُ الْجُمَّهُورُ**.

”اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔“ (مجمع الزوائد: 6/82، 9/102)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے ”ضعیف“ کہا ہے۔ (فتح الباری: 6/467)

حافظ سیوطی کہتے ہیں: حُسَيْنِ الْأَشَقَرِ مُتَّهَمٌ.

”حسین اشقر متہم بالکذب راوی ہے۔“ (ذیل الأحادیث الموضوعه، ص: 58)

② اس کی سند میں سلیمان بن مہران اعمش راوی ”مدلس“ ہے۔

③ محمد بن علی بن خلف عطار سے نیچے کے سب راویوں کی توثیق ثابت نہیں ہو

سکی، مثلاً عبید بن موسیٰ رویانی، ابوالحسن احمد بن محمد بن اسحاق، ابویعقوب اسحاق بن محمد بن عمران خباز، محمد بن احمد بن یوسف، ابو محمد عبد الملک بن محمد بن احمد بن یوسف، ابوسعید محمد بن احمد بن حسین نیشاپوری خزاعی، ابو محمد بن عبد الوہاب بن عیسیٰ سمان رازی۔

کیا اس قدر خرابیاں سامنے آجانے کے بعد بھی اس روایت کے جھوٹ ہونے میں کسی عقلمند کو کوئی شبہ رہ سکتا ہے؟

تنبیہ: روایت لَوْلَاكَ مَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاكَ كُوْ عَلَامَه صُنْعَانِي نِي

”موضوع“ کہا ہے۔ (الموضوعات: 51)

دنیا کی کسی کتاب میں اس کی کوئی سند نہیں مل سکی، نہ اہل سنت کی کسی کتاب میں نہ شیعہ کی کسی کتاب میں۔ اس کے باوجود بعض لوگ اس پر اپنے عقیدے کی بنیاد رکھے ہوئے ہیں۔ اسے محمد باقر مجلسی رافضی شیعہ نے اپنی کتاب بحار الأنوار (15/18، 54/199) میں ابوالحسن البکری کی کتاب کتاب الأنوار کے حوالے سے بے سند ذکر کیا ہے۔ اگر کسی کے پاس اس کی کوئی سند ہے تو ہمیں پیش کرے۔

ہم نے اہل سنت اور روافض کی کتابوں میں موجود چھ مرفوع اور موقوف روایات پر تبصرہ کر کے ان کا باطل ہونا آشکارا کر دیا ہے۔ اگر دنیا میں کسی کے پاس ان چھ روایات کے علاوہ کوئی اور باسند روایت ہے تو وہ ہمیں پیش کرے تاکہ اس کا تحقیق جائزہ لیا جاسکے۔

فقہ حنفی اور حدیث ”لولاک“:

حنفی مذہب کی معتبر کتب میں لکھا ہے:

وَفِي جَوَاهِرِ الْفُتَاوَى: هَلْ يَجُوزُ أَنْ يُقَالَ: لَوْلَا نَبِيِّنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَا خَلَقَ اللَّهُ آدَمَ؟ قَالَ: هَذَا شَيْءٌ يَذْكَرُهُ الْوُعَاظُ عَلَى رُؤُوسِ الْمَنَابِرِ، يُرِيدُونَ بِهِ تَعْظِيمَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالْأَوْلَى أَنْ يُحْتَرَزَ عَنْ مِثْلِ هَذَا، فَإِنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَإِنْ كَانَ عَظِيمَ الْمَنْزِلَةِ وَالرُّتْبَةِ عِنْدَ اللَّهِ، فَإِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَنْزِلَةٌ وَمَرْتَبَةٌ، وَخَاصَّةً لَيْسَتْ لِغَيْرِهِ، فَيَكُونُ كُلُّ نَبِيٍّ أَصْلًا بِنَفْسِهِ.

”جواہر الفتاویٰ میں سوال ہے: کیا یہ کہنا جائز ہے کہ اگر ہمارے نبی محمد ﷺ نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو پیدا نہ کرتا؟ جواب یہ دیا گیا: یہ ایسی چیز ہے جو واعظین منبروں پر بیان کرتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد ہمارے نبی محمد ﷺ کی تعظیم کرنا ہوتا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ ایسی باتوں سے احتراز کیا جائے کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند مقام اور مرتبہ رکھتے تھے لیکن ہر نبی کو بھی ایک مقام اور مرتبہ حاصل تھا اور ہر نبی کے پاس کوئی نہ کوئی ایسی خصوصیت تھی جو دوسرے کسی کے پاس نہ تھی۔ لہذا ہر نبی کا اپنا ایک مستقل مقام ہے۔“

(الفتاویٰ التاتاریخانیة: 5/485)

قارئین کرام کو معلوم ہو گیا ہے کہ نقل و عقل کے ساتھ ساتھ فقہ حنفی بھی ان روایات کے خلاف ہے، لیکن اس سب کے باوجود بعض لوگ حنفی ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور ان جھوٹی روایات کو اپنے اسباب شکم پروری کو دوام بخشنے اور اکل و شرب کی دکان کو چمکانے کے لیے برسر منبر بیان بھی کرتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح راستے کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

نمازِ غوثیہ

ابوسعید سلفی

بعض لوگوں نے دین میں مداخلت کرتے ہوئے ایک نئی نماز گھڑی ہے اور اسے ”نمازِ غوثیہ“ کا نام دے کر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ یہ نماز بدعات و خرافات اور شرک و کفر کا ملغوبہ ہے۔ دین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی پیروی کا نام ہے۔ غیر مشروع طریقوں سے تقرب الہی کا حصول ناممکن ہے۔ اگرچہ یہ لوگ اپنے ان کارناموں کو اچھا خیال کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسے طریقوں کو دین و عبادت قرار دینا فساد فی الارض ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ * أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ (البقرة: 2، 11، 12)

”جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم زمین میں فساد نہ کرو تو وہ کہتے ہیں: بلاشبہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار! حقیقت میں یہی لوگ فسادی ہیں، لیکن انہیں شعور نہیں۔“
بدعات، اللہ کی زمین پر فساد و فتنہ کا باعث ہیں۔ بعض لوگ آئے دن کوئی نہ کوئی بدعت ایجاد کر لیتے ہیں۔ وہ عبادات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر اکتفا نہیں کرتے۔

نمازِ غوثیہ کس نے اور کب ایجاد کی؟ ساتویں صدی ہجری تک مسلمان اس سے ناواقف تھے۔ دنیا میں سب سے پہلے مصری قاری اور گمراہ صوفی ابوالحسن علی بن یوسف شطونوفی (644-713ھ) نے متعارف کرایا۔ یہ صوفی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب عبارت یوں ذکر کرتا ہے:

مَنْ اسْتَعَانَ بِي فِي كُرْبَةٍ كُشِفَتْ عَنْهُ، وَمَنْ نَادَانِي بِاسْمِي فِي شِدَّةٍ فُرِّجَتْ

عَنْهُ، وَمَنْ تَوَسَّلَ بِي إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي حَاجَةٍ قُضِيَتْ لَهُ، وَمَنْ صَلَّى رَكَعَتَيْنِ،
يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكَعَةٍ بَعْدَ الْفَاتِحَةِ سُورَةَ الْإِحْلَاصِ إِحْدَى عَشْرَةَ مَرَّةً، ثُمَّ يُصَلِّي
عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ السَّلَامِ وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ، وَيَذْكُرُنِي، ثُمَّ
يَخْطُوا إِلَى جِهَةِ الْعِرَاقِ إِحْدَى عَشْرَةَ خُطْوَةً، وَيَذْكُرُ اسْمِي، وَيَذْكُرُ حَاجَتَهُ،
فَإِنَّهَا تُقْضَى بِإِذْنِ اللَّهِ.

”جو شخص کسی مشکل میں مجھ سے مدد مانگے، اس کی مشکل دُور کر دی جائے گی۔ جو مصیبت
میں مجھے میرا نام لے کر پکارے، اس کی مصیبت دُور کر دی جائے گی اور جو کسی حاجت میں اللہ
تعالیٰ کو میرا وسیلہ دے کر دعا کرے گا، اس کی حاجت پوری کر دی جائے گی۔ جو شخص دو رکعتیں
اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص گیارہ مرتبہ پڑھے، پھر سلام
پھیرنے کے بعد نبی اکرم ﷺ پر درود و سلام بھیجے اور مجھے یاد کرے، پھر عراق کی طرف گیارہ
قدم چلے اور میرا نام لے کر اپنی ضرورت کو ذکر کرے، تو وہ ضرورت پوری ہو جائے گی۔“

(بہجة الأسرار ومعدن الأنوار، ص: 102، فضل ذکر أصحابہ وبشر اہم، طبع مصر)

یہ سفید جھوٹ ہے جسے شیخ عبدالقادر جیلانی سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ اس گھڑنٹل کا راوی
ابوالمعالی عبدالرحیم بن مظفر، جو کہ شطنونی کا استاذ ہے، اس کے حالات زندگی نہیں مل سکے۔ یہ کیوں
ہے؟ کچھ معلوم نہیں۔ نیز اس سند میں ابوالقاسم بزاز کی واضح توثیق درکار ہے۔ نامعلوم افراد کی
باتوں کی دین میں کیا حیثیت ہے؟

جس کتاب میں یہ روایت مذکور ہے، اہل علم نے شطنونی کی اس کتاب کے بارے میں
بھی عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے، بلکہ اسے خرافات کا مجموعہ قرار دیا ہے، جیسا کہ:

① حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (673-748ھ) فرماتے ہیں:

جَمَعَ الشَّيْخُ نُورُ الدِّينِ الشَّطْنُونِيُّ فِي الْمُقَرَّرِ كِتَابًا حَافِلًا فِي سِيرَتِهِ وَأَخْبَارِهِ

فِي ثَلَاثِ مُجَلَّدَاتٍ، أَتَى فِيهِ بِالْبَيِّرَةِ وَأُذُنِ الْجَبْرَةِ، وَبِالصَّحِيحِ وَالْوَاهِيِ
وَالْمَكْذُوبِ، فَإِنَّهُ كَتَبَ فِيهِ حِكَايَاتٍ عَنْ قَوْمٍ لَا صِدْقَ لَهُمْ .

”شیخ نور الدین شطنوفی نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت اور حالات کے بارے
میں تین جلدوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی ہے، جس میں اس نے اچھی، بُری، صحیح، کمزور اور جھوٹی
ہر طرح کی باتیں ذکر کی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ اس نے ایسے راویوں سے حکایات نقل کیں
جو ہرگز سچے نہیں تھے۔“ (تاریخ الإسلام: 12/252)

② حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (773-852ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْكَمَالُ جَعْفَرُ: وَذَكَرَ فِيهَا عَرَائِبَ وَعَجَائِبَ، وَطَعَنَ النَّاسَ فِي كَثِيرٍ
مِّنْ حِكَايَاتِهِ، وَمِنْ أَسَانِيدِهِ فِيهَا .

”کمال جعفر نے کہا ہے کہ شطنوفی نے اس کتاب میں منکر اور عجیب و غریب حکایات ذکر
کی ہیں۔ اہل علم نے اس کی بہت سی حکایات اور بہت سی سندوں پر طعن کیا ہے۔“

(الدرر الكامنة: 3/141)

③ حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ (736-795ھ) لکھتے ہیں:

وَلَكِنْ قَدْ جَمَعَ الْمُتَقَرِّبِيُّ أَبُو الْحَسَنِ الشَّطْنُوفِيَّ الْمِصْرِيَّ، فِي أَحْبَابِ
السَّيِّخِ عَبْدِ الْقَادِرِ وَمَنَاقِبِهِ ثَلَاثَ مُجَلَّدَاتٍ، وَكَتَبَ فِيهَا الطَّمَّ وَالزَّمَّ، وَكَفَى
بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ، وَقَدْ رَأَيْتُ بَعْضَ هَذَا الْكِتَابِ، وَلَا يَطِيبُ
عَلَى قَلْبِي أَنْ أَعْتَمِدَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا فِيهِ، فَانْقُلْ مِنْهُ إِلَّا مَا كَانَ مَشْهُورًا مَعْرُوفًا مِّنْ
غَيْرِ هَذَا الْكِتَابِ، وَذَلِكَ لِكَثْرَةِ مَا فِيهِ مِنَ الرِّوَايَةِ عَنِ الْمَجْهُولِينَ، وَفِيهِ مِنَ
السَّطْحِ، وَالطَّامَاتِ، وَالذَّعَاوِي، وَالْكَالَامِ الْبَاطِلِ، مَا لَا يُحْصَى، وَلَا يَلِيقُ

نَسَبُهُ مِثْلَ ذَلِكَ إِلَى الشَّيْخِ عَبْدِ الْقَادِرِ رَحِمَهُ اللَّهُ، ثُمَّ وَجَدْتُ الْكَمَالَ جَعْفَرَ الْأَدْفَوِيَّ، قَدْ ذَكَرَ أَنَّ الشَّطْنُونِيَّ نَفَسَهُ كَانَ مُتَّهَمًا فِيمَا يَحْكِيهِ فِي هَذَا الْكِتَابِ بِعَيْنِهِ.

”مقری ابوالحسن شطنونی مصری نے شیخ عبد القادر رحمہ اللہ کے فضائل و مناقب میں تین جلدوں پر مشتمل کتاب لکھی ہے اور اس میں ہر جھوٹی سچی بات لکھ ماری ہے۔ کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہوتا ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو (بغیر تحقیق) آگے بیان کر دے۔ میں نے اس کتاب کا کچھ حصہ دیکھا ہے۔ مجھے اس میں سے کسی بھی بات پر اعتماد کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ میں اس سے صرف وہ مشہور و معروف چیزیں نقل کروں گا جو اس کتاب کے علاوہ دوسری کتب میں مذکور ہوں گی۔ اس کتاب میں مجہول راویوں کی کثرت ہے۔ اس میں بے تکی باتوں کی بھرمار ہے، نیز یہ جھوٹ طوفان، بلند بانگ دعووں اور باطل باتوں سے اٹی پڑی ہے۔ شیخ عبد القادر رحمہ اللہ کی طرف اس کتاب کی نسبت جائز ہی نہیں۔ پھر میں نے کمال جعفر ادنوی کی یہ بات بھی پڑھی ہے کہ اس کتاب میں جو کچھ مذکور ہے، یہ خود شطنونی کی گھڑنت ہے۔“
(ذیل طبقات الحنابلة: 2/195، 194)

قارئین کرام! آپ نے نمازِ غوثیہ کے متعلق جان لیا ہے۔ جس کتاب سے اس کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے، اس کے متعلق بھی جان کاری کر لی ہے۔ جو لوگ اس نماز کو دین قرار دیتے ہیں، وہ کتنے بے باک ہیں؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا، فَهُوَ رَدٌّ))

”جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا، جس پر ہماری مہر نہیں، وہ مردود و باطل ہے۔“

(صحیح مسلم: 2/77، ح: 1718)

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ (736-795ھ) فرماتے ہیں:

وَهَذَا الْحَدِيثُ أَضَلُّ عَظِيمٍ مِّنْ أُصُولِ الْإِسْلَامِ، وَهُوَ كَالْمِيزَانِ لِلْأَعْمَالِ

فِي ظَاهِرِهَا كَمَا أَنَّ حَدِيثَ: «الْأَعْمَالُ بِالتِّيَّاتِ» مِيزَانٌ لِلْأَعْمَالِ فِي بَاطِنِهَا، فَكَمَا أَنَّ كُلَّ عَمَلٍ لَا يُرَادُ بِهِ وَجْهُ اللَّهِ تَعَالَى، فَلَيْسَ لِعَامِلِهِ فِيهِ ثَوَابٌ، فَكَذَلِكَ كُلُّ عَمَلٍ لَا يَكُونُ عَلَيْهِ أَمْرٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ، فَهُوَ مَرْدُودٌ عَلَى عَامِلِهِ، وَكُلُّ مَنْ أَحْدَثَ فِي الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ وَرَسُولُهُ، فَلَيْسَ مِنَ الدِّينِ فِي شَيْءٍ.

”یہ حدیث اسلام کے اصولوں میں سے ایک بہت بڑا اصول ہے۔ یہ اعمال کے لیے ظاہری طور پر ایسی ہی کسوٹی ہے، جیسے اعمال کے لیے باطنی طور پر یہ حدیث کسوٹی ہے کہ اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔ جس طرح ہر وہ عمل جس کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضائے ہو، کرنے والے کے لیے باعثِ ثواب نہیں ہوتا، اسی طرح ہر وہ عمل جس پر اللہ و رسول کی مہر نہ ہو، وہ مردود ہے۔ جس نے بھی دین میں ایسی چیز ایجاد کی، جس کی اجازت اللہ و رسول نے نہیں دی، اس کی دین میں کوئی حیثیت نہیں۔“ (جامع العلوم والحکم، ص: 8)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ تَصَرُّفَاتِ الْعِبَادِ مِنَ الْقَوْلِ وَالْأَفْعَالِ نَوَاعِنٌ، عِبَادَاتٌ يَصْلُحُ بِهَا دِينُهُمْ، وَعَادَاتٌ يَحْتَاجُونَ إِلَيْهَا فِي دُنْيَاهُمْ، فَبِاسْتِنْفَازِ أَصُولِ الشَّرِيعَةِ نَعْلَمُ أَنَّ الْعِبَادَاتِ الَّتِي أَوْجَبَهَا اللَّهُ أَوْ أَحَبَّهَا، لَا يَثْبُتُ الْأَمْرُ بِهَا إِلَّا بِالشَّرْعِ.

”بندوں کے اقوال و افعال کی دو قسمیں ہیں؛ ایک وہ جن سے ان کا دین درست ہوتا ہے اور دوسرے وہ جن کے وہ اپنی دنیاوی زندگی میں محتاج ہیں۔ شریعت کے اصولوں کے گہرے مطالعے سے ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ جو عبادات اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں یا انہیں مستحب ٹھہرایا ہے، ان کا معاملہ صرف شریعت ہی سے ثابت ہو سکتا ہے۔“ (القواعد النورانية، ص: 78, 79)

اپنی طرف سے نماز گھڑ کر بزرگوں کے وسیلے پر دلیل پیش کرنا، دین نہیں، بلکہ ایجادِ دین ہے۔

